اصلاحی خطبات

جلد ۸

- تبلیغ و دعوت کے اصول
- دوسروں کو تکلیف مت دیجئے
- رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کیجئے
- خلقِ خدا سے محبت کیجئے
- غصے کو قابو میں کیجئے
- راحت کس طرح حاصل ہو؟
- گناہوں کا علاج خوفِ خدا
- مسلمان مسلمان، بھائی بھائی
- علماء کی توہین سے بچیں
- مؤمن ایک آئینہ ہے
- دو سلسلے۔ کتاب اللہ۔ رجال اللہ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

اِصلاحی خُطبات

۸

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

خطبات ⟵ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب ⟵ محمد عبداللہ میمن صاحب

مقام ⟵ جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی

اشاعت اول ⟵ جنوری ۱۹۹۸ء

تعداد ⟵ دو ہزار

ناشر ⟵ میمن اسلامک پبلشرز، فون: - ۴۹۱۶۰۳۳

باہتمام ⟵ ولی اللہ میمن

قیمت ⟵ =/ روپے

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، ۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- ادارہ اسلامیات، ۱۹۰۔ انارکلی، لاہور ۲
- مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
- کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
- مولانا اقبال نعمانی صاحب، آفیسر کالونی گارڈن، کراچی

پیش لفظ

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ امابعد!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے۔ اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمدللہ! احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے اور بفضلہ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبداللہ میمن صاحب سلّمہ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے محفوظ کر کے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشرواشاعت کا اہتمام کیا جس کے بارے دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب ڈھائی سو سے زائد ہو گئی ہے انہیں میں سے کچھ کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے قلمبند بھی فرمالیں اور ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا۔ اب وہ ان تقاریر کا مجموعہ "اصلاحی خطبات" کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظر ثانی بھی کی ہے، اور موصوف نے ان پر

ایک مفید کام بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آتی ہیں ان کی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں اور اس طرح ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں بلکہ خطابی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی کا کوتاہی کی وجہ سے ہے، لیکن الحمدللہ! ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم نہ بہ نقش بستہ مشوشم
نفسے بیاد توی زنم، چہ عبارت وچہ معانیم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور یہ ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے مزید دُعا ہے کہ وہ ان خطبات کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں۔ آمین

محمد تقی عثمانی

۱۲ ربیع الاوّل ۱۴۱۴ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرضِ ناشر

الحمدللہ "اصلاحی خطبات" کی آٹھویں جلد آپ تک پہنچانے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں، ساتویں جلد کی مقبولیت اور افادیت کے بعد مختلف حضرات کی طرف سے آٹھویں جلد کو جلد از جلد شائع کرنے کا شدید تقاضہ ہوا، اور اب الحمدللہ، دن رات کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں صرف چھ ماہ کے اندر یہ جلد تیار ہو کر سامنے آگئی، اس جلد کی تیاری میں برادر مکرم جناب مولانا عبداللہ میمن صاحب نے اپنی مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کام کے لئے اپنا قیمتی وقت نکالا، اور دن رات کی انتھک محنت اور کوشش کر کے آٹھویں جلد کے لئے مواد تیار کیا، اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے، اور مزید آگے کام جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ہم جامعہ دارالعلوم کراچی کے استاد حدیث جناب مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم اور مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہم کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر اس پر نظرِ ثانی فرمائی، اور مفید مشورے دیئے، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان حضرات کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین

تمام قارئین سے دعاء کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو مزید آگے جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے، اور اس کے لئے وسائل اور اسباب میں آسانی پیدا فرمائے۔ اس کام کو اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ولی اللہ میمن

اجمالی فہرستِ مضامین

فہرست مضامین

تبلیغ و دعوت کے اصول

راحت، کس طرح حاصل ہو؟

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ
❖ "قناعت" کا صحیح مطلب	۷۸
❖ کم از کم ادنیٰ درجہ حاصل کرلیں	۷۹
❖ ایک یہودی کا عبرتناک قصہ	۸۰
❖ ایک تاجر کا عجیب قصہ	۸۱
❖ یہ مال بھی آخرت کا سامان ہے	۸۲
❖ دل سے دنیا کی محبت کم کرنے کا طریقہ	۸۳
❖ اس کو پوری دنیا دے دی گئی	۸۳
❖ ان نعمتوں پر شکر ادا کرو	۸۴
❖ اُونچے اُونچے منصوبے مت بناؤ	۸۵
❖ اگلے دن کی زیادہ فکر مت کرو	۸۶
❖ سکون اور اطمینان قناعت میں ہے	۸۷
❖ بڑے بڑے دولت مندوں کا حال	۸۷
❖ سکون پیسے سے نہیں خریدا جاسکتا	۸۸
❖ دنیا کا مہنگا ترین بازار "لاس اینجلس" میں	۸۹
❖ اس دولت کا دوسرا رُخ	۹۰
❖ ہاتھ میں اُٹھنے والی کھجلی	۹۰
❖ دنیا کا مالدار ترین انسان "قارون"	۹۱
❖ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ	۹۲
❖ آمدنی اختیار میں نہیں، خرچ اختیار میں ہے	۹۳
❖ یہ دعا کیا کریں	۹۴
❖ برکت کا مطلب	۹۵
❖ حساب کتاب کی دنیا	۹۵
❖ برکت اور بے برکتی کی مثال	۹۵

دوسروں کو تکلیف مت دیجئے

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

گناہوں کا علاج، خوفِ خدا

عنوان	صفحہ

صفحہ	عنوان

رشتہ داروں کے ساتھ اچّھا سلوک کیجئے

صفحہ	عنوان

مُسلمان مُسلمان، بھائی بھائی

خلقِ خُدا سے محبّت کیجئے

عنوان	صفحہ

صفحہ	عنوان

عُلماء کی توہین سے بچیں

غصے کو قابو میں کیجئے

عنوان	صفحہ

مومن ایک آئینہ ہے

دو سلسلے۔ کتاب اللہ، رجال اللہ

تبلیغ دعوت کے اُصول

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب : **تبلیغ و دعوت کے اُصول**

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ہشتم

صفحات : ۲۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تبلیغ ودعوت کے اصول

الحمد للّٰہ نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سيٰات اعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا اللّٰه وحده لاشريك له ونشهدان سيدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى أله واصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيرًا كثيرا-

اما بعد!

فاعوذ باللّٰه من الشيطن الرجيم- بسم اللّٰه الرحمن الرحيم

﴿والمومنون والمومنت بعضهم اولياء بعض يامرون بالمعروف وينهون عن المنكر ويقيمون الصلوة ويوتون الزكوة ويطيعون اللّٰه ورسوله اولئك سيرحمهم اللّٰه ان اللّٰه عزيز حكيم۝﴾

(سورۃ توبہ-۷۱)

آمنت باللّٰه صدق اللّٰه مولانا العظيم، وصدق رسوله النبى الكريم، ونحن على ذلك من الشاهدين والشاكرين والحمد للّٰه رب العالمين-

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے درجات

اس آیت کا تعلق "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" سے ہے۔ نیک بندوں کا وصف بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ لوگ دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بُرائیوں سے روکتے ہیں۔ "امر" کے معنی ہیں "حکم دینا" اور "معروف" کے معنی ہیں "نیکی" "نہی" کے معنی ہیں "روکنا" اور "منکر" کے معنی ہیں "بُرائی"۔ فقہاء کرامؒ نے لکھا ہے کہ جس طرح ہر مسلمان پر نماز روزہ فرض عین ہے۔ اسی طرح یہ بھی فرض عین ہے کہ اگر وہ دوسرے کو کسی بُرائی میں مبتلا دیکھے تو اپنی استطاعت کے مطابق اس کو روکے اور منع کرے کہ یہ کام گناہ ہے اس کو نہ کرو۔ لوگوں کو اتنی بات تو معلوم ہے کہ "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" فرض عین ہے۔ لیکن عام طور پر اس کی تفصیل معلوم نہیں کہ یہ کس وقت فرض ہے اور کس وقت فرض نہیں۔ اور معلوم نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ تو اس فریضہ سے ہی بالکل غافل ہیں۔ وہ لوگ اپنی آنکھوں سے اپنے بیوی بچوں کو اور اپنے دوستوں کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ حرام کاموں میں مبتلا ہیں، لیکن اس کے باوجود ان کو روکنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ ان کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کر رہے ہیں، لیکن ان کو کہنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ اور بعض لوگ اس حکم کو اتنا عام سمجھتے ہیں کہ صبح سے لے کر شام تک انہوں نے دوسروں کو روکنے ٹوکنے کو اپنا مشغلہ بنا رکھا ہے۔ اس طرح اس آیت پر عمل کرنے میں لوگ افراط و تفریط میں مبتلا ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس آیت کا صحیح مطلب معلوم نہیں، اس لئے اس کی تفصیل سمجھنا ضروری ہے۔

دعوت و تبلیغ کے دو طریقے: انفرادی: اجتماعی

پہلی بات یہ سمجھ لیں کہ دعوت و تبلیغ کرنے اور دین کی بات دوسروں تک

پہنچانے کے دو طریقے ہیں۔ (۱)انفرادی دعوت و تبلیغ۔ (۲)اجتماعی دعوت و تبلیغ انفرادی دعوت و تبلیغ کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اپنی آنکھوں سے دوسرے شخص کو دیکھ رہا ہے کہ وہ فلاں گناہ اور فلاں بُرائی کے اندر مبتلا ہے، یا وہ شخص فلاں فرض واجب کی ادائیگی میں کوتاہی کر رہا ہے۔ اب انفرادی طور پر اس شخص کو اس طرف متوجہ کرنا کہ وہ اس بُرائی کو چھوڑ دے، اور نیکی پر عمل کرے۔ اس کو انفرادی تبلیغ ودعوت کہتے ہیں دوسری اجتماعی دعوت اور تبلیغ ہوتی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ایک بڑے مجمع کے سامنے دین کی بات کہے، ان کے سامنے وعظ و تقریر کرے، یا ان کو درس دے یا اس بات کا ارادہ کرے کہ میں کسی فوری سبب کے بغیر دوسروں کے پاس جا جاکر ان کو دین کی بات سناؤں گا، اور دین پھیلاؤں گا، جیسے ماشاء اللہ ہمارے تبلیغی جماعت کے حضرات کرتے ہیں کہ لوگوں کے پاس ان کے گھروں پر ان کی دوکانوں پر جاکر ان کو دین کی بات پہنچاتے ہیں۔ یہ اجتماعی تبلیغ ہے۔ دعوت و تبلیغ کے ان دونوں طریقوں کے احکام الگ الگ ہیں اور دونوں کے آداب الگ الگ ہیں۔

اجتماعی تبلیغ فرض کفایہ ہے

"اجتماعی تبلیغ" فرض عین نہیں ہے، بلکہ فرض کفایہ ہے، لہٰذا ہر ہر مسلمان پر فرض نہیں ہے کہ دوسروں کے پاس جاکر وعظ کہے، یا دوسروں کے گھر پر جاکر تبلیغ کرے، کیونکہ یہ فرض کفایہ ہے، اور فرض کفایہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کچھ لوگ وہ کام کر رہے ہوں تو باقی لوگوں سے وہ فریضہ ساقط ہوجاتا ہے، اور اگر کوئی شخص بھی انجام نہ دے تو سب گناہ گار ہوں گے، جیسے نماز جنازہ فرض کفایہ ہے، اب ہر شخص کے ذمے ضروری نہیں ہے کہ وہ نماز جنازہ میں شامل ہو، اگر شامل ہوگا تو ثواب ملے گا، اور اگر شامل نہیں ہوگا تو گناہ نہیں ہوگا، جب تک کہ کچھ پڑھنے والے لوگ موجود ہوں، لیکن اگر ایک بھی شخص پڑھنے والا نہیں ہوگا تو اس

وقت سب مسلمان گناہ گار ہوں گے، اس کو فرض کفایہ کہا جاتا ہے، اسی طرح یہ اجتماعی دعوت فرض کفایہ ہے، فرض عین نہیں ہے۔

انفرادی تبلیغ فرض عین ہے

"انفرادی دعوت و تبلیغ" یہ ہے کہ ہم اپنی آنکھوں سے ایک بُرائی ہوتی ہوئی دیکھ رہے ہیں، یا ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ کوئی شخص کسی فرض کو چھوڑ رہا ہے تو اس وقت اپنی استطاعت کی حد تک اس بُرائی کو روکنا فرض کفایہ نہیں، بلکہ فرض عین ہے، اور فرض عین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی یہ سوچ کر نہ بیٹھ جائے کہ یہ کام دوسرے لوگ کرلیں گے، یا یہ تو مولیوں کا کام ہے، یا تبلیغی جماعت والوں کے کرنے کا کام ہے، یہ درست نہیں، اس حدیث کی رو سے یہ کام ہر ہر مسلمان کے ذمے فرض عین ہے۔ لہٰذا یہ انفرادی دعوت و تبلیغ فرض عین ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض عین ہے

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بے شمار آیتوں میں نیک بندوں کے کے بنیادی اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا: "یا مرون بالمعروف وینھون عن المنکر" یعنی وہ نیک بندے دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ اور بُرائی سے لوگوں کو منع کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر مسلمان کے ذمے فرض عین ہے۔ آج ہم لوگ اس کی فرضیت ہی سے غافل ہیں، اپنی آنکھوں سے اپنی اولاد کو اپنے گھر والوں کو غلط راستے پر جاتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ اپنے ملنے جلنے والوں کو غلط کام کرتا ہوا دیکھتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اس بُرائی پر ان کو متنبّہ کرنے کا کوئی جذبہ اور کوئی داعیہ ہمارے دلوں میں پیدا نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہ ایک مستقل فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا ہے۔ جس طرح ہر مسلمان پر پانچ وقت کی نماز فرض ہے، جس طرح رمضان کے روزے ہر مسلمان پر فرض ہیں۔ زکوٰۃ اور حج فرض

ہے، بالکل اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی فرض ہے۔ اس لئے سب سے پہلے اس کام کی اہمیت کو سمجھنا چاہئے، اگر کسی نے ساری عمر نیکیوں میں گزاردی، ایک نماز نہیں چھوڑی، روزہ ایک بھی نہیں چھوڑا، زکوۃ اور حج ادا کرتا رہا، اور اپنی طرف سے کسی گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہیں کیا، لیکن اس شخص نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام بھی انجام نہیں دیا۔ اور دوسروں کو بُرائیوں سے بچانے کی فکر بھی نہیں کی، یاد رکھئے، اپنی ذاتی نیکیوں کے باوجود آخرت میں اس شخص کی پکڑ ہوجائے گی کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے یہ بُرائیاں ہورہی تھیں، اور ان منکرات کا سیلاب اُمڈ رہا تھا، تم نے اس کو روکنے کا کیا اقدام کیا؟ لہٰذا تنہا اپنے آپ کو سدھار لینا کافی نہیں، بلکہ دوسروں کی فکر کرنا بھی ضروری ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کب فرض ہے؟

دوسری بات یہ سمجھ لیجئے کہ عبادات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عبادت وہ ہے جو فرض یا واجب ہے ۔ جیسے نماز، روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ۔ دوسری عبادت وہ ہے جو سُنّت یا مستحب ہے۔ جیسے مسواک کرنا، کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا، تین سانس میں پانی پینا وغیرہ، اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام سنتیں داخل ہیں۔ اسی طرح بُرائیوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک بُرائی وہ ہے جو حرام اور گناہ ہے اور قطعی طور پر شریعت میں ممنوع ہے۔ دوسری بُرائی وہ ہے جو حرام اور ناجائز نہیں، بلکہ خلافِ سُنّت ہے۔ یا خلافِ اولیٰ ہے۔ یا ادب کے خلاف ہے۔ اگر کوئی شخص فرائض یا واجبات کو چھوڑ رہا ہو، یا حرام اور ناجائز کام کا ارتکاب کر رہا ہو تو وہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض عین ہے۔ شلاً کوئی شخص شراب پی رہا ہے، یا بدکاری کے اندر مبتلا ہے، یا غیبت کر رہا ہے، یا جھوٹ بول رہا ہے۔ چونکہ یہ سب صریح گناہ ہیں، یہاں نہی عن المنکر فرض ہے۔ یا مثلاً کوئی شخص فرض نماز چھوڑ رہا ہے، یا زکوۃ نہیں دے رہا ہے، یا رمضان کے روزے نہیں رکھ رہا ہے تو اس کو

اس کی ادائیگی کے لئے کہنا فرض ہے۔

اس وقت نہی عن المنکر فرض نہیں

اور پھر اس میں بھی تفصیل ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ اس وقت فرض ہوتا ہے جب اس کو بتانے یا اس کو روکنے کے نتیجے میں اس کے مان لینے کا احتمال ہو۔ اور اس کو بتانے کے نتیجے میں بتانے والے کو کوئی تکلیف پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔ لہٰذا اگر کوئی شخص گناہ کے اندر مبتلا ہے، اور آپ کو یہ خیال ہے کہ اگر میں اس کو اس گناہ سے روکوں گا تو یقین ہے کہ یہ شخص مانے گا نہیں، بلکہ یہ شخص الٹا شریعت کے حکم کا مذاق اڑائے گا۔ اور اس کی توہین کرے گا، اور اس توہین کے نتیجے میں یہ اندیشہ ہے کہ کہیں کفر میں مبتلا نہ ہوجائے۔ اس لئے کہ شریعت کے کسی حکم کی توہین کرنا صرف گناہ نہیں، بلکہ یہ عمل انسان کو اسلام سے خارج کردیتا ہے اور کافر بنادیتا ہے۔ لہٰذا اگر اس بات کا غالب گمان ہو کہ اگر میں اس شخص کو اس وقت اس گناہ سے روکوں گا تو یہ شریعت کے حکم کی توہین کرے گا تو ایسی صورت میں اس وقت نہی عن المنکر کا فریضہ ساقط ہوجاتا ہے۔ اس لئے ایسے موقع پر اس کو اس گناہ سے نہیں روکنا چاہئے، بلکہ اپنے آپ کو اس گناہ کے کام سے الگ کرلینا چاہئے۔ اور اس شخص کے حق میں دعا کرنا چاہئے کہ یا اللہ! آپ کا یہ بندہ ایک بیماری میں مبتلا ہے، اپنے فضل و کرم سے اس کو اس بیماری سے نکال دیجئے۔

گناہ میں مبتلا شخص کو موقع پر روکنا

ایک شخص پورے ذوق و شوق کے ساتھ کسی گناہ کی طرف متوجہ ہے، اس وقت اس بات کا دور دور تک کوئی احتمال نہیں ہے کہ وہ کسی کی بات سنے گا اور مان لے گا، اب عین اس وقت ایک شخص اس کے پاس تبلیغ کے لئے اور امر بالمعروف کے لئے پہنچ گیا، اور یہ نہیں سوچا کہ اس وقت تبلیغ کرنے کا نتیجہ کیا ہوگا؟ چنانچہ اس

نے تبلیغ کی، اس نے سامنے سے شریعت کے اس حکم کا مذاق اڑادیا اور اس کے نتیجے میں کفر کے اندر مبتلا ہوگیا۔ اس کے کفر میں مبتلا ہونے کا سبب یہ شخص بنا جس نے جاکر اس کو تبلیغ کی۔ لہٰذا عین اس وقت جب کوئی شخص گناہ کے اندر مبتلا ہو، اس وقت روکنا ٹوکنا بعض اوقات نقصان دہ ہوتا ہے۔ اس لئے اس وقت روکنا ٹوکنا ٹھیک نہیں، بلکہ بعد میں مناسب موقع پر اس کو بتادینا اور سمجھا دینا چاہئے کہ جو عمل تم کررہے تھے وہ درست نہیں تھا۔

اگر ماننے اور نہ ماننے کے احتمال برابر ہوں

اور اگر دونوں احتمال برابر ہوں یعنی یہ احتمال بھی ہو کہ شاید یہ میری بات سن کر مان لے اور اس گناہ سے باز آجائے۔ اور یہ احتمال بھی ہو کہ شاید یہ میری بات نہ مانے، تو ایسے موقع میں بات کہہ دینا ضروری ہے۔ اس لئے کہ کیا پتہ کہ تمہارے کہنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کے دل میں یہ بات اُتار دے اور اس کے نتیجے میں اس کی اصلاح ہوجائے، اور اگر تمہارے کہنے کے نتیجے میں اس کی اصلاح ہوگئی تو پھر اس کی آئندہ ساری عمر کی نیکیاں تمہارے نامہ اعمال میں لکھی جائیں گی۔

اگر تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو

اور اگر یہ خیال ہے کہ یہ شخص جو گناہ کے اندر مبتلا ہے، اگر میں اس کو روکوں گا تو یہ شخص اگرچہ شریعت کے حکم کی توہین تو نہیں کرے گا، لیکن مجھے تکلیف پہنچائے گا۔ تو اس صورت میں اپنے آپ کو اس تکلیف سے بچانے کے لئے اس کو گناہ سے نہ روکنا جائز ہے، اور اس وقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض نہیں رہے گا۔ البتہ افضل پھر بھی یہ ہے کہ اس سے کہہ دے، اور یہ سوچے کہ اگرچہ مجھے تکلیف پہنچائے گا اور میرے پیچھے پڑجائے گا، لیکن میں حق بات اس کو کہہ دوں۔ لہٰذا اس وقت بات کہہ دینا افضل ہے، اور جو تکلیف پہنچے اس کو برداشت

کرنا چاہئے۔ بہرحال، مندرجہ بالا تین صورتیں یاد رکھنے کی ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس جگہ یہ اندیشہ ہو کہ سامنے والا شخص میری بات سننے اور ماننے کے بجائے شریعت کے حکم کی توہین کرے گا، وہاں امربالمعروف نہ کرے، بلکہ خاموش رہے۔ اور جس جگہ دونوں احتمال برابر ہوں کہ شاید میری بات مان لے گا، یا شاید توہین پر اُتر آئے گا، اس جگہ پر بات کہنا ضروری ہے۔ اور جس جگہ یہ اندیشہ ہو کہ وہ مجھے تکلیف پہنچائے گا تو وہاں شریعت کی بات کہنا ضروری نہیں، البتہ افضل یہ ہے کہ شریعت کی بات کہہ دے، اور اس تکلیف کو برداشت کرے۔ یہ خلاصہ ہے جسے ہر شخص کو یاد رکھنا چاہئے۔

ٹوکتے وقت نیت درست ہونی چاہئے

پھر شریعت کی بات کہتے وقت ہمیشہ نیت درست رکھنی چاہئے۔ اور یہ سمجھنا نہیں چاہئے کہ ہم مصلح اور بڑے ہیں۔ اور ہم دیندار اور متقی ہیں، دوسرا شخص فاسق اور فاجر ہے، اور ہم اس کی اصلاح کے لئے کھڑے ہوئے ہیں، ہم خدائی فوجدار اور داروغہ ہیں۔ اس لئے کہ اس نیت کے ساتھ اگر شریعت کی بات کہی جائے گی تو اس کا فائدہ نہ سننے والے کو پہنچے گا اور نہ تمہیں فائدہ ہوگا، اس لئے کہ اس نیت کے ساتھ تمہارے دل میں تکبر اور عجب پیدا ہوگیا جس کے نتیجے میں یہ عمل اللہ تعالیٰ کے پاس مقبول نہیں رہا اور تمہارا یہ عمل بے کار اور اکارت ہوگیا اور ساری محنت ضائع ہوگئی۔ اور سننے والے کے دل میں بھی تمہاری بات کہنے کا اثر نہیں ہوگا۔ اس لئے روکتے وقت نیت کا درست ہونا ضروری ہے۔

بات کہنے کا طریقہ درست ہونا چاہئے

اسی طرح جب بھی دوسرے سے شریعت کی بات کہنی ہو تو صحیح طریقے سے بات کہو۔ پیار، محبت اور خیر خواہی کے ساتھ بات کہو، تاکہ اس کی دل شکنی کم سے کم

ہو۔ اور اس انداز سے بات کہو کہ اس کی سبکی نہ ہو، اور لوگوں کے سامنے اس کی بے عزتی نہ ہو۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ایک جملہ فرمایا کرتے تھے جو میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کئی بار ہم نے سنا، وہ یہ کہ حق بات حق طریقے اور حق نیت سے جب بھی کہی جائے گی وہ کبھی نقصان دہ نہیں ہوگی، لہٰذا جب بھی تم یہ دیکھو کہ حق بات کہنے کے نتیجے میں کہیں لڑائی جھگڑا ہوگیا یا نقصان ہوگیا یا فساد ہوگیا تو سمجھ لو کہ ان تین باتوں میں سے ضرور کوئی بات ہوگی، یا تو بات حق نہیں تھی اور خواہ مخواہ اس کو حق سمجھ لیا تھا۔ یا بات تو حق تھی لیکن نیت درست نہیں تھی، اور بات کہنے کا مقصد دوسرے کی اصلاح نہیں تھی بلکہ اپنی بڑائی جتانی مقصود تھی، یا دوسرے کو ذلیل کرنا مقصود تھا، جس کی وجہ سے بات کے اندر اثر نہیں تھا۔ یا یہ کہ بات بھی حق تھی، نیت بھی درست تھی، لیکن طریقہ حق نہیں تھا، اور بات ایسے طریقے سے کہی جیسے دوسرے کو لٹھ مار دیا۔ کلمہ حق کوئی لٹھ نہیں ہے کہ اٹھا کر کسی کو مار دو، بلکہ حق کلمہ کہنا محبت اور خیر خواہی والا کام ہے جو حق طریقے سے انجام پائے گا۔ جب خیر خواہی میں کمی ہوجاتی ہے تو پھر حق بات سے بھی نقصان پہنچ جاتا ہے۔

نرمی سے سمجھانا چاہئے

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کی اصلاح کے لئے بھیجا اور فرعون کون تھا؟ خدائی کا دعویدار تھا، جو یہ کہتا تھا کہ:

﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ (النازعات: ۲۴)

یعنی میں تمہارا بڑا پروردگار ہوں، گویا کہ وہ فرعون بدترین کافر تھا۔ لیکن جب یہ دونوں پیغمبر فرعون کے پاس جانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى﴾

(سورۃ طٰہٰ: ۴۴)

یعنی تم دونوں فرعون کے پاس جاکر نرم بات کہنا، شاید کہ وہ نصیحت مان لے یا ڈر جائے۔ یہ واقعہ سنانے کے بعد والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آج تم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے مصلح نہیں ہوسکتے، اور تمہارا مقابل فرعون سے بڑا گمراہ نہیں ہوسکتا، چاہے وہ کتنا ہی بڑا فاسق و فاجر اور مشرک ہو، اس لئے کہ وہ تو خدائی کا دعویدار تھا۔ اس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا جارہا ہے کہ جب فرعون کے پاس جاؤ تو ذرا نرمی سے بات کرنا۔ سختی سے بات مت کرنا۔ اس کے ذریعہ ہمارے لئے قیامت تک یہ پیغمبرانہ طریقہ کار مقرر فرمادیا کہ جب بھی کسی سے دین کی بات کہیں تو نرمی سے کہیں، سختی سے نہ کہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھانے کا انداز

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ اور صحابہ کرامؓ بھی موجود تھے۔ اتنے میں ایک دیہاتی شخص مسجد نبوی میں داخل ہوا، اور آکر جلدی جلدی اس نے نماز پڑھی اور نماز کے بعد عجیب و غریب دعا کی کہ:

﴿اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ وَمُحَمَّدًا وَّلَا تَرْحَمْ مَعَنَا اَحَدًا﴾

اے اللہ! مجھ پر رحم فرما اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم فرما اور ہمارے علاوہ کسی پر رحم نہ فرما۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ دعا سنی تو فرمایا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو بہت تنگ اور محدود کردیا کہ صرف دو آدمی پر رحم فرما، اور کسی پر رحم نہ فرما، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اسی دیہاتی نے مسجد کے صحن میں بیٹھ کر پیشاب کردیا۔ صحابہ کرامؓ نے جب یہ دیکھا کہ وہ مسجد میں پیشاب کررہا ہے تو صحابہ کرامؓ جلدی سے اس کی طرف

دوڑے، اور قریب تھا کہ اس پر ڈانٹ ڈپٹ شروع کردیتے، اتنے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿لَا تُزْرِمُوْهُ﴾ (مسلم، کتاب الطہارۃ، باب وجوب غسل البول)

یعنی اس کا پیشاب بند مت کرو۔ جو کام کرنا تھا، وہ اس نے کرلیا۔ اور پورا پیشاب کرنے دو، اس کو مت ڈانٹو۔ اور فرمایا:

﴿اِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ﴾

یعنی تمہیں لوگوں کے لئے خیر خواہی کرنے والا اور آسانی کرنے والا بناکر بھیجا گیا ہے، دشواری کرنے والا بناکر نہیں بھیجا گیا، لہٰذا اب جاکر مسجد کو پانی کے ذریعہ صاف کردو۔ پھر آپ نے اس کو بلاکر سمجھایا کہ یہ مسجد اللہ کا گھر ہے، اس قسم کے کاموں کے لئے نہیں ہے۔ لہٰذا تمہارا یہ عمل درست نہیں، آئندہ ایسا مت کرنا۔

(مسلم، کتاب الطہارۃ، باب وجوب غسل البول)

انبیاء علیہم السلام کا انداز تبلیغ

اگر ہمارے سامنے کوئی شخص اس طرح مسجد میں پیشاب کردے تو شاید ہم لوگ تو اس کی تکہ بوٹی کردیں۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ یہ شخص دیہاتی ہے اور ناواقف ہے، لاعلمی اور ناواقفی کی وجہ سے اس نے یہ حرکت کی ہے۔ لہٰذا اس کو ڈانٹنے کا یہ موقع نہیں ہے بلکہ نرمی سے سمجھانے کا موقع ہے۔ چنانچہ آپ نے نرمی سے اس کو سمجھا دیا۔ انبیاء علیہم السلام کی یہی تعلیم ہے۔ اگر کوئی مخالف گالی بھی دیتا ہے تو انبیاء علیہم السلام اس کے جواب میں گالی نہیں دیتے، قرآن کریم میں مشرکین کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام سے مخاطب ہو کر کہا کہ:

﴿اِنَّا لَنَرٰىكَ فِىْ سَفَاهَةٍ وَاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ

الْكٰذِبِيْنَ﴾ (الاعراف: ٦٦)

یعنی ہم آپ کو دیکھ رہے ہیں کہ آپ بیوقوف ہیں اور ہمارے خیال میں آپ جھوٹے ہیں۔ آج اگر کوئی شخص کسی عالم یا مقرر یا خطیب کو یہ کہہ دے کہ تم بیوقوف اور جھوٹے ہو، تو جواب میں اس کو یہ کہہ دے گا کہ تو بیوقوف، تیرا باپ بیوقوف، لیکن پیغمبر نے جواب میں فرمایا:

﴿يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

اے میری قوم، میں بیوقوف نہیں ہوں، بلکہ میں تو رب العالمین کا پیغمبر ہوں۔ دیکھئے: گالی کا جواب گالی سے نہیں دیا جارہا ہے، بلکہ محبت اور پیار کا برتاؤ کیا جارہا ہے۔ ایک اور قوم نے اپنے پیغمبر سے کہا:

﴿إِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ (الاعراف: ٦٠)

تم تو کھلے گمراہ نظر آرہے ہو۔ جواب میں وہ پیغمبر فرماتے ہیں۔ اے میری قوم! میں گمراہ نہیں ہوں، بلکہ میں تو اللہ کا رسول ہوں۔ یہ پیغمبروں کی اصلاح و دعوت کا طریقہ ہے۔ لہٰذا ہماری باتیں جو بے اثر ہو رہی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو بات حق نہیں ہے یا طریقہ حق نہیں ہے یا نیت حق نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ سے یہ ساری خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ ان بزرگوں میں سے ہیں جنہوں نے اس پر عمل کرکے دکھادیا ہے۔ ان کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ دہلی کی جامع مسجد میں وعظ کہہ رہے تھے، وعظ کے دوران ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا: مولانا! میرے ایک سوال کا جواب دیدیں، حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے پوچھا: کیا سوال

ہے؟ اس نے کہا: میں نے سنا ہے کہ آپ حرام زادے ہیں۔ العیاذ باللہ۔ عین وعظ کے دوران بھرے مجمع میں یہ بات اس نے ایسے شخص سے کہی جو نہ صرف یہ کہ بڑے عالم تھے بلکہ شاہی خاندان کے شہزادے تھے۔ ہم جیسا کوئی ہوتا تو فوراً غصہ آجاتا اور نہ جانے اس کا کیا حشر کرتا۔ اور ہم نہ کرتے تو ہمارے معتقدین اس کی تکہ بوٹی کرڈالتے کہ یہ ہمارے شیخ کو ایسا کہتا ہے، لیکن حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ بھائی: آپ کو غلط اطلاع ملی ہے، میری والدہ کے نکاح کے گواہ تو اب بھی دہلی میں موجود ہیں۔ اس کی گالی کا اس طرح جواب دیا اور اس کو مسئلہ نہیں بنایا۔

بات میں تاثیر کیسے پیدا ہو؟

لہٰذا جب کوئی اللہ کا بندہ اپنی نفسانیت کو فنا کرکے اپنے آپ کو مٹاکر اللہ کے لئے بات کرتا ہے اور اس وقت دنیا والوں کو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس کے سامنے اس کا اپنا کوئی مفاد نہیں ہے اور یہ جو کچھ کہہ رہا ہے اللہ کے لئے کہہ رہا ہے تو پھر اس کی بات میں اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ایک وعظ میں ہزارہا افراد ان کے ہاتھ پر توبہ کرتے تھے۔ آج ہم لوگوں نے اول تو تبلیغ و دعوت چھوڑ دی، اور اگر کوئی کرتا بھی ہے تو ایسے طریقے سے کرتا ہے جو لوگوں کو برانگیختہ کرنے کا ہوتا ہے، جس سے صحیح معنی میں فائدہ نہیں پہنچتا۔ اس لئے یہ تین باتیں یاد رکھنی چاہئیں۔ اول بات حق ہو۔ دوسرے نیت حق ہو۔ تیسرے طریقہ حق ہو۔ لہٰذا حق بات حق طریقے سے حق نیت سے کہی جائے گی تو وہ کبھی نقصان دہ نہیں ہوگی، بلکہ اس کا فائدہ ہی پہنچے گا۔

اجتماعی تبلیغ کا حق کس کو ہے؟

تبلیغ کی دوسری قسم ہے "اجتماعی تبلیغ" یعنی لوگوں کو جمع کرکے کوئی وعظ کرنا

تقریر کرنا، یا ان کو نصیحت کرنا۔ اس کو اجتماعی دعوت و تبلیغ کہتے ہیں، یہ اجتماعی تبلیغ ودعوت فرض عین نہیں ہے، بلکہ فرض کفایہ ہے، لہٰذا اگر کچھ لوگ اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے کام کریں تو باقی لوگوں سے یہ فریضہ ساقط ہوجاتا ہے لیکن یہ "اجتماعی تبلیغ" کرنا ہر آدمی کا کام نہیں ہے کہ جس کا دل چاہے کھڑا ہوجائے، اور وعظ کرنا شروع کردے، بلکہ اس کے لئے مطلوب علم کی ضرورت ہے، اگر اتنا علم نہیں ہے تو اس صورت میں اجتماعی تبلیغ کا انسان مکلف نہیں ہے۔ اور کم از کم اتنا علم ہونا ضروری ہے، جس کے نتیجے میں وعظ کے دوران غلط بات کہنے کا اندیشہ نہ ہو، تب وعظ کہنے کی اجازت ہے، ورنہ اجازت نہیں، یہ وعظ و تبلیغ کا معاملہ بڑا نازک ہے، جب آدمی یہ دیکھتا ہے کہ اتنے سارے لوگ بیٹھ کر میری باتیں سن رہے ہیں تو خود اس کے دماغ میں بڑائی آجاتی ہے۔ اب خود ہی تقریر اور وعظ کے ذریعہ لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے۔ اس کے نتیجے میں لوگ اس دھوکہ میں آجاتے ہیں کہ یہ شخص علم جاننے والا ہے۔ اور بڑا نیک آدمی ہے، اور جب لوگ دھوکے میں آگئے اب خود بھی دھوکے آگیا کہ اتنی ساری مخلوق، اتنے سارے لوگ مجھے عالم کہہ رہے ہیں، اور مجھے اچھا اور نیک کہہ رہے ہیں، تو ضرور میں کچھ ہوں گا، تبھی تو یہ ایسا کہہ رہے ہیں ورنہ یہ سارے لوگ پاگل تو نہیں ہیں بہرحال، وعظ اور تقریر کے نتیجے میں آدمی اس فتنہ میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

اس لئے ہر شخص کو تقریر اور وعظ نہیں کرنا چاہئے۔ ہاں اگر وعظ کہنے کے لئے کوئی بڑا کسی جگہ بٹھادے تو اس وقت بڑوں کی سرپرستی میں اگر کام کرے، اور اللہ تعالیٰ سے مدد بھی مانگتا رہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس فتنے سے محفوظ رکھتے ہیں۔

درس قرآن اور درس حدیث دینا

وعظ اور تقریر پھر بھی ذرا ہلکی بات ہے، لیکن اب تو درس قرآن اور درس حدیث دینے تک نوبت پہنچ گئی ہے، جس کے دل میں بھی درس قرآن دینے کا خیال

آیا، بس اس نے درس قرآن دینا شروع کردیا۔ حالانکہ قرآن کریم وہ چیز ہے، جس کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿من قال فی القران بغیر علم فلیتوا مقعده من النار﴾

جو شخص قرآن کریم کی تفسیر میں علم کے بغیر کوئی بات کہے تو وہ شخص اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا:

﴿من قال فی کتاب اللّٰه عزوجل برایه فاصاب فقد اخطاء﴾

(ابوداؤد، کتاب العلم، باب الکلام فی کتاب اللہ بغیر علم)

جو شخص اللہ جل شانہٗ کی کتاب میں اپنی رائے سے کرے اگر صحیح بھی کرے تو بھی اس نے غلط کام کیا اتنی سنگین وعید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے اس کے باوجود آج یہ حال ہے کہ اگر کسی شخص کو کتابوں کے مطالعے کے ذریعہ دین کی کچھ باتیں معلوم ہوگئیں تو اب وہ عالم بن گیا، اور اس نے درس قرآن دینا شروع کردیا، حالانکہ یہ درس قرآن اور درس حدیث ایسا عمل ہے کہ بڑے بڑے علماء اس سے تھراتے ہیں کہ چہ جائیکہ عام آدمی قرآن کریم کا درس دے اور اس کی تفسیر بیان کرے۔

حضرت مفتی صاحبؒ اور تفسیر قرآن کریم

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عمر کے ستر پچھتر سال دین کے علوم پڑھنے پڑھانے میں گزارے، آخر عمر میں جاکر "معارف القرآن" کے نام سے تفسیر تالیف فرمائی، اس کے بارے میں آپ مجھ سے بار بار فرماتے تھے کہ معلوم نہیں کہ میں اس قابل تھا کہ تفسیر پر قلم اٹھاتا، میں تو حقیقت میں تفسیر کا اہل نہیں ہوں۔ لیکن حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ

اللہ علیہ کی تفسیر کو میں نے آسان الفاظ میں تعبیر کردیا ہے ـــ ساری عمر یہ فرماتے رہے، بڑے بڑے علماء تفسیر پر کلام کرتے ہوئے تھراتے رہے۔

امام مسلمؒ اور تشریح حدیث

حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، جنہوں نے "صحیح مسلم" کے نام سے صحیح احادیث کا ایک مجموعہ جمع فرمادیا ہے، اس کتاب میں صحیح احادیث تو جمع کردیں۔ لیکن حدیث کی تشریح میں ایک لفظ کہنا بھی گوارہ نہیں کیا، حتی کہ اپنی کتاب میں "باب" بھی نہیں قائم کئے، جیسے دوسرے محدثین نے "نماز کا باب، طہارت کا باب" وغیرہ کے عنوان سے باب قائم فرمائے ہیں۔ صرف اس خیال سے باب قائم نہیں فرمائے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی تشریح میں کوئی بات کہہ دوں، اس میں مجھ سے کوئی غلطی ہوجائے، پھر اللہ تعالیٰ کے یہاں اس پر میری پکڑ ہوجائے۔ بس یہ فرمادیا کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں جمع کررہا ہوں۔ اب علماء ان احادیث سے جو مسئلے چاہیں مستنبط کرلیں ـــ اس سے اندازہ لگائیے کہ یہ کتنا نازک کام ہے، لیکن آج کل جس کا دل چاہتا ہے درس دینا شروع کردیتا ہے، معلوم ہوا کہ فلاں جگہ فلاں صاحب نے درس قرآن دینا شروع کردیا ہے۔ فلاں صاحب نے درس حدیث دینا شروع کردیا۔ حالانکہ نہ علم ہے، اور نہ درس دینے کی شرائط ہیں۔ اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ آج طرح طرح کے فتنے پھیل رہے ہیں، فتنوں کا بازار گرم ہے۔

لہذا کسی کے درس قرآن اور درس حدیث میں شریک ہونے سے پہلے اس بات کا اطمینان کرلینا چاہئے کہ جو شخص درس دے رہا ہے وہ واقعۃً درس دینے کا اہل ہے یا نہیں؟ اس کے پاس علم مکمل ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ درس دینا ہر ایک کے بس کا کام نہیں بہرحال، میں یہ عرض کررہا تھا کہ جس شخص کے پاس کماحقہ علم نہ ہو۔ اس کو اجتماعی تبلیغ اور وعظ و تقریر نہیں کرنی چاہئے۔ البتہ ایسے شخص کو انفرادی تبلیغ

میں حصہ لینا چاہئے،

کیا بے عمل شخص وعظ و نصیحت نہ کرے؟

ایک یہ بات مشہور ہے کہ اگر کوئی شخص خود کسی غلطی کے اندر مبتلا ہے تو اس کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ دوسروں کو اس غلطی سے روکے، مثلاً ایک شخص نماز باجماعت کا پوری طرح پابند نہیں ہے تو یہ کہا جاتا ہے کہ ایسا شخص دوسروں کو بھی نماز باجماعت کی تلقین نہ کرے، جب تک کہ خود نماز باجماعت کا پابند نہ ہو جائے۔ یہ بات درست نہیں — بلکہ حقیقت میں بات الٹی ہے، وہ یہ کہ جو شخص دوسروں کو نماز باجماعت کی تلقین کرتا ہے اس کو چاہئے کہ وہ خود بھی نماز باجماعت کی پابندی کرے، نہ یہ کہ جو شخص نماز باجماعت کا پابند نہیں ہے کہ وہ دوسروں کو تلقین نہ کرے۔ عام طور پر لوگوں میں یہ آیت مشہور ہے کہ:

﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾

(سورہ صف:۲)

یعنی اے ایمان والو، وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ بعض لوگ اس آیت کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کوئی کام نہیں کرتا تو وہ شخص دوسروں کو بھی اس کی تلقین نہ کرے، مثلاً ایک شخص صدقہ نہیں دیتا تو وہ دوسروں کو بھی صدقہ کی تلقین نہ کرے۔ یا مثلاً ایک شخص سچ نہیں بولتا تو وہ دوسروں کو بھی سچ بولنے کی تلقین نہ کرے۔ آیت کا یہ مطلب لینا درست نہیں۔ بلکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو بات اور جو چیز تمہارے اندر موجود نہیں ہے، تم اس کا دعوی مت کرو کہ یہ بات میرے اندر موجود ہے۔ مثلاً اگر تم نماز باجماعت کے پابند نہیں ہو تو دوسروں سے یہ مت کہو کہ میں نماز باجماعت کا پابند ہوں۔ یا تم اگر نیک اور متقی نہیں ہو تو دوسروں کے سامنے یہ دعوی مت کرو کہ میں نیک اور متقی ہوں۔ یا

مثلاً تم نے حج نہیں کیا تو یہ مت کہو کہ میں نے حج کر لیا ہے۔ اس آیت کے یہ معنی ہیں۔ یعنی جو کام تم کرتے نہیں ہو، دوسروں کے سامنے اس کا دعوی کیوں کرتے ہو؟ آیت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جو کام تم نہیں کرتے تو دوسروں سے اس کی تلقین بھی مت کرو اس لئے کہ بعض اوقات دوسروں کو کہنے سے انسان کو خود فائدہ ہو جاتا ہے، جب انسان دوسروں کو کہتا ہے، اور خود عمل نہیں کرتا تو انسان کو شرم آتی ہے، اور اس شرم کی وجہ سے انسان خود بھی عمل کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

دوسروں کو نصیحت کرنے والا خود بھی عمل کرے

قرآن کریم کی ایک دوسری آیت ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے یہودی علماء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ﴾

(سورہ بقرہ: ۴۴)

کیا تم دوسروں کو تو نیکی کی تلقین کرتے ہو، اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، اور خود اس نصیحت پر عمل نہیں کرتے، لہٰذا جب تم دوسروں کو کسی عمل کی نصیحت کر رہے ہو تو خود بھی عمل کرو، نہ یہ کہ چونکہ خود عمل نہیں کر رہے ہو، لہٰذا دوسروں کو بھی نصیحت نہ کرو، یہ مطلب نہیں ہے بہرحال، دوسروں کو نصیحت کرنے میں اس بات کی رکاوٹ نہیں ہونی چاہئے کہ میں خود اس پر کاربند نہیں ہوں، بلکہ بزرگوں نے تو یہ فرمایا ہے کہ: من نکردم شما حذر بکنید، میں نے پرہیز نہیں کیا، لیکن تم پرہیز کر لو۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات جب مجھے اپنے اندر کوئی عیب محسوس ہوتا ہے تو میں اس عیب کے بارے میں وعظ کہہ دیتا ہوں، اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ میری اصلاح فرما دیتے ہیں۔

البتہ یہ بات ضرور ہے، کہ ایک شخص وہ ہے جو خود تو عمل نہیں کرتا، لیکن دوسروں کو نصیحت کرتا ہے، اور ایک آدمی وہ ہے جو خود بھی عمل کرتا ہے، اور دوسروں کو بھی اس کی نصیحت کرتا ہے، دونوں کی نصیحت کی تاثیر میں فرق ہے، جو شخص عمل کرکے نصیحت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی بات میں اثر پیدا فرمادیتے ہیں، وہ بات دلوں میں اتر جاتی ہے، اس سے انسانوں کی زندگیوں میں انقلاب آتا ہے، اور بے عملی کے ساتھ جو نصیحت کی جاتی ہے، اس کا اثر سننے والوں پر بھی کماحقہ نہیں ہوتا، زبان سے بات نکلتی ہے، اور کانوں سے ٹکرا کر واپس آجاتی ہے، دلوں میں نہیں اترتی لہٰذا عمل کی کوشش ضرور کرنی چاہئے، مگر یہ چیز نصیحت کی بات کہنے سے مانع نہیں ہونی چاہئے۔

مستحب کے ترک پر نکیر درست نہیں

بہرحال، اگر کوئی شخص فرائض اور واجبات میں کوتاہی کررہا ہو، یا کسی واضح گناہ میں مبتلا ہو تو اس کو تبلیغ کرنا اور امربالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا فرض ہے۔ جس کی تفصیل اوپر عرض کردی۔ شریعت کے بعض احکام ایسے ہیں جو فرض و واجب نہیں ہیں، بلکہ مستحب ہیں۔ مستحب کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اس کو کرے گا تو ثواب ملے گا، نہیں کرے گا تو کوئی گناہ نہیں۔ یا شریعت کے آداب ہیں جو علماء کرامؒ بتاتے ہیں۔ ان مستحبات اور آداب کے بارے میں حکم یہ ہے کہ لوگوں کو ان کی ترغیب تو دی جائے گی کہ اس طرح کرلو تو اچھی بات ہے، لیکن اس کے نہ کرنے پر نکیر نہیں کی جائے گی۔ اگر کوئی شخص اس مستحب کو انجام نہیں دے رہا ہے تو آپ کے لئے اس کو طعنہ دینے یا ملامت کرنے کا کوئی جواز نہیں کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا؟ ہاں! اگر کوئی تمہارا شاگرد ہے، یا بیٹا ہے، یا تمہارے زیر تربیت ہے مثلاً تمہارا مرید ہے تو بے شک اس کو کہہ دینا چاہئے کہ فلاں وقت میں تم نے فلاں مستحب عمل چھوڑ دیا تھا، یا فلاں ادب کا لحاظ نہیں کیا تھا، اس کو کرنا چاہئے۔ لیکن اگر

ایک عام آدمی کوئی مستحب عمل چھوڑ رہا ہے تو اس صورت میں آپ کو اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔ بعض لوگ مستحبات کو واجبات کا درجہ دے کر لوگوں پر اعتراض شروع کردیتے ہیں کہ تم نے یہ کام کیوں چھوڑا؟ حالانکہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تو یہ نہیں پوچھیں گے کہ تم نے فلاں مستحب کام کیوں نہیں کیا تھا؟ نہ فرشتے سوال کریں گے، لیکن تم خدائی فوجدار بن کر اعتراض کردیتے ہو کہ یہ مستحب کام تم نے کیوں چھوڑ دیا؟ یہ عمل کسی طرح بھی درست نہیں۔

آذان کے بعد دعا پڑھنا

مثلاً آذان کے بعد دعا پڑھنا مستحب ہے:

﴿اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوۃ القائمۃ آت محمدا الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاما محمودا الذی وعدتہ انک لاتخلف المیعاد﴾

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس دعا کی ترغیب ہے کہ ہر مسلمان کو آذان کے بعد یہ دعا پڑھنی چاہئے۔ یہ بڑی برکت کی دعا ہے۔ اس لئے اپنے بچوں کو اور اپنے گھر والوں کو اس کی تعلیم دینی چاہئے کہ یہ دعا پڑھا کریں۔ اسی طرح دوسرے مسلمانوں کو بھی اس دعا کے پڑھنے کی ترغیب دینی چاہئے۔ لیکن اگر ایک شخص نے آذان کے بعد یہ دعا نہیں پڑھی، اب آپ اس پر اعتراض شروع کردیں کہ تم نے یہ دعا کیوں نہیں پڑھی؟ اور اس پر نکیر شروع کردیں، یہ درست نہیں۔ اس لئے کہ نکیر ہمیشہ فرض کے چھوڑنے پر یا گناہ کے ارتکاب پر کی جاتی ہے، مستحب کام کے ترک پر کوئی نکیر نہیں ہو سکتی۔

آداب کے ترک پر نکیر جائز نہیں

بعض اعمال ایسے ہیں جو شرعی اعتبار سے مستحب بھی نہیں ہیں، اور قرآن و حدیث میں ان کو مستحب قرار نہیں دیا گیا۔ البتہ بعض علماء نے اس کو آداب میں شمار کیا ہے۔ مثلاً بعض علماء نے یہ ادب بتایا ہے کہ جب کھانا کھانے کے لئے ہاتھ دھوئے جائیں تو ان کو تولیہ یا رومال وغیرہ سے پونچھا نہ جائے۔ اسی طرح یہ ادب بتایا کہ دستر خوان پر پہلے تم بیٹھ جاؤ، کھانا بعد میں رکھا جائے، اگر کھانا پہلے لگادیا گیا، تم بعد میں پہنچے تو یہ کھانے کے ادب کے خلاف ہے۔ قرآن و حدیث میں یہ آداب کہیں بھی موجود نہیں ہیں، لیکن علماء کرامؒ نے یہ کھانے کے آداب بتائے ہیں، ان کو مستحب کہنا بھی مشکل ہے۔ اب اگر ایک شخص نے ان آداب کا لحاظ نہ کیا مثلاً اس نے کھانے کے لیے ہاتھ دھوکر تولیہ سے پونچھ لئے یا دستر خوان پر کھانا پہلے لگادیا گیا اور وہ شخص بعد میں جاکر بیٹھا تو اب اس شخص پر اعتراض کرنا اور اس کو یہ کہنا کہ تم نے شریعت کے خلاف یا سُنّت کے خلاف کام کیا۔ یہ بات درست نہیں۔ اس لئے کہ یہ آداب نہ تو شرعاً سُنّت ہیں اور نہ مستحب ہیں۔ اس لئے ان آداب کے ترک کرنے والے پر اعتراض اور نکیر کرنا درست نہیں۔ ان معاملات کے اندر ہمارے معاشرے میں بہت افراط اور تفریط پائی جاتی ہے اور بعض اوقات چھوٹی چھوٹی بات پر بڑی نکیر کی جاتی ہے جو کسی طرح بھی درست نہیں۔

چار زانوں بیٹھ کر کھانا بھی جائز ہے

کھانے کے وقت چار زانوں ہوکر بیٹھنا بھی جائز ہے، ناجائز نہیں، اس میں کوئی گناہ نہیں، لیکن یہ نشست تواضع کے اتنے قریب نہیں ہے جتنی دو زانوں بیٹھ کر کھانے یا ایک ٹانگ کھڑی کرکے کھانے کی نشست تواضع کے قریب ہے۔ لہٰذا عادت تو اس بات کی ڈالنی چاہئے کہ آدمی دو زانوں بیٹھ کر کھائے، یا ایک ٹانگ کھڑی

کرکے کھائے، چار زانوں نہ بیٹھے، لیکن اگر کسی سے اس طرح نہیں بیٹھا جاتا، یا کوئی شخص اپنے آرام کے لئے چار زانوں بیٹھ کر کھانا کھاتا ہے تو یہ کوئی گناہ نہیں۔ یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ چار زانوں بیٹھ کر کھانا ناجائز ہے، یہ خیال درست نہیں۔ لہٰذا جب چار زانوں بیٹھ کر کھانا جائز ہے تو اس طرح بیٹھ کر کھانے والے پر نکیر کرنا بھی درست نہیں۔

میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا بھی جائز ہے

میز کرسی پر کھانا بھی کوئی گناہ اور ناجائز نہیں۔ لیکن زمین پر بیٹھ کر کھانے میں سُنّت کی اتباع کا ثواب بھی ہے، اور سُنّت سے زیادہ قریب بھی ہے۔ اس لئے حتی الامکان انسان کو اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ وہ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھائے، اس لئے کہ جتنا سُنّت سے زیادہ قریب ہوگا اتنی ہی برکت زیادہ ہوگی اور اتنا ہی ثواب زیادہ ملے گا۔ اتنے ہی فوائد زیادہ حاصل ہوں گے۔ بہرحال، میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا بھی جائز ہے، گناہ نہیں ہے۔ لہٰذا میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے والے پر نکیر کرنا درست نہیں۔

زمین پر بیٹھ کر کھانا سُنّت ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دو وجہ سے زمین پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے، ایک تو یہ کہ اس زمانہ میں زندگی سادہ تھی، میز کرسی کا رواج ہی نہیں تھا۔ اس لئے نیچے بیٹھا کرتے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ نیچے بیٹھ کر کھانے میں تواضع زیادہ ہے، اور کھانے کی توقیر بھی زیادہ ہے۔ آپ اس کا تجربہ کرکے دیکھ لیجئے کہ میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے میں دل کی کیفیت اور ہوگی اور زمین پر بیٹھ کر کھانے میں دل کی کیفیت اور ہوگی، دونوں میں زمین آسمان کا فرق محسوس ہوگا۔ اس لئے کہ زمین پر بیٹھ کر کھانے کی صورت میں طبیعت کے اندر تواضع زیادہ ہوگی، عاجزی ہوگی، مسکنت ہوگی،

عبدیت ہوگی۔ اور میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے کی صورت میں یہ باتیں پیدا نہیں ہوتیں۔ اس لئے حتی الامکان اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ آدمی زمین پر بیٹھ کر کھانا کھائے۔ لیکن اگر کہیں میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے کا موقع آجائے تو اس طرح کھانے میں کوئی حرج اور گناہ بھی نہیں ہے۔ لہٰذا اس پر اتنا تشدد کرنا بھی ٹھیک نہیں، جیسا کہ بعض لوگ میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے کو حرام اور ناجائز ہی سمجھتے ہیں اور اس پر بہت زیادہ نکیر کرتے ہیں۔ یہ عمل بھی درست نہیں۔

بشرطیکہ اس سُنّت کا مذاق نہ اڑایا جائے

اور یہ جو میں نے کہا کہ زمین پر بیٹھ کر کھانا سُنّت سے زیادہ قریب ہے اور زیادہ افضل ہے اور زیادہ ثواب کا باعث ہے، یہ بھی اس وقت ہے جب اس سُنّت کو "معاذ اللہ" مذاق نہ بنایا جائے، لہٰذا اگر کسی جگہ پر اس بات کا اندیشہ ہو کہ اگر نیچے زمین پر بیٹھ کر کھانا کھایا گیا تو لوگ اس سُنّت کا مذاق اڑائیں گے تو ایسی جگہ زمین پر کھانے کا اصرار بھی درست نہیں۔

ہوٹل میں زمین پر کھانا کھانا

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن سبق میں ہمیں ایک واقعہ سنایا کہ ایک دن میں اور میرے کچھ رفقاء دیوبند سے دہلی گئے، جب دہلی پہنچے تو وہاں کھانا کھانے کی ضرورت پیش آئی، چونکہ کوئی اور جگہ کھانے کی نہیں تھی اس لئے ایک ہوٹل میں کھانے کے لئے چلے گئے، اب ظاہر ہے کہ ہوٹل میں میز کرسی پر کھانے کا انتظام ہوتا ہے اس لئے ہمارے دو ساتھیوں نے کہا کہ ہم تو میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا نہیں کھائیں گے، کیونکہ زمین پر بیٹھ کر کھانا سُنّت ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ چاہا کہ ہوٹل کے اندر زمین پر اپنا رومال بچھا کر وہاں بیرے سے کھانا منگوائیں، حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو منع کیا کہ ایسا نہ کریں بلکہ میز

کرسی ہی پر بیٹھ کر کھانا کھالیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم میز کرسی پر کھانا کیوں کھائیں؟ جب زمین پر بیٹھ کر کھانا سُنّت کے زیادہ قریب ہے تو پھر زمین پر بیٹھ کر کھانے سے کیوں ڈریں اور کیوں شرمائیں۔ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ شرمانے اور ڈرنے کی بات نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ جب تم لوگ یہاں اس طرح زمین پر اپنا رومال بچھاکر بیٹھو گے تو لوگوں کے سامنے اس سُنّت کا تم مذاق بناؤ گے، اور لوگ اس سُنّت کی توہین کے مرتکب ہوں گے۔ اور سُنّت کی توہین کا ارتکاب کرنا صرف گناہ ہی نہیں بلکہ بعض اوقات انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔

ایک سبق آموز واقعہ

پھر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فرمایا کہ میں تم کو ایک قصہ سناتا ہوں، ایک بہت بڑے محدث اور بزرگ گزرے ہیں، جو "سلیمان اعمش" کے نام سے مشہور ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ بھی ہیں۔ تمام احادیث کی کتابیں ان کی روایتوں سے بھری ہوئی ہیں، عربی زبان میں "اعمش" چندھے کو کہا جاتا ہے۔ جس کی آنکھوں میں چندھیاہٹ ہو، جس میں پلکیں گرجاتی ہیں اور روشنی کی وجہ سے اس کی آنکھیں خیرہ ہوجاتی ہیں، چونکہ ان کی آنکھیں چندھائی ہوئی تھیں، اس وجہ سے "اعمش" کے لقب سے مشہور تھے۔ ان کے پاس ایک شاگرد آگئے۔ وہ شاگرد اعرج یعنی لنگڑے تھے، پاؤں سے معذور تھے، شاگرد بھی ایسے تھے جو ہر وقت استاذ سے چمٹے رہنے والے تھے، جیسے بعض شاگردوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر وقت استاذ سے چمٹے رہتے ہیں۔ جہاں استاذ جارہے ہیں وہاں شاگرد بھی ساتھ ساتھ جارہے ہیں، یہ بھی ایسے تھے۔ چنانچہ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ جب بازار جاتے تو یہ "اعرج" شاگرد بھی ساتھ ہوجاتے، بازار میں لوگ فقرے کستے کہ دیکھو استاذ "چندھا" ہے اور شاگرد "لنگڑا" ہے، چنانچہ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد سے فرمایا کہ جب ہم بازار جایا کریں تو تم ہمارے ساتھ مت جایا کرو، شاگرد نے

کہا کیوں؟ میں آپ کا ساتھ کیوں چھوڑ دوں؟ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب ہم بازار جاتے ہیں تو لوگ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں کہ استاذ چندھا ہے اور شاگرد لنگڑا ہے۔ شاگرد نے کہا:

﴿مَالَنَا نُوْجَرُ وَيَاْثَمُوْنَ﴾

حضرت! جو لوگ مذاق اڑاتے ہیں، ان کو مذاق اڑانے دیں۔ اس لئے کہ اس مذاق اڑانے کے نتیجے میں ہمیں ثواب ملتا ہے اور ان کو گناہ ہوتا ہے۔ اس میں ہمارا تو کوئی نقصان نہیں بلکہ فائدہ ہے۔ حضرت امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ:

﴿نَسْلَمُ وَيَسْلَمُوْنَ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ نُوْجَرَ وَيَاْثَمُوْنَ﴾

ارے بھائی! وہ بھی گناہ سے بچ جائیں اور ہم بھی گناہ سے بچ جائیں، یہ بہتر ہے اس سے کہ ہمیں ثواب ملے اور ان کو گناہ ہو۔ میرے ساتھ جانا کوئی فرض و واجب تو ہے نہیں، اور نہ جانے میں کوئی نقصان بھی نہیں، البتہ فائدہ یہ ہے کہ لوگ اس گناہ سے بچ جائیں گے۔ اس لئے آئندہ میرے ساتھ بازار مت جایا کرو۔

یہ ہے دین کی فہم، اب بظاہر تو شاگرد کی بات صحیح معلوم ہو رہی تھی کہ اگر لوگ مذاق اڑاتے ہیں تو اڑایا کریں لیکن جس شخص کی مخلوق خدا پر شفقت کی نگاہ ہوتی ہے، وہ مخلوق کی غلطیوں پر اتنی نظر نہیں ڈالتا، بلکہ وہ یہ سوچتا ہے کہ جتنا ہو سکے میں مخلوق کو گناہ سے بچالوں، یہ بہتر ہے اس لئے انہوں نے بازار جانا چھوڑ دیا بہرحال، جس جگہ یہ اندیشہ ہو کہ لوگ اور زیادہ ڈھٹائی کا مظاہرہ کریں گے تو اس صورت میں کچھ نہ کہنا بہتر ہوتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد یاد رکھنے کے لائق ہے، آپ نے فرمایا:

"كَلِّمُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُوْنَ، اَتُحِبُّوْنَ اَنْ يُكَذَّبَ

اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ"

یعنی جب لوگوں کے سامنے دین کی بات کہو تو ایسے انداز سے کہو جس سے لوگوں کے اندر بغاوت پیدا نہ ہو، کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے؟ مثلاً دین کی کوئی بات بے موقع کہہ دی جس کے نتیجے میں تکذیب کی نوبت آگئی، ایسے موقع پر دین کی بات کہنا ٹھیک نہیں۔

مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے آج کونسا مسلمان ناواقف ہوگا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے تبلیغ اور دین کی دعوت کا جذبہ آگ کی طرح ان کے سینے میں بھر دیا تھا، جہاں بیٹھتے بس دین کی بات شروع کردیتے، اور دین کا پیغام پہنچاتے ـــــ ان کا واقعہ کسی نے سنایا کہ ایک صاحب ان کی خدمت میں آیا کرتے تھے، کافی دن تک آتے رہے، ان صاحب کی ڈاڑھی نہیں تھی، جب ان کو آتے ہوئے کافی دن ہوگئے تو حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سوچا کہ اب یہ مانوس ہوگئے ہیں۔ چنانچہ ایک دن حضرت نے ان سے کہہ دیا کہ بھائی صاحب، ہمارا دل چاہتا ہے کہ تم بھی اس داڑھی کی سُنّت پر عمل کرلو، وہ صاحب ان کی یہ بات سن کر کچھ شرمندہ سے ہوگئے، اور دوسرے دن سے آنا چھوڑ دیا، جب کئی دن گزر گئے تو حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں سے ان کے بارے پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ انہوں نے آنا چھوڑ دیا ہے۔ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بہت افسوس ہوا، اور لوگوں سے فرمایا کہ مجھ سے بڑی سخت غلطی ہوگئی، کہ میں نے کچے توے پر روٹی ڈال دی، یعنی ابھی توا گرم نہیں ہوا تھا، اور اس قابل نہیں ہوا تھا کہ اس پر روٹی ڈالی جائے، میں نے پہلے ہی روٹی ڈال دی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان صاحب نے آنا ہی چھوڑ دیا۔ اگر وہ آتے رہتے تو کم از کم دین کی باتیں کان میں پڑتی رہتیں، اور اس کا فائدہ ہوتا، اب ایک ظاہر بین آدمی تو

یہ کہے گا کہ اگر ایک شخص غلط کام کے اندر مبتلا ہے تو اس سے زبان سے کہہ دو، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر ہاتھ سے بُرائی کو نہیں روک سکتے تو کم از کم زبان سے کہہ دو، لیکن آپ نے دیکھا کہ زبان سے کہنا الٹا مضر اور نقصان دہ ہوگیا۔ کیوں کہ ابھی تک ذہن اس کے لئے سازگار اور تیار نہیں تھا، یہ باتیں حکمت کی ہوتی ہیں کہ کس وقت کیا بات کہنی ہے، اور کس انداز سے کہنی ہے، اور کتنی بات کہنی ہے۔ دین کی بات کوئی پتھر نہیں ہے کہ اس کو اٹھا کر پھینک دیا جائے، یا ایسا فریضہ نہیں ہے کہ اس کو سر سے ٹال دیا جائے، بلکہ یہ دیکھو اس بات کے کہنے سے کیا نتیجہ برآمد ہوگا؟ اس کا نتیجہ خراب تو نہیں ہوگا؟ اگر بات کہنے سے خراب اور بُرا نتیجہ نکلنے کا اندیشہ ہو تو اس وقت دین کی بات کہنے سے رک جانا چاہئے، اس وقت بات نہیں کہنی چاہئے۔ یہ بات بھی استطاعت نہ ہونے میں داخل ہے۔

خلاصہ

بہرحال، یہ بات کہ کس موقع پر کیا طرز عمل اختیار کیا جائے؟ کس موقع پر آدمی سختی کرے؟ اور کس موقع پر نرمی کرے؟ یہ بات صحبت کے بغیر صرف کتابیں پڑھنے سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ جب تک کسی اللہ والے متقی بزرگ کے ساتھ رہ کر انسان نے رگڑے نہ کھائے ہوں، لہٰذا دوسرا انسان جب کوئی غلطی کرے تو اس کو ضرور ٹوکنا اور بتانا تو چاہئے لیکن اس کا لحاظ رکھنا اور جاننا ضروری ہے کہ کس موقع پر ٹوکنا فرض ہے اور کس موقع پر فرض نہیں؟ اور کس موقع پر کس طرح بات کرنی چاہئے؟ یہ سارے تبلیغ و دعوت کے احکام کا خلاصہ ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی صحیح فہم عطا فرمائے۔ اور اس کے ذریعہ ہماری اور سب مسلمان بہن بھائیوں کی اصلاح فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین

راحت کس طرح حاصل ہو؟

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب : راحت، کس طرح حاصل ہو؟

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ہشتم

صفحات : ۴۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

راحت حاصل کریں

کس طرح حاصل ہو؟

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ، ونشھد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔

اما بعد!

﴿عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: انظروا الی من ھو اسفل منکم، ولا تنظروا الی من ھو فوقکم، فھو اجدر ان لا تزدروا نعمۃ اللّٰہ علیکم﴾

(صحیح مسلم، کتاب الزھد، باب نمبر۱)

اپنے سے کم تر لوگوں کو دیکھو

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تم ان لوگوں کی طرف دیکھو جو تم سے دنیاوی ساز و سامان

کے اعتبار سے کم ہیں۔ (جن کے پاس دنیا کی مال و دولت اور دنیا کا ساز و سامان اتنا نہیں ہے جتنا تمہارے پاس ہے۔ تم ان کی طرف دیکھو۔) اور ان لوگوں کی طرف مت دیکھو جو مال و دولت میں اور ساز و سامان کے اعتبار سے تم سے زیادہ ہیں۔ اس کے نتیجے میں تمہارے دل میں اللہ کی نعمت کی بے وقعتی اور ناقدری پیدا نہیں ہوگی۔ (اس لئے کہ اگر تم اپنے سے اونچے آدمی کو دیکھتے رہو گے تو پھر ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ناقدری کی نگاہ سے دیکھو گے اور تمہارے دل میں اس کی بے وقعتی پیدا ہوگی اور تم پریشان رہو گے)۔

دنیا کی محبت دل سے نکال دو

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی محبت دل سے نکالنے کا اور دنیا کے اندر حقیقی راحت حاصل کرنے کا نسخہ اکسیر بیان فرمایا ہے، جیسا کہ پہلے عرض کیا تھا کہ آدمی کے پاس دنیا تو ہو، لیکن دنیا کی محبت دل میں نہ ہو۔ آدمی کے پاس دنیا کا ہونا اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر گزارہ نہیں۔ اگر انسان کے پاس کھانے پینے کی اشیاء نہ ہوں، رہنے کے لئے مکان نہ ہو، پہننے کے لئے کپڑے نہ ہوں تو پھر انسان کیسے زندہ رہے گا؟ اس لئے ان چیزوں کی ضرورت ہے، لیکن ان چیزوں کو اپنا مقصد زندگی نہ بنائے اور ان چیزوں کو اپنا آخری مطمح نظر نہ بنائے، اور صبح شام ہمہ وقت اس کی دھن میں سرگرداں نہ رہے، اور دل میں ان کی محبت پیدا نہ کرے۔ اور یہ بات "قناعت" کے ذریعہ پیدا ہوتی ہے۔ جب انسان کے اندر "قناعت" کی صفت پیدا ہو جاتی ہے تو پھر اس کے پاس دنیا ہوتی ہے۔ لیکن اس کی محبت دل میں نہیں ہوتی۔ اس لئے جب انسان کے دل میں دنیا کی محبت ہوتی ہے تو ہر وقت انسان اس فکر میں رہتا ہے کہ یہ چیز نہیں ملی۔ وہ مل جائے۔ فلاں چیز کی کمی ہے وہ مل جائے۔ کل اتنے پیسے کمائے تھے۔ آج اس سے ڈبل کمالوں۔ صبح سے لے کر شام تک بس اسی فکر اور دھن میں مگن رہتا ہے۔ بس اسی کا نام دنیا کی محبت

ہے۔ اس محبت کے نتیجے میں لازماً حرص پیدا ہو جاتی ہے۔

"قناعت" حاصل کرنے کا نسخۂ اکسیر

ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ "اگر ابن آدم کو ایک وادی سونے کی بھری ہوئی مل جائے تو وہ چاہے گا کہ مجھے ایک وادی اور مل جائے۔ جب دو مل جائیں گی تو پھر یہ چاہے گا کہ مجھے ایک وادی اور مل جائے، پھر فرمایا:

﴿لا یملأ جوف ابن آدم الا التراب﴾

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب ما یتقی من فتنہ المال)

ابن آدم کا پیٹ سوائے قبر کی مٹی کے اور کوئی چیز نہیں بھرے گی۔ جب وہ دنیا سے رخصت ہوگا اور اس کو قبر میں دفن کیا جائے گا تب اس کا پیٹ بھرے گا۔

اور دنیا میں مال و دولت جمع کرنے کے لئے جو بھاگ دوڑ اور محنت کر رہا تھا۔ وہ ساری محنت دھری رہ جائیگی اور سب مال و دولت یہاں چھوڑ کر خالی ہاتھ دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ کسی بندے کو "قناعت" عطا فرمادیں تو یہ ایک ایسی چیز ہے جو انسان کا پیٹ بھردیتی ہے اور اس "قناعت" کو حاصل کرنے کا نسخہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمایا اگر تم دنیا اور آخرت کی فلاح چاہتے ہو تو اس نسخے پر عمل کرلو اور اگر فلاح نہیں چاہتے تو عمل مت کرو لیکن پھر ساری عمر بے چینی اور پریشانی کا شکار رہوگے۔ وہ نسخہ یہ ہے کہ دنیاوی مال و دولت کے اعتبار سے اپنے سے اونچے کو مت دیکھو۔ ورنہ یہ خیال آئے گا کہ اس کو فلاں چیز مل گئی ہے۔ مجھے وہ چیز نہیں ملی، بلکہ اپنے سے کم تر آدمی کو دیکھو کہ اس کے پاس دنیا کے اسباب کیا ہیں۔ اور تمہیں اس کے مقابلے میں، کتنا زیادہ ملا ہوا ہے۔ اس وقت تم اللہ کا شکر ادا کروگے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو سامان اور راحت عطا فرمایا ہے وہ اس کو حاصل نہیں اور اگر اپنے سے اونچے کو دیکھوگے تو دل میں "حرص" پیدا ہوگی۔ پھر مقابلہ اور دوڑ پیدا ہوگی اور اس کے

نتیجے میں دل کے اندر "حسد" پیدا ہوگا کہ وہ آگے نکل گیا، میں پیچھے رہ گیا۔ پھر "حسد" کے نتیجے میں "بغض" پیدا ہوگا۔ پھر "عداوت" پیدا ہوگی، تعلقات خراب ہونگے۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی ضائع ہونگے اور اللہ کے بندوں کے حقوق بھی ضائع ہونگے اور اگر قناعت حاصل ہوگئی اور یہ سوچا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مجھے عزت کے ساتھ رزق مل رہا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ بہت سے لوگ اس سے محروم ہیں۔ الحمدللہ میں اس نعمت پر خوش ہوں۔ پس اس پر اللہ تعالیٰ قناعت عطا فرمائیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سکون میں آجاؤ گے بس اس کے علاوہ سکون کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

دنیا کی خواہشات ختم ہونے والی نہیں

جہاں تک اس دنیا کا تعلق ہے تو یہ دنیا ایسی چیز ہے کہ اس روئے زمین پر کبھی کوئی انسان ایسا پیدا نہیں ہوا جو یہ کہہ دے کہ میری ساری خواہشات پوری ہوگئیں۔ اس لئے کہ خواہشات کی کوئی انتہا نہیں۔ کوئی حد نہیں۔ اگر قارون کا خزانہ بھی مل جائے تب بھی خواہشات پوری نہیں ہوں گی۔ دنیا کی خواہشات ایسی ہیں کہ اس کی ایک کڑی دوسری کڑی سے ملی ہوئی ہے۔ عربی کا ایک شاعر "متنبی" گزرا ہے۔ وہ بعض اوقات بہت حکیمانہ شعر کہتا تھا۔ اس نے دنیا کے بارے میں ایک بڑی سچی بات کہی ہے کہ ؎

وَمَا قَضٰی اَحَدٌ مِنْهَا لُبَانَتَهٗ
وَمَا انْتَهٰی اَرَبٌ اِلاَّ اِلٰی اَرَبٖ

یعنی دنیا کا یہ حال ہے کہ آج تک ایک شخص بھی ایسا نہیں گزرا جس نے اس دنیا کی ساری لذتوں اور راحتوں اور خواہشات کو پورا حاصل کرلیا ہو، بلکہ اس دنیا کا حال یہ ہے کہ ابھی ایک خواہش پوری نہیں ہوئی ہوتی ہے کہ دوسری خواہش اُبھر آتی ہے۔

کار دنیا کسے تمام نہ کرد

مثلاً ایک شخص بے روزگار ہے۔ اس کی خواہش بھی اور ضرورت بھی ہے کہ مجھے روزگار مل جائے۔ چنانچہ اس کو ایک روزگار کی جگہ مل گئی۔ اب اس کے ملتے ہی فوراً یہ خواہش ہوگی کہ دوسرے لوگوں کی تنخواہ تو مجھ سے زیادہ ہے، وہ زیادہ کما رہے ہیں، میں ان تک پہنچ جاؤں۔ چنانچہ ان تک پہنچ گئے۔ جب آگے پہنچا تو اور اُوپر کے لوگ نظر آئے کہ وہ تو مجھ سے زیادہ کما رہے ہیں۔ اب خواہش یہ ہو رہی ہے کہ ان تک پہنچ جاؤں۔ اس انسان کی پوری زندگی اسی دوڑ دھوپ میں گزر جائے گی۔ لیکن کسی جگہ پر چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوگا۔ آج ہر شخص کی زندگی میں یہ چیز نظر آئے گی۔

"کار دنیا کسے تمام نہ کرد"۔

یعنی کسی نے آج تک دنیاوی کام پورا نہیں کیا۔ ہاں! اس شخص نے پورا کیا جس نے اس دنیا کی حقیقت کو سمجھ لیا۔ یعنی انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین جو اس دنیا کی حقیقت کو سمجھتے ہیں کہ یہ دنیا چند روزہ ہے اور اس دنیا میں محض بقدر ضرورت ہی کمانا ہے۔ اس دنیا میں بہت زیادہ اسباب و سامان جمع کرنے اور عیش و آرام کی فکر زیادہ نہیں کرنی۔ اگر اللہ تعالیٰ محض اپنی رحمت سے دنیا کے مال و اسباب عطا فرمادیں تو یہ اس کی نعمت ہے۔ لیکن اپنی طرف سے اس کو حاصل کرنے کی زیادہ فکر نہیں کرنی۔ یہ حضرات اُوپر کے بجائے نیچے کی طرف دیکھتے ہیں۔

دین کے معاملات میں اُوپر والے کو دیکھو

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس طرح آیا ہے کہ "دنیا کے ساز و سامان کے اندر تم اپنے سے نیچے والے آدمی کو دیکھو کہ فلاں کو

دنیا کی یہ نعمت نہیں ملی۔ تم کو ملی ہوئی ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اپنے سے اُوپر والے کی طرف مت دیکھو اور دین کے معاملات میں اپنے سے اُوپر والے کو دیکھو کہ فلاں شخص دین کا کتنا کام کر رہا ہے۔ میں اب تک وہاں نہیں پہنچا۔ تاکہ تمہارے اندر دین کے کاموں میں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کا رجحان پیدا ہو۔ لہٰذا دین میں اُوپر والے کو دیکھو اور دنیا میں نیچے والے کو دیکھو۔ اس کے ذریعہ تمہارا دین بھی درست ہوگا اور تمہاری دنیا بھی درست ہوگی۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا حکیمانہ نسخہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ جو بہت اونچے درجے کے فقیہ، محدث، بزرگ اور صوفی تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر ہیں، اور ان کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ابتدا میں بہت مالدار، دولت مند اور بہت آزاد منش تھے۔ زمینیں اور جائیدادیں تھیں، باغات وغیرہ تھے نہ علم سے کوئی تعلق، نہ دین سے کوئی تعلق۔ پینے پلانے والے اور گانے بجانے والے تھے۔ ان کے سیب کے باغات تھے ایک مرتبہ جب سیب پکنے کا موسم آیا تو انہوں نے اپنے دوستوں کے ساتھ اسی باغ میں ڈیرہ ڈال لیا اور وہیں مقیم ہوگئے تاکہ وہاں تازہ تازہ سیب توڑ کر کھائیں گے اور تفریح کریں گے۔ اب وہاں کھانے پک رہے ہیں۔ سیب کھائے جا رہے ہیں اور شراب وکباب کا دور بھی چل رہا ہے اور ایک مرتبہ کھانے پینے کے بعد موسیقی کا پروگرام ہوا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ خود بھی بہترین ساز بجانے والے تھے۔ چنانچہ اب کھانا کھایا ہوا، باغ کا بہترین ماحول، دوستوں کی بہترین محفل، شراب پی ہوئی اس کا نشہ چڑھا ہوا، ہاتھ میں ستار ہے۔ اب اس کو بجا رہے ہیں۔ ستار بجاتے بجاتے سوگئے اور آنکھ لگ گئی۔ جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ہاتھ میں ستار ہے۔ چنانچہ بیدار ہونے پر پھر ستار بجانا شروع کردیا۔ لیکن ستار بجتا

نہیں ہے۔ اس میں سے آواز ہی نہیں نکلتی۔ چنانچہ اس کے تاروں کو دیکھا اور ٹھیک کیا۔ دوبارہ بجانے کی کوشش کی، پھر بھی آواز نہیں آئی۔ تیسری مرتبہ جب ٹھیک کر کے بجانے کی کوشش کی تو اب اس کے اندر سے موسیقی کی آواز آنے کے بجائے قرآن کریم کی ایک آیت کی آواز آرہی ہے۔ وہ آیت یہ تھی کہ:

﴿اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ﴾ (الحدید:١٦)

یعنی کیا اب بھی ایمان والوں کے لئے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں پسیج جائیں اور اللہ نے جو حق کی بات نازل کی ہے اس کے آگے ان کے دل نرم ہو جائیں۔ کیا اب بھی اس کا وقت نہیں آیا؟ یہ آواز اس ستار سے آرہی تھی۔

بہرحال اللہ تعالیٰ جس کسی بندے کو اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہیں تو ایسے غیبی سامان بھی پیدا فرمادیتے ہیں۔ جب ستار سے یہ آواز سنی، بس اسی وقت دل کی دنیا بدل گئی اور زبان سے اس آیت کا یہ جواب دیا کہ بَلٰى يَا رَبِّ قَدْ آنَ اے اللہ! وہ وقت آگیا۔ اسی وقت گانے بجانے اور شراب و کباب سے توبہ کی اور پھر دل میں علم حاصل کرنے کا داعیہ پیدا ہوا اور علم حاصل کرنا شروع کیا اور اتنے بڑے عالم بنے کہ حدیث میں بہت اونچے درجے کے امام بن گئے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی کا شرف حاصل کیا۔ اور اب ان کا قول حدیث کے اندر بھی حجت کا درجہ رکھتا ہے اور فقہ کے اندر بھی حجت ہے اور صوفیاء کرام کے بھی بڑے امام بن گئے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا مقام بُلند

انہی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ہارون رشید بغداد میں اپنے محل کے برج میں اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ شام کا وقت تھا۔ ہارون رشید نے شہرپناہ کے باہر سے بہت زبردست شور سنا۔ بادشاہ کو خطرہ ہوا کہ کہیں دشمن نے تو شہر پر حملہ نہیں

کردیا۔ اس نے جلدی سے آدمی بھیجا کہ جاکر معلوم کرے کہ یہ کیسا شور ہے۔ چنانچہ وہ گیا اور معلوم کر کے جب واپس آیا تو اس نے بتایا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ آج اس شہر میں تشریف لانے والے تھے اور لوگ ان کے استقبال کے لئے شہر سے باہر نکلے ہوئے تھے جب وہ تشریف لائے تو انہیں وہاں پر چھینک آگئی۔ اس چھینک پر انہوں نے "الحمدللہ" کہا اور استقبال کرنے والوں نے اس کے جواب میں "یرحمک اللہ" کہا، یہ اس کا شور تھا۔ جب ہارون رشید کی بیوی نے یہ صورت حال سنی تو ہارون رشید سے کہا۔ ہاروان! تم یہ سمجھتے ہو کہ تم بڑے بادشاہ ہو اور آدھی دنیا پر تمہاری حکومت ہے لیکن سچی بات یہ ہے کہ بادشاہت تو ان لوگوں کا حق ہے اور حقیقت میں تو یہ لوگ بادشاہ ہیں جو لوگوں کے دلوں پر حکومت کررہے ہیں۔ کوئی پولیس ان کو یہاں کھینچ کر نہیں لائی بلکہ یہ صرف حضرت عبداللہ بن مبارک کی محبت ہے جس نے اتنے سارے لوگوں کو یہاں جمع کردیا۔ بہرحال! بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ مقام عطا فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا راحت حاصل کرنا

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے اُوپر ایک وقت گزرا ہے کہ میں بڑے بڑے مالداروں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا اور ہر وقت انہی کے ساتھ رہتا، ان کے ساتھ کھاتا پیتا تھا۔ لیکن اس زمانے میں میرا یہ حال تھا کہ شاید مجھ سے زیادہ کوئی رنج اور تکلیف میں نہیں تھا۔ اس لئے کہ میں جس دوست کے پاس جاتا تو یہ دیکھتا کہ اس کا گھر میرے گھر سے اچھا ہے اور میں اپنی سواری پر بڑا خوش ہوتا کہ میری سواری بڑی اچھی ہے لیکن جب کسی دوست کے پاس جاتا تو یہ دیکھتا کہ اس کی سواری تو میری سواری سے بھی آگے بڑھی ہوئی ہے اور وہ بہت اعلیٰ اور عمدہ ہے اور بازار سے اپنے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ شاندار لباس خرید کر لایا اور وہ لباس پہن کر جب دوست سے ملنے گیا تو میں نے دیکھا کہ اس نے تو مجھ سے بھی

اچھا لباس پہنا ہوا ہے۔ لہذا جہاں بھی جاتا ہوں تو اپنے سامان سے اچھا سامان نظر آتا ہے۔ کسی کا مکان اچھا ہے، کسی کے کپڑے اچھے ہیں، کسی کی سواری اچھی ہے۔ پھر بعد میں میں نے ایسے لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا شروع کردیا جو زیادہ مالدار نہیں تھے بلکہ معمولی قسم کے لوگ تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے راحت اور آرام حاصل ہوگیا۔ اس لئے کہ اب میں جس کے پاس بھی ملاقات کے لئے جاتا ہوں اور اس کے حالات دیکھتا ہوں اور اس کے مقابلے میں میں اپنی حالت دیکھتا ہوں تو یہ نظر آتا ہے کہ میرا مکان اس کے مکان سے اچھا ہے۔ میری سواری اس کی سواری سے اچھی ہے۔ میرا لباس اس کے لباس سے اچھا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ یا اللہ آپ نے اس سے بہتر عطا فرمایا۔ یہ ہے "قناعت" اگر یہ قناعت حاصل نہ ہو پھر نہ صرف یہ کہ انسان ساری عمر دنیا حاصل کرنے کی دوڑ میں مبتلا رہے گا بلکہ راحت بھی نصیب نہیں ہوگی۔

"راحت" اللہ تعالیٰ کی عطا ہے

اس لئے کہ "راحت" اس پیسے اور اس دولت کا نام نہیں بلکہ "راحت" تو ایک قلبی کیفیت کا نام ہے جو محض اللہ جل جلالہ کی عطا ہوتی ہے۔ کوٹھی اور بنگلے کھڑے کرلو، نوکر چاکر جمع کرلو، دروازے پر لمبی لمبی گاڑیاں کھڑی کرلو، یہ سب چیزیں جمع کرلو، اس کے باوجود یہ حال ہے کہ رات کو جب بستر پر لیٹتے ہیں تو نیند نہیں آتی حالانکہ اعلیٰ درجے کا بستر لگا ہوا ہے۔ اعلیٰ درجے کی مسہری ہے۔ شاندار قسم کے گدے اور تکیے لگے ہوئے ہیں، ساری رات کروٹیں بدلتے گزر رہی ہے۔ نیند کی گولیاں کھا کھا کر نیند لائی جارہی ہے۔ وہ گولیاں بھی ایک حد تک کام دیتی ہیں۔ اس کے بعد وہ بھی جواب دے جاتی ہیں ـــــ دیکھئے سامان راحت سب موجود ہیں۔ بنگلے ہیں، گاڑی ہے، روپیہ پیسہ ہے، ایئر کنڈیشنڈ کمرہ ہے، آرام دہ بستر ہے لیکن رات کی بے چینی کو دور کرنے میں کوئی چیز کارآمد نہیں۔ وہ اسباب بے چینی دور نہیں

کر سکتے، بلکہ اللہ جل شانہ ہی اس بے چینی کو دور فرا سکتے ہیں۔ دوسری طرف ایک مزدور ہے جس کے پاس نہ ڈبل بیڈ ہے، نہ اس کے پاس ایئر کنڈیشن کمرہ ہے۔ نہ اس کے پاس ایسے نرم گدے اور تکیے ہیں لیکن جب رات کو بستر پر سوتا ہے تو صبح کے وقت آٹھ گھنٹے کی بھرپور نیند لے کر اٹھتا ہے۔ آپ خود فیصلہ کریں کہ اس مزدور کو راحت حاصل ہے یا اس مالدار کو راحت حاصل ہے؟ یاد رکھئے! "راحت" اللہ تبارک و تعالیٰ کی عطا ہے۔ اسباب راحت پر "راحت" حاصل ہونا ضروری نہیں۔ "راحت" اور چیز ہے "اسباب راحت" اور چیز ہیں۔

ایک سبق آموز واقعہ

مجھے یاد ہے کہ جب میں نے اپنے گھر میں ایئر کنڈیشنر لگانا چاہا تو سب سے پہلے تو اس کی خریداری میں یہ اچھی خاصی بڑی رقم خرچ ہوئی، جب کسی طرح اس کو خرید لیا تو پھر پتہ چلا کہ بجلی کی وائرنگ اس قابل نہیں ہے کہ وہ اس کے بوجھ کو اٹھا سکے۔ لہٰذا اس کے لئے نئی وائرنگ ہوگی اور اس میں اتنے پیسے خرچ ہونگے۔ چنانچہ پیسے خرچ کر کے نئی وائرنگ کرالی۔ پھر پتہ چلا کہ وولٹیج اتنا کم ہے کہ وہ اس کو نہیں چلا سکتا۔ اس کے لئے "اسٹیپلائزر" کی ضرورت ہے چنانچہ وہ بھی خرید کر لگالیا۔ لیکن پھر بھی وہ نہ چلا اور اب یہ پتہ چلا کہ یہاں پر بجلی کا پاور اور زیادہ کم ہے۔ اس کے لئے فلاں پاور کا اسٹیپلائزر کی ضرورت ہے۔ تقریباً چھ مہینے اس ادھیڑ بن میں گزر گئے اور مجھے متنبی کا یہ شعر بار بار یاد آتا رہا کہ:

﴿وما انتھی ارب الا الی ارب﴾

یعنی دنیا کی کوئی ضرورت ایسی نہیں ہے کہ اس کے پورا ہونے کے بعد دوسری نئی ضرورت سامنے نہ آجائے، پیسے بھی خرچ کر لئے۔ بھاگ دوڑ بھی کرلی۔ لیکن وہ "راحت" حاصل نہیں ہو رہی ہے۔ اس لئے کہ یہ "راحت" یہ آرام یہ سکون اللہ

جل جلالہ کی عطا ہے۔ یہ پیسوں سے نہیں خریدا جاسکتا۔

یاد رکھئے! جب تک انسان کے اندر "قناعت" پیدا نہ ہو، اور جب تک انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرنے کا عادی نہ بن جائے۔ اس وقت تک کبھی راحت اور سکون حاصل نہیں ہو سکتا۔ چاہے اس کے لئے کتنے ہی پیسے خرچ کرڈالو، اور کتنا ہی ساز و سامان جمع کرلو، بلکہ اس کے حاصل کرنے کا طریقہ وہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا، وہ یہ کہ ہمیشہ اپنے سے نیچے والے کو دیکھو۔ اپنے سے اُوپر والے کو مت دیکھو، اور پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

اُوپر کی طرف دیکھنے کے برے نتائج

اس طریقے پر عمل کرنے میں یہ فائدہ ہوگا کہ اس کے ذریعہ "قناعت" پیدا ہوگی۔ لیکن اگر اس پر عمل نہیں کروگے، بلکہ اپنے سے اُوپر والے کو دیکھتے رہوگے تو ہمیشہ رنج اور صدمہ میں رہوگے اور یہ رنج اور صدمہ کسی نہ کسی وقت "حسد" میں تبدیل ہوجائے گا۔ اس لئے کہ جب دل میں دنیا کی حرص پیدا ہوگئی اور کسی کو اپنے سے آگے بڑھتا ہوا دیکھ لیا تو پھر یہ ممکن نہیں ہے کہ "حسد" پیدا نہ ہو۔ کیونکہ "حرص دنیا" کا لازمی خاصہ یہ ہے کہ اس سے "حسد" پیدا ہوگا کہ یہ مجھ سے آگے بڑھ گیا، اور میں پیچھے رہ گیا، اور پھر "حسد" کے نتیجے میں "بغض"، "افتراق"، "عداوتیں اور دشمنیاں" پیدا ہونگی۔ آج معاشرے کے اندر دیکھ لیں کہ یہ سب چیزیں کس طرح معاشرے کے اندر پھیلی ہوئی ہیں اور جب یہ دوڑ لگی ہوئی ہے کہ مجھے دوسروں سے آگے بڑھنا ہے تو اس کے نتیجے میں لازمی طور پر انسان کے اندر یہ بات پیدا ہوگی کہ وہ حلال و حرام کی فکر چھوڑ دے گا۔ اس لئے کہ جب اس نے یہ طے کرلیا کہ مجھے یہ چیز ہر قیمت پر حاصل کرنی ہے تو اب وہ چیز چاہے حلال طریقے سے حاصل ہو، یا حرام طریقے سے حاصل ہو۔ اس کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی۔ چنانچہ اس کے حاصل کرنے کے لئے پھر وہ رشوت بھی لے گا، دھوکہ بازی وہ

کرے گا، ملاوٹ بھی کرے گا، سارے برے کام وہ کرے گا۔ اس لئے کہ اس کو تو فلاں چیز حاصل کرنی ہے۔ یہ سب "قناعت" اختیار نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "قناعت" اختیار کرو اور اپنے سے نیچے والے کو دیکھو۔

حرص اور حسد کا ایک علاج

ایک اور حدیث میں اس بات کو دوسرے الفاظ میں بیان فرمایا کہ:

﴿اذا نظر احدکم الی من فضل علیہ فی المال والخلق فلینظر الی من ھو اسفل منہ ممن فضل علیہ﴾ (مسلم، کتاب الزھد، باب نمبر۱)

پچھلی حدیث میں تو یہ بیان فرمایا تھا کہ اپنے سے اونچے آدمی کی طرف مت دیکھو۔ یعنی باقاعدہ سوچ بچار کر کے اس طرف نظر مت کرو، لیکن ظاہر ہے کہ جب انسان اس دنیا کے اندر رہ رہا ہے تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ اپنے سے زیادہ دولت مند پر نظر ہی نہ پڑے، بلکہ اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا بھی ہو گا، اس کو دیکھے گا بھی، اس کے ساتھ میل ملاپ بھی ہو گا لہٰذا جب کبھی ایسا ہو کہ تم ایسے شخص کو دیکھو جو تم سے مال میں زیادہ ہے یا جسم کی بناوٹ میں زیادہ ہو۔ مثلاً وہ زیادہ خوبصورت ہے، زیادہ طاقتور ہے، تم سے زیادہ تندرست ہے۔ اس وقت تم فوراً ایسے شخص کو دیکھو اور اس کا تصور کرو جو تم سے مال و دولت میں اور راحت و آرام میں اور جسم کی خوبصورتی اور تندرستی میں تم سے کم تر ہو، تاکہ پہلے والے شخص کو دیکھ کر تمہارے دل میں جو حسرت پیدا ہوئی ہے وہ حسرت کسی وقت حرص اور حسد میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ اس لئے دل میں اس "حسرت" کو باقی نہ رہنے دو، بلکہ اپنے سے نیچے والے کو دیکھ لو۔ اس کے نتیجے میں انشاء اللہ اس "حسرت" کا ازالہ ہو جائیگا، اور پھر وہ "حرص اور حسد" پیدا نہیں ہو گا۔

وہ شخص برباد ہو گیا

ایک اور حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿تعس عبد الدينار والدرهم والقطيفة الخميصة، ان اعطى رضي وان لم يعط لم يرض﴾

فرمایا کہ وہ شخص برباد ہو گیا جو درہم اور دینار کا غلام ہے۔ "دینار" ایک سونے کا سکہ ہوتا تھا جس کو "اشرفی" کہتے ہیں اور "درہم" چاندی کا سکہ ہوتا تھا۔ یعنی جو شخص پیسوں کا غلام ہے اور اچھے اچھے کپڑوں اور اچھی اچھی چادروں کا غلام ہے، وہ شخص برباد ہو گیا اور غلام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دن رات اس کو یہی فکر لگی ہوئی ہے کہ پیسہ کس طرح آجائے اور مجھے کس طرح اچھے سے اچھا کپڑا اور اچھا ساز و سامان حاصل ہو جائے۔ جو شخص اس فکر میں مبتلا ہے وہ اس کا غلام ہے۔ اس لئے کہ یہ فکر اس کے اُوپر اتنی غالب آچکی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بھول گیا ہے۔ ایسا شخص ہلاک اور برباد ہے۔ اس کا حال یہ ہے کہ اگر اس کو کوئی چیز دیدی جائیگی تو خوش ہو جائیگا اور اگر نہیں دی جائیگی تو اس صورت میں راضی نہیں ہوگا۔ بخلاف اس شخص کے جو "قناعت پسند" ہے اور اللہ جل شانہ کی عطا پر راضی ہے۔ اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ جائز طریقوں سے جائز حدود میں اپنی کوشش کرنے کے بعد جتنا مل گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور جو نہیں ملا، اس پر اس کے دل میں کوئی گلہ اور شکوہ پیدا نہیں ہوتا کہ فلاں کو اتنا مل گیا مجھے کیوں نہیں ملا۔

بہرحال، یہ تمام احادیث یہ بیان کر رہی ہیں کہ دنیا کے ساز و سامان سے دل نہ لگاؤ۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے دل میں ایک مرتبہ یہ بات بٹھادی تھی کہ یہ دنیا بے وقعت اور بے حقیقت ہے اور اس کا ساز و سامان ایسی چیز نہیں ہے کہ آدمی دن رات اس کی فکر میں سرگرداں اور پریشان رہے، بلکہ ضرورت کے مطابق اس دنیا کو اختیار کرنا چاہئے۔

اصحاب صفہ کون تھے؟

چنانچہ ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

﴿لقد رایت سبعین من اهل الصفته، ما منهم رجل علیه رداء، اما ازار اما کساء، قد ربطوا فی اعناقهم، فمنها ما یبلغ نصف الساقین، ومنها ما یبلغ الکعبین، فیجمعه بیده کراهیة ان تری عورته﴾

اس حدیث میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ "اصحاب صفہ" کا حال بیان فرمارہے ہیں۔ وہ صحابہ کرام جو اپنا سارا کام چھوڑ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دین کا علم حاصل کرنے کی غرض سے آپڑے تھے۔ ان کو "اصحاب صفہ" کہا جاتا ہے۔ جن حضرات کو مدینہ منورہ میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ انہوں نے دیکھا ہوگا کہ "مسجد نبوی" میں ایک چبوترہ ہے جس کو "صفہ" کہا جاتا ہے۔ اسی چبوترے پر دن رات یہ اصحاب صفہ رہتے تھے۔ یہی ان کا مدرسہ تھا۔ یہی ان کی درسگاہ تھی۔ یہی ان کی یونیورسٹی تھی، جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تعلیم دیتے تھے۔ تعلیم کا کوئی نصاب کتاب کی شکل میں نہیں تھا۔ اس کے کوئی اوقات باقاعدہ مقرر نہیں تھے۔ بس جس وقت بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے کوئی بات ارشاد فرمائی، ان حضرات نے اس کو سنا اور یاد کرلیا، یا اگر کوئی شخص آپ کے پاس ملاقات کے لئے آیا، اور اس نے آکر سوال کیا، آپ نے اس کا جواب دیا۔ ان حضرات نے اس سوال و جواب کو سن کر یاد کرلیا۔ یا آپ نے کسی کے ساتھ کس طرح کا معاملہ فرمایا۔ اس کو محفوظ کرلیا۔ ان حضرات کی ساری زندگی اسی کام کے لئے وقف تھی۔ انہی کو "اصحاب صفہ" کہا جاتا ہے۔ یہ اصحاب صفہ اسلام کی تاریخ کے پہلے طالب علم تھے اور "صفہ" اسلامی

تاریخ کا پہلا مدرسہ تھا جو ایک چبوترے پر قائم ہوا۔

اصحاب صفہ کی حالت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی انہی میں سے ایک تھے۔ وہ اس حدیث میں ان کا حال بیان فرما رہے ہیں کہ میں نے ستر اصحاب صفہ کو دیکھا کہ ان میں سے کسی کے پاس اپنے جسم کو ڈھانپنے کے لئے پورے دو کپڑے نہیں تھے، بلکہ کسی کے پاس تو صرف ایک چادر تھی اور اسی چادر کو اس نے اپنے گلے سے باندھ کر نصف پنڈلی تک اپنے جسم کو اس کے ذریعہ چھپا رکھا تھا، اور کسی کے پاس صرف زیر جامہ تھا۔ جس کے ذریعہ اس نے جسم کا نیچے کا حصہ تو چھپا رکھا تھا اور اُوپر کا جسم ڈھانپنے کے لئے اس کے پاس کوئی کپڑا نہیں تھا اور بعض اوقات یہ ہوتا کہ وہ صحابی جنہوں نے اپنے گلے سے چادر باندھی ہوئی ہوتی وہ اپنی چادر کو چلتے ہوئے اس خوف سے بار بار سمیٹتے تھے کہ کہیں ستر نہ کھل جائے اور بہت احتیاط سے چلتے تھے۔ اس حالت میں وہ صحابہ کرام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس علم حاصل کرنے کے لئے پڑے ہوئے تھے۔ کیا وہ حضرات اگر دنیا جمع کرنا چاہتے تو نہ کرسکتے تھے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کو صلاحیت، ذہانت اتنی عطا فرمائی تھی کہ اگر دنیا حاصل کرنا چاہتے تو ضرور حاصل کرلیتے۔ لیکن وجہ یہ تھی کہ ان کو دنیا کی طرف التفات ہی نہیں تھا۔ بس بقدر ضرورت جو مل گیا اس پر اکتفا کرلیا۔ اس زمانے میں "اصحاب صفہ" کے چبوترے پر ایک ستون تھا۔ اس کی یادگار اب بھی موجود ہے۔ اس ستون کے ساتھ لوگ اصحاب صفہ کے لئے کھجور کے خوشے لٹکادیا کرتے تھے۔ کھجور کے وہ خوشے ان اصحاب صفہ کی غذا ہوتے تھے۔ جب کسی کو بھوک لگتی وہ اس خوشے سے کھجور لیکر کھالیتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بھوک کی شدت

خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں مسجد نبوی میں رہتا تھا اور بعض اوقات بھوک کی شدت کی وجہ سے میرا یہ حال ہوتا تھا کہ میں نڈھال ہو کر مسجد نبوی کے دروازے پر گر جاتا تھا۔ لوگ یہ سمجھتے کہ شاید اس کو مرگی کا دورہ پڑا ہے چنانچہ لوگ میری گردن پر پاؤں رکھ کر گزرتے تھے۔ اس زمانے میں اہل عرب کے اندر یہ مشہور تھا کہ اگر کسی کو مرگی کا دورہ پڑائے تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس کی گردن پر پاؤں رکھا جائے تو اس سے دورہ کھل جاتا تھا۔ پھر قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ وَاللّٰہِ مَابِیْ اِلاَّ الْجُوْعِ اللہ کی قسم نہ مجھے مرگی کا دورہ تھا اور نہ وہ غشی کی کیفیت تھی بلکہ بھوک کی شدت سے نڈھال ہو کر میں لیٹا ہوا ہوتا تھا۔ اس حالت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے وقت گزارا۔ تب جاکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ ہزار تین سو چونسٹھ احادیث ہم تک پہنچائیں اور ذخیرہ حدیث میں سب سے زیادہ احادیث ان سے مروی ہیں۔

بہرحال، صحابہ کرام نے خود فاقے برداشت کر کے موٹا جھوٹا پہن کر، روکھی سوکھی کھا کر ہمارے لئے یہ پورا دین محفوظ کر کے چلے گئے۔ یہ ان کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا انداز

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کا یہ مزاج بنادیا تھا کہ دنیا کی حرص، دنیا کی محبت، دنیا کا ضرورت سے زیادہ شوق ختم ہوجائے۔ ان میں سے ہر شخص اس فکر میں تھا کہ کسی طرح اللہ تعالیٰ مجھے آخرت کی صلاح و فلاح عطا فرمادے۔ دنیا ہو تو وہ صرف ضرورت کے مطابق ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ

وسلم صحابہ کرام کی کس طرح تربیت فرمایا کرتے تھے؟ اس کے واقعات سنئے ـــــ یہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں دوپہر کے وقت اپنے گھر سے باہر نکلا تو دیکھا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں راستے میں ٹہل رہے ہیں۔ میں نے سوچا کہ معلوم نہیں یہ دونوں اس وقت کس وجہ سے ٹہل رہے ہیں۔ میں نے جاکر ان سے وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ بھوک لگی ہوئی ہے اور گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ سوچا کہ کچھ محنت مزدوری کر کے کچھ کھانے کا بندوبست کریں۔ ابھی کچھ دیر گزری تھی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی گھر سے باہر تشریف لے آئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر ان حضرات سے پوچھا کہ آپ حضرات کس وجہ سے باہر تشریف لائے؟ ان حضرات نے جواب دیا۔ ما اخرجنا الا الجوع یا رسول اللہ! ہمیں بھوک نے باہر نکالا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی اسی وجہ سے نکلا ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میرے ایک دوست ہیں۔ ان کے باغ میں چلتے ہیں۔ وہ ایک انصاری صحابی تھے۔ ان کا ایک باغ تھا، چنانچہ یہ حضرات وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ صحابی موجود نہیں ہیں۔ ان کی اہلیہ موجود تھیں۔ انہوں نے جب یہ دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہمارے باغ میں تشریف لائے ہیں تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، اور انہوں نے کہا کہ آج تو مجھ سے زیاد خوش قسمت کوئی نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے مہمان ہیں۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے باغ میں تشریف فرما ہوئے تو ان خاتون نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ مجھے تھوڑی دیر کی اجازت دیجئے کہ آپ کے لئے ایک بکری ذبح کرلوں۔ آپ نے فرمایا کہ بکری ذبح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اس کا خیال رہے کہ کوئی دودھ دینے والی بکری مت ذبح کرنا۔ ان خاتون نے فرمایا کہ میں دوسری بکری ذبح کروں گی۔ چنانچہ ان خاتون نے بکری ذبح کی اور اس کا گوشت اور باغ کی تازہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی پیش

کیا۔ آپ نے اور حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما نے تناول فرمایا۔ جب کھا کر فارغ ہوئے تو فرمایا کہ آج اللہ تعالیٰ نے ہمیں کھانے کی جو نعمت عطا فرمائی کہ اتنا اچھا اور عمدہ کھانا، اتنا عمدہ پانی اور درختوں کا اتنا عمدہ سایہ جس میں ہم بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا۔ وَلَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ یعنی آخرت میں تم سے ان نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا کہ ہم نے تمہیں یہ نعمتیں عطا کیں۔ تم نے ان کو کس مصرف میں استعمال کیا؟

نعمتوں کے بارے میں سوال

اس طرح آپ نے ان حضرات کی تربیت فرمائی کہ بھوک کی شدت کے عالم میں یہ تھوڑا سا ایک وقت کا کھانا میسر آگیا، اس کے بارے میں ان کے دلوں میں یہ بات بٹھائی جارہی ہے کہ اس کی محبت تمہارے دلوں میں نہ آجائے، بلکہ یہ خوف پیدا ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تو ہیں، لیکن کل قیامت کے دن ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دینا ہوگا۔ یہ ذہنیت تمام صحابہ کرام کے اندر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا فرمادی تھی۔

موت اس سے زیادہ جلدی آنے والی ہے

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم راستے سے گزر رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک صاحب اپنی جھونپڑی کی مرمت کررہے ہیں۔ جب آپ قریب سے گزرے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ کیا کررہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہماری جھونپڑی کچھ کمزور ہوگئی تھی۔ میں اس کی کچھ مرمت کررہا ہوں۔ آپ نے ان کو منع نہیں فرمایا کہ یہ مرمت مت کرو، لیکن بس ایک جملہ ارشاد فرمادیا کہ مَا اَرَى الْاَمْرَ اِلَّا اَعْجَلَ مِنْ ذٰلِكَ یعنی جو وقت موت کا آنے والا ہے وہ مجھے اس سے بھی زیادہ جلدی نظر آتا

ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا جو وقت ہے وہ اتنا جلدی آسکتا ہے کہ اگر اس کا استحضار ہو تو پھر آدمی کو اس بات کی فکر نہیں ہوتی کہ میری جھونپڑی کمزور ہو گئی ہے۔ اس کو درست کرلوں۔ اشارہ اس بات کی طرف فرمادیا کہ اس جھونپڑی کو اور اس گھر کو درست کرتے ہوئے ذہن میں یہ بات نہ آجائے کہ یہ میرا ہمیشہ کا گھر ہے اور ہمیشہ مجھے اس میں رہنا ہے۔ بلکہ یہ خیال رکھنا کہ تمہیں تو آگے جانا ہے۔ یہ گھر تو تمہارے سفر کی ایک منزل ہے سفر کی منزل میں بقدر ضرورت انتظام کرلو اس سے زیادہ مت کرو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا یہ انداز تھا۔

کیا دین پر چلنا مشکل ہے؟

بعض اوقات ان احادیث کو پڑھ پڑھ کر ہم جیسے کم ہمت لوگوں کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہونے لگتا ہے کہ پھر دین پر چلنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ یہ حضرت ابوہریرہ، یہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم ہی نے دین پر عمل کر کے دکھادیا۔ ہمارے بس میں تو یہ نہیں ہے کہ اتنے دن کی بھوک برداشت کرلیں۔ اور ایک چادر اوڑھ کر اپنی زندگی گزار لیں اور اپنے رہنے کی جھونپڑی بھی ہو تو اس کی مرمت نہ کریں اور اگر مرمت کرنے لگیں تو اس وقت یہ خیال ہو کہ قیامت کا وقت قریب آنے والا ہے — خوب سمجھ لیجئے! یہ واقعات سنانے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ دل میں مایوسی پیدا ہو، بلکہ یہ واقعات سنانے کا منشا یہ ہے کہ حضور اقدس جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے اندر یہ ذہنیت پیدا فرمائی جس کا اعلیٰ ترین معیار وہ تھا، لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر انسان اس اعلیٰ معیار پر پہنچنے کے بعد ہی نجات حاصل کرسکے گا، بلکہ ہر انسان کی طاقت اور استطاعت الگ الگ ہے، اور اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم انسان کی طاقت اور استطاعت سے زیادہ نہیں دیا۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

"دیتے ہیں ظرف قدح خوار دیکھ کر"۔

یعنی جتنا جس شخص کا ظرف ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ظرف کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ فرماتے ہیں۔

کاش ہم حضور ﷺ کے زمانے میں ہوتے

چنانچہ بعض اوقات ہمارے ذہنوں میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ کاش ہم بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیدا ہوئے ہوتے تو صحابہ کرام کے ساتھ ہوتے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوتی۔ جہاد اور غزوات میں آپ کے ساتھ شریک ہوتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ جل شانہ کی مصلحت ہے کہ انہوں نے ہمیں اس دور میں پیدا نہیں کیا، اگر ہم اپنی موجودہ صلاحیت اور موجودہ ظرف کے ساتھ جو آج ہمارے اندر ہے۔ اس دور میں ہوتے تو شاید ابوجہل، ابولہب کی صف میں ہوتے۔ یہ تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ظرف تھا، اور ان کی استطاعت تھی کہ انہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے مشکل حالات میں ساتھ دیا، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اور آپ کو اور قیامت تک آنے والے تمام انسان کو یہ راستہ بتادیا کہ تمہاری استطاعت کے مطابق تمہارے ذمہ یہ کام ہے کہ دنیا کی محبت اور اس کی حرص تمہارے دل میں نہ ہو۔ محبت اور حرص کے بغیر دنیا کو اپناؤ، اور دنیا کو جائز اور حلال طریقوں سے حاصل کرو اور حرام طریقوں سے پرہیز کرو۔ بس یہ چیز تمہارے دنیا سے بے رغبت ہونے کے لئے کافی ہے۔

حضرت تھانویؒ اپنے دور کے مجدد تھے

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ حقیقت میں وہ ہمارے دور میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں اور اپنے عہد کے

مجدد ہیں۔ چنانچہ وہ ہمیں بتاگئے کہ ہمیں ہماری صلاحیت اور ظرف کے مطابق کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے۔ شاید یہ بات ان سے زیادہ بہتر انداز میں کوئی اور نہ بتا سکے گا۔ چنانچہ انہوں نے ہمیں اس بارے میں ایک اصول بتادیا کہ دنیا کتنی حاصل کرو اور کس درجے میں حاصل کرو اور دنیا کے ساتھ کس طرح کا معاملہ کرو۔ یہ اصول اصل میں تو مکان کے سلسلے میں بیان فرمایا کہ آدمی کیسا مکان بنائے؟ لیکن یہ اصول تمام ضروریات زندگی پر لاگو ہوتا ہے۔

مکان بنانے کے چار مقاصد

چنانچہ انہوں نے یہ اصول بیان فرمایا کہ مکان چار مقاصد کے لئے بنایا جاسکتا ہے۔ پہلا مقصد ہے "رہائش"۔ یعنی ایسا مکان جس میں آدمی رات گزار سکے اور اس کے ذریعہ دھوپ، بارش، سردی اور گرمی سے حفاظت ہوجائے۔ اب یہ ضرورت ایک جھونپڑی کے ذریعہ بھی پوری ہو سکتی ہے۔ اس مقصد کے تحت مکان بنانا جائز ہے —— دوسرا مقصد ہے "آسائش" یعنی صرف رہائش مقصود نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ وہ رہائش آرام اور آسائش کے ساتھ ہو۔ مثلاً جھونپڑی اور کچے مکان میں انسان جوں توں گزارہ تو کرلے گا لیکن اس میں آسائش حاصل نہیں ہوگی اور آرام نہیں ملے گا۔ ہو سکتا ہے کہ بارش کے اندر اس میں سے پانی ٹپکنا شروع ہوجائے اور اس میں دھوپ کی تپش بھی اندر آرہی ہے۔ اس لئے آسائش حاصل کرنے کے لئے مکان کو پکا بنادیا تو یہ آسائش بھی جائز ہے۔ کوئی گناہ نہیں ہے —— تیسرا درجہ "آرائش" یعنی اس مکان کی سجاوٹ، آپ نے مکان تو پکا بنالیا اور اس کی وجہ سے آپ کو رہائش حاصل ہوگئی لیکن اس کی دیواروں پر پلاسٹر نہیں کیا ہے اور نہ اس پر رنگ و روغن ہے اب رہائش بھی حاصل ہے اور فی الجملہ آسائش بھی حاصل ہے۔ لیکن آرائش نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس پر رنگ و روغن نہیں ہے۔ جب آپ اس مکان میں داخل ہوتے ہیں تو آپ کی طبیعت خوش نہیں ہوتی۔ اب

اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے رنگ و روغن کرکے کچھ زیب و زینت کرلے تو یہ بھی کوئی گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی بھی اجازت ہے۔ بشرطیکہ اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے یہ آرائش والا کام کرے ـــ چوتھا درجہ ہے "نمائش" یعنی اس مکان کے ذریعہ رہائش کا مقصد بھی حاصل ہوگیا۔ آسائش اور آرائش کا مقصد بھی حاصل کرلیا۔ اب یہ دل چاہتا ہے کہ اپنے مکان کو ایسا بناؤں کو دیکھنے والے یہ کہیں کہ ہم نے فلاں شخص کا مکان دیکھا اس کو دیکھ کر اس کی خوش ذوقی کی داد دینی پڑتی ہے اور اس کی مالداری کا پتہ چلتا ہے۔ اب اگر اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے آدمی اپنے مکان کے اندر کوئی کارروائی کرتا ہے تاکہ لوگ اس کو بڑا آدمی سمجھیں، تاکہ لوگ اس کو دولت مند سمجھیں تاکہ لوگ اس کو اپنے سے زیادہ فوقیت والا سمجھیں تو یہ صورت حرام ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ رہائش حاصل کرنا جائز، آسائش حاصل کرنے کے لئے کوئی کام کرنا جائز، آرائش کے حصول کے لئے کوئی کام کرنا جائز، لیکن "نمائش" اور دکھاوے کے لئے کوئی کام کرنا حرام اور ناجائز ہے اور نمائش کی غرض سے جو چیز بھی حاصل کی جائیگی وہ حرام ہوگی۔

"قناعت" کا صحیح مطلب

یہ تفصیل اس لئے عرض کردی تاکہ "قناعت" کا صحیح مطلب سمجھ میں آجائے۔ "قناعت" کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اس پر آدمی راضی اور خوش ہوجائے۔ لیکن "قناعت" کے ساتھ اگر آدمی کے دل میں یہ خیال پیدا ہورہا ہے کہ میرے مکان میں فلاں تکلیف ہے۔ یہ دور ہوجائے، اور میں جائز طریقے سے اور حلال آمدنی سے اس تکلیف کو دور کرنا چاہتا ہوں تو یہ "آسائش" کے اندر داخل ہے اور جائز ہے۔ یہ خواہش "حرص" کے اندر داخل نہیں۔ یا مثلاً اگر ایک شخص نے یہ سوچا کہ میرا مکان ویسے بہت اچھا ہے ماشاء اللہ۔ لیکن جب میں داخل ہوتا ہوں تو مجھے دیکھنے میں اچھا نہیں لگتا۔ اس لئے دل چاہتا ہے کہ

اس میں کچھ سبزہ وغیرہ لگا ہوا ہو تاکہ دیکھنے میں اچھا لگے اور میرا دل خوش ہوجایا کرے۔ اب وہ اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے یہ کام کرتا ہے تو یہ حرص میں داخل نہیں۔ بشرطیکہ اس کام کو کرانے کے لئے جائز اور حلال طریقہ اختیار کرے۔ ناجائز اور حرام طریقہ اختیار نہ کرے تو یہ جائز ہے۔ لیکن اگر مکان میں تمام سہولتیں حاصل ہیں۔ اچھا بھی لگتا ہے۔ آرام بھی ہے لیکن میرے مکان کو دیکھ کر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو تھرڈ کلاس آدمی ہے، یا میں جس محلے میں رہتا ہوں اس میں میرا مکان دوسروں کے مکانوں کے ساتھ میچ نہیں کرتا، بلکہ میرے مکان کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مالداروں کے محلے میں کوئی نچلے درجے کا آدمی آگیا ہے۔ اب اس غرض کے لئے مکان کو عمدہ بناتا ہوں تاکہ اس کی نمائش ہو، لوگ اس کی تعریف کریں اور اس کو دیکھ کر لوگ مجھے دولت مند سمجھیں۔ اس وقت یہ کام کرنا حرام ہے، حرص میں داخل ہے اور یہ کام "قناعت" کے خلاف ہے، یا اگر کوئی شخص "آسائش" اور "آرائش" کو حاصل کرنے کے لئے ناجائز اور حرام طریقہ اختیار کرتا ہے۔ مثلاً رشوت کی آمدنی کے ذریعہ وہ یہ آسائش اور آرائش حاصل کرنا چاہتا ہے یا سود لے کر، دوسرے کو دھوکہ دے کر یا دوسرے کا حق مار کر یہ چیز حاصل کرنا چاہتا ہے تو پھر یہ حرص میں داخل ہے اور ناجائز اور حرام ہے۔

کم از کم ادنیٰ درجہ حاصل کرلیں

بہرحال، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے جو حالات میں نے آپ کو سنائے۔ اس کا مقصد یہ بیان کرنا تھا کہ وہ تو اعلیٰ درجے کے لوگ تھے۔ اگر ہم اپنی کمزوری کی وجہ سے صحابہ کرام کے اس اعلیٰ مقام تک نہیں پہنچ سکتے تو کم از کم اس کا ادنیٰ درجہ تو حاصل کرنے کی فکر کریں جس کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے اور یہ درجہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوگا جب تک دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی فکر اور موت کا دھیان انسان کے اندر پیدا نہ ہوجائے۔ آج انسان

سالہا سال کے منصوبے بنا رہا ہے۔ اس کو یہ پتہ نہیں کہ وہ کل ہی اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا، بیٹھے بیٹھے انسان دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ایسے لمبے لمبے منصوبے بنانے سے پرہیز کرے اور صرف بقدر ضرورت دنیا کے مال و اسباب پر قناعت کرے۔ اس قناعت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی راحت عطا فرمائیں گے اور آخرت میں بھی سکون ملے گا اور اس کا طریقہ وہ ہے کہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا کہ اپنے سے نیچے والے کو دیکھو اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اپنے سے اُوپر کی طرف مت دیکھو، اس لئے کہ اُوپر کی تو کوئی انتہا نہیں ہے۔

ایک یہودی کا عبرتناک قصہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک یہودی کا قصہ لکھا ہے کہ اس نے مال و دولت کے بہت خزانے جمع کر رکھے تھے۔ ایک دن وہ خزانے کا معائنہ کرنے کے ارادے سے چلا۔ خزانے پر ایک چوکیدار بٹھایا ہوا تھا لیکن وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کہیں چوکیدار تو خیانت نہیں کر رہا ہے۔ اس لئے اس چوکیدار کو اطلاع دیئے بغیر وہ خود اپنی خفیہ چابی سے خزانے کا تالہ کھول کر اندر چلا گیا۔ چوکیدار کو پتہ نہیں تھا کہ مالک معائنہ کے لئے اندر گیا ہوا ہے۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ خزانے کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اس نے آکر باہر سے تالہ لگادیا۔ اب وہ مالک اندر معائنہ کرتا رہا۔ خزانے کی سیر کرتا رہا جب معائنہ سے فارغ ہو کر باہر نکلنے کے لئے دروازے کے پاس آیا تو دیکھا کہ دروازہ باہر سے بند ہے۔ اب اندر سے آواز لگاتا ہے تو آواز باہر نہیں جاتی۔ اس اس خزانے کے اندر سونا چاندی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں لیکن بھوک مٹانے کے لئے ان کو کھا نہیں سکتا تھا۔ پیاس لگ رہی ہے لیکن ان کے ذریعہ اپنی پیاس نہیں بجھا سکتا۔ حتی کہ اس خزانے کے اندر بھوک اور پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ کر جان دیدی اور وہی خزانہ اس کی موت کا سبب بن گیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ بِھَا فِی الْحَیَاۃِ الدُّنْیَا﴾ (سورۃ التوبہ:۵۵)

یعنی اللہ تعالیٰ بعض اہل دنیا کو اس دنیا ہی کے ذریعہ اس دنیاوی زندگی میں عذاب دیتے ہیں۔ اگر اس عذاب سے بچنا ہے تو اس کا طریقہ وہی ہے کہ اپنے سے اُوپر مت دیکھو۔ اپنے سے نیچے والے کو دیکھو، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ البتہ جائز حدود میں رہ کر اپنی جائز ضروریات پوری کرلو۔ باقی صبح و شام دن رات دنیا کو جمع کرنے کے اندر جو انہماک اور جو فکر ہے۔ اس کو ختم کرنے کی کوشش کرو۔

ایک تاجر کا عجیب قصہ

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے گلستان میں ایک قصہ لکھا ہے کہ میں ایک مرتبہ سفر کررہا تھا۔ سفر کے دوران ایک تاجر کے گھر رات گزارنے کے لئے قیام کیا۔ اس تاجر نے ساری رات میرا دماغ چاٹا وہ اس طرح کہ اپنی تجارت کے سارے قصے مجھے سناتا رہا کہ فلاں ملک میں میری یہ تجارت ہے۔ فلاں جگہ میری یہ تجارت ہے، فلاں جگہ اس چیز کی دکان ہے، فلاں ملک سے یہ چیز درآمد کرتا ہوں، یہ چیز برآمد کرتا ہوں۔ ساری رات قصے سنا کر آخر میں کہنے لگا کہ میری اور سب آرزوئیں تو پوری ہوگئی ہیں اور میری تجارت پروان چڑھ گئی البتہ اب صرف ایک آخری سفر کرنے کا ارادہ ہے۔ آپ دعا کریں کہ میرا وہ سفر کامیاب ہوجائے تو پھر اس کے بعد قناعت کی زندگی اختیار کرلونگا اور بقیہ زندگی اپنی دکان پر بیٹھ کر گزار دونگا۔

شیخ سعدی نے پوچھا کہ وہ کیسا سفر ہے؟ اس تاجر نے جواب دیا کہ میں یہاں سے فارسی گندھک لے کر چین جاؤں گا۔ اس لئے کہ میں نے سنا ہے کہ وہ چین میں بہت زیادہ قیمت پر فروخت ہوجاتی ہے۔ پھر چین سے چینی برتن لے کر روم میں فروخت کروں گا اور وہاں سے رومی کپڑا لاکر ہندوستان میں فروخت کرونگا اور پھر

ہندوستان سے فولاد خرید کر حلب (شام) میں لے جاکر فروخت کرونگا اور حلب سے شیشہ خرید کر یمن میں فروخت کرونگا اور پھر وہاں سے یمنی چادر لے کر واپس فارس آجاؤں گا۔ غرض یہ کہ اس نے ساری دنیا کے ایک سفر کا منصوبہ بنالیا اور شیخ سعدی سے فرمایا کہ بس! اس ایک آخری سفر کا ارادہ ہے۔ اس کے لئے آپ دعا کردیں۔ اس کے بعد میں قناعت سے اپنی دکان پر بقیہ زندگی گزار دونگا۔ اس وقت بھی یہی خیال ہے کہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی باقی زندگی دکان پر ہی گزار لے گا۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس کے سفر کی روئیداد سنی تو میں نے اس سے کہا کہ ؎

آن شنیدستی کہ در صحرائے غور
بار سالارے بیفتاد از ستور
گفت چشم تنگ دنیا دار را
یا قناعت پرکند یا خاک گور

فرمایا کہ تم نے یہ قصہ سنا ہے کہ غور کے صحرا میں ایک بہت بڑے سوداگر کا سامان اس کے اونٹ سے گرا ہوا پڑاہوا تھا اور ایک طرف اس کا اونٹ بھی مرا پڑا تھا اور دوسری طرف وہ خود بھی مرا پڑا تھا۔ اس کا وہ سامان زبان حال سے یہ کہہ رہا تھا کہ دنیا دار کی تنگ نگاہ کو یا تو قناعت پر کرسکتی ہے یا قبر کی مٹی پر کرسکتی ہے۔ اس کے پر کرنے کا کوئی تیسرا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ (گلستان سعدی، حکایت نمبر۲۲ صفحہ۱۱۹)

یہ مال بھی آخرت کا سامان ہے

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ جب دنیا انسان کے اُوپر مسلط ہوجاتی ہے تو پھر اس کو کسی اور چیز کا خیال بھی نہیں آتا۔ یہ ہے دنیا کی محبت جس سے منع کیا گیا ہے۔ اگر یہ محبت نہ ہو، اور پھر اللہ تعالیٰ اپنی

رحمت سے مال دیدے اور اس کے ساتھ دل اٹکا ہوا نہ ہو، اور وہ مال اللہ تعالیٰ کی پیروی میں رکاوٹ نہ بنے۔ وہ مال اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانے میں صرف ہو اور اس کے ذریعہ انسان جنت کمائے تو وہ مال پھر دنیا نہیں ہے، وہ مال بھی آخرت کا سامان ہے۔ لیکن اگر اس مال کے ذریعہ آخرت کے راستے میں رکاوٹ پیدا ہوگئی تو وہ دنیا ہے جس سے روکا گیا ہے۔

دل سے دنیا کی محبت کم کرنے کا طریقہ

اور دنیا کی محبت دل سے نکالنے اور آخرت کی محبت دل میں لانے کا طریقہ یہ ہے کہ تھوڑا سا وقت نکال کر انسان اس بات کا مراقبہ کرے کہ یہ دن رات ہم غفلت میں مبتلا ہیں۔ مرنے سے غافل ہیں۔ اللہ کے سامنے پیش ہونے سے غافل ہیں۔ حساب و کتاب سے غافل ہیں۔ جزا اور سزا سے غافل ہیں۔ آخرت سے غافل ہیں اور اس غفلت کی وجہ سے آخرت اور موت کا خیال بھی نہیں آتا۔ اس لئے تھوڑا سا وقت نکال کر انسان یہ مراقبہ کرے کہ ایکدن مرونگا، اس وقت میرا کیا حال ہوگا؟ اور کس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی؟ کس طرح سوال و جواب ہونگے؟ اور مجھے کیا جواب دینا ہوگا۔ روزانہ ان باتوں کا استحضار کرے۔ حضرت تھانوی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی روزانہ ان باتوں کا مراقبہ کرے تو چند ہی ہفتوں میں انشاء اللہ وہ یہ محسوس کرے گا کہ دنیا کی محبت دل سے نکل رہی ہے۔

اس کو پوری دنیا دیدی گئی

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ اَصْبَحَ مِنْكُمْ اٰمِنًا فِیْ سِرْبِهٖ مُعَافًا فِیْ جَسَدِهٖ عِنْدَهٗ قُوْتُ يَوْمِهٖ فَكَاَنَّمَا حِیْزَتْ لَهُ الدُّنْيَا﴾

(ترمذی، ابواب الزھد، باب ماجاء فی الزھادہ فی الدنیا)

یعنی جو شخص اس طرح صبح کرے کہ اس کو تین چیزیں حاصل ہوں۔ ایک یہ کہ وہ اپنے سر چھپانے کی جگہ میں بے خوف ہو یعنی اپنے گھر میں بے خوف ہو اور اس کو کسی دشمن کا یا کسی ظالم کے ظلم کا خطرہ نہ ہو اور دوسرے یہ کہ اس کے بدن میں اس کو تکلیف نہ ہو بلکہ صحت اور عافیت کی حالت میں ہو، کوئی بیماری نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ اس کے پاس ایک دن کے کھانے کا انتظام موجود ہو۔ جس شخص کو یہ تین چیزیں حاصل ہوں۔ اس کو گویا کہ پوری کی پوری دنیا تمام اسباب کے ساتھ جمع کر کے دیدی گئی ہے۔ لہٰذا اگر کسی کو یہ تین چیزیں حاصل ہو گئیں۔ اس کی دنیا کی ضرورت پوری ہو گئی۔ اس کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس کو عافیت مل گئی اور ضرورت کے طابق دنیا مل گئی اور ایسے شخص کو ناشکری میں نہیں مبتلا ہونا چاہئے۔

ان نعمتوں پر شکر ادا کرو

اس حدیث میں دو باتوں کی تلقین فرمائی ہے جو ہم سب کے لئے بڑا سبق ہے۔ ایک یہ کہ انسان کو شکر کی عادت ڈالنی چاہئے۔ ناشکری سے بچنا چاہئے۔ ہم لوگ صبح و شام جو ناشکری میں مبتلا رہتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے انواع و اقسام کی نعمتیں ہمیں دے رکھی ہیں۔ اس کی نعمتوں کی بارش ہو رہی ہے لیکن جب ذرا سی کوئی بات طبیعت کے خلاف پیش آ گئی تو بس اب تمام نعمتوں کو بھول کر ناشکری کرنے لگے اور ان نعمتوں کے مقابلے میں اس ذرا سی تکلیف کو لے کر بیٹھ گئے اور اس کے نتیجے میں ناشکری کرنے لگے۔ یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ اگر تمہیں تین باتیں حاصل ہو گئیں تو تمہیں پوری دنیا مل گئی۔ اگر اس سے زیادہ نہیں ملی تو اس پر شکوہ کرنے اس پر ناشکری کرنے کا کوئی موقع نہیں۔ آج اگر لوگوں سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ کیا حال ہے؟ تو اکثر لوگوں کی زبان پر جملہ آجاتا ہے کہ "گزر رہی ہے۔" "ٹائم پاس ہو رہا ہے"۔ اللہ تعالیٰ

بچائے۔ یہ بڑی ناشکری کا کلمہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقت میں تو مجھے اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت تو میسر نہیں ہے۔ تکلیفوں کا عالم ہے لیکن میرا ہی حوصلہ ہے کہ میں اس کو گزار رہا ہوں اور وقت پاس کر رہا ہوں۔ حالانکہ جب تم سے کوئی پوچھے کہ کیا حال ہے؟ کیسی گزر رہی ہے؟ تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں تمہیں میسر ہیں۔ ان کا دھیان کرو اور پہلے ان کا شکر ادا کرو کہ الحمدللہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے بڑی نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور اگر تھوڑی بہت کوئی تکلیف ہے تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے کہہ دو کہ یا اللہ! آپ نے مجھے بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور یہ جو تکلیف ہے یہ بھی حقیقت میں نعمت ہی کا ایک عنوان ہے لیکن میں کمزور ہوں، اس تکلیف کا تحمل نہیں کر سکتا۔ یا اللہ اپنی رحمت سے اس تکلیف کو دور فرما دیجئے۔ یہ الفاظ کہو۔ یہ مت کہو کہ میں بڑی مشکل سے زندگی گزار رہا ہوں۔

اُونچے اُونچے منصوبے مت بناؤ

یہ زندگی کا گزرنا اس لئے مشکل لگتا ہے کہ اپنے ذہن میں پہلے سے ایک بہت بڑا منصوبہ بنالیا کہ دنیا کا یہ سامان اور اسباب حاصل کرنا ہے۔ مثلاً میرے پاس اتنا شاندار بنگلہ ہونا چاہئے۔ ایسی شاندار کار ہونی چاہئے۔ اتنے نوکر چاکر ہونے چاہئیں۔ اتنی اولاد ہونی چاہئے۔ اتنا بینک بیلنس ہونا چاہئے۔ ایسی تجارت ہونی چاہئے۔ یہ منصوبہ پہلے سے بنالیا۔ پھر اگر اس منصوبے کے مطابق کسی چیز میں کمی رہ گئی تو بس اب ناشکری کرنے لگے کہ ہم تو زندگی گزار رہے ہیں۔ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ تم نے یہ جو بڑے بڑے منصوبے بنا رکھے ہیں۔ یہ بڑی سخت غلطی کی ہے۔ اس لئے کہ اگر تمہیں تین باتیں حاصل ہیں۔ ایک یہ کہ گھر میں تم اطمینان سے ہو۔ دوسرے یہ کہ جسم میں عافیت ہے۔ تیسرے یہ کہ ایک دن کا اپنا اور اپنے بیوی بچوں کے کھانے کا انتظام موجود ہے تو تمہیں ساری دنیا مل گئی۔ اگر کوئی شخص اپنے ذہن میں یہ بات بٹھالے کہ بس ان

تین چیزوں کا نام دنیا ہے جو مجھے ملتی ہے تو اس کے بعد اگر اس کو ان تین چیزوں سے زیادہ دنیا ملے گی تو وہ شخص شکر ادا کرے گا کہ میں مستحق تو کم کا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے زیادہ دیدیا اور اگر اس سے زیادہ چیزیں نہیں ملیں گی تو وہ شخص کم از کم ناشکری نہیں کریگا بلکہ وہ یہ سوچے گا کہ دنیا اتنی ہی تھی جو مجھے ملنی چاہئے تھی اور وہ مل گئی۔ بہرحال، ہماری سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ ہم پہلے سے بڑے بڑے منصوبے خود بنالیتے ہیں۔ پھر اس میں جب کوئی کوتاہی رہ جاتی ہے تو ناشکری کردیتے ہیں۔ اس حدیث میں اس غلطی کا ازالہ فرمادیا کہ ایسے بڑے بڑے منصوبے ہی مت بناؤ۔

اگلے دن کی زیادہ فکر مت کرو

اب ایک سوال ذہن میں یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک دن کے کھانے کا ذکر فرمایا ہے کہ اگر تمہارے پاس ایک دن کا کھانا موجود ہے تو ساری دنیا تمہیں مل گئی تو پھر اگلے دن کیا ہوگا؟ اور اس کے بعد آئندہ کیا ہوگا؟ بات دراصل یہ ہے کہ اس حدیث کے ذریعہ اشارہ اس بات کی طرف فرمایا کہ بھائی! اگلے دن کا کیا پتہ کہ وہ آئے گا یا نہیں آئے گا اور جس مالک نے آج عطا فرمایا ہے کہ وہ مالک کل بھی دیگا۔ اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرمادیا ہے:

﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا﴾

یعنی زمین پر چلنے والا جو کوئی جاندار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رزق اپنے ذمہ لے رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا مستقل ٹھکانہ بھی جانتے ہیں اور اس کا عارضی ٹھکانہ بھی جانتے ہیں۔ اس کا رزق وہیں پہنچائیں گے۔ لہٰذا آئندہ کل تم محنت کرنا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا۔ اس محنت اور بھروسے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ تمہیں رزق عطا فرمائیں گے۔ لہٰذا کل کے لئے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اور آج جو کچھ میسر

ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اس لئے کہ شکر کرنے پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ اگر تم شکر کروگے تو تمہیں اور زیادہ دوں گا۔

سکون اور اطمینان قناعت میں ہے

اس حدیث سے دوسرا سبق یہ ملا کہ دنیا میں اطمینان اور عافیت کا راستہ "قناعت" کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ یعنی جائز طریقے سے مناسب تدبیر کے تحت جتنا کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمادیا۔ اس پر مطمئن ہوجائے۔ زیادہ کی حرص اور ہوس نہ کرے۔ اس کے علاوہ دنیا میں خوش رہنے کا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ مال و دولت کے انبار لگالو۔ بینک بیلنس کے انبار لگالو، کوٹھیاں بنالو، کاریں رکھ لو، لیکن اگر قناعت نہیں ہے تو پھر ان کوٹھیوں اور بنگلوں میں بھی تمہیں سکون نہیں ملے گا۔ اس مال و دولت کے ڈھیر میں بھی سکون نہیں ملے گا اور اگر قناعت کی دولت تمہیں حاصل ہے تو پھر یقین رکھو کہ چٹنی روٹی میں بھی تمہیں وہ مزہ آجائے گا اور وہ اطمینان و سکون میسر آجائے گا جو بڑی بڑی کوٹھی بنگلوں میں اور اعلیٰ درجے کے کھانوں میں میسر نہیں آئے گا۔ اس کا تجربہ کرکے دیکھ لو۔

بڑے بڑے دولت مندوں کا حال

آج لوگ دنیا ہی کے پیمانے سے ناپے جاتے ہیں۔ چنانچہ جس کے پاس زیادہ روپے پیسے نہیں ہے۔ وہ جب کسی بڑے دولت مند کو دیکھتا ہے کہ اس کے پاس پیسے بہت ہیں۔ اس کی فیکٹریاں کھڑی ہوئی ہیں۔ اس کے نوکر چاکر ہیں۔ اس کے پاس بینک بیلنس ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے، یہ سب چیزیں دیکھ کر وہ سمجھتا ہے کہ یہ آدمی بڑا خوش نصیب ہے۔ پھر اس کو خوش نصیب سمجھنے کے نتیجے میں اپنے دل میں یہ حسرت پیدا ہوتی ہے کہ مجھے یہ چیزیں میسر نہیں آئیں اور دل چاہتا ہے کہ یہ چیزیں ہمیں بھی مل جائیں ـــــ لیکن بات یہ ہے کہ تمہیں کیا معلوم کہ اس مال و

دولت کے پیچھے، اس کوٹھی اور بنگلے کے پیچھے اس کو سکون میسر ہے یا نہیں؟ چونکہ لوگ میرے پاس آکر اپنے اندرونی حال بتاتے ہیں اس لئے نہ جانے کتنے لوگ خود میرے علم میں ایسے ہیں کہ اگر ایک عام آدمی اس شخص کو اور اس کے ظاہری حالات کو دیکھے گا تو وہ یہی سمجھے گا کہ دنیا کی عظیم ترین دولت اس کو ملی ہوئی ہے۔ کاش میں بھی اس جیسا بن جاؤں۔ اس کو یہ معلوم نہیں کہ اس کی اندرونی زندگی میں کیا عذاب برپا ہے۔ اور کس مصیبت میں مبتلا ہے۔ بڑے بڑے امیر اور دولت مندوں نے مجھ سے رو رو کر یہ کہا کہ کاش! ہمیں یہ روپیہ نہ ملا ہوتا۔ کاش! ہمیں یہ دولت میسر نہ آئی ہوتی۔ شاید ہمیں اس کے بغیر زیادہ امن و سکون اور زیادہ عافیت مل جاتی۔

سکون پیسے سے نہیں خریدا جاسکتا

بہرحال، یہ راحت اور سکون پیسے سے نہیں خریدا جاسکتا اور نہ دولت کے ذریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ وہ اگر چاہیں تو چٹنی روٹی میں دیدیں۔ اور اگر نہ چاہیں تو کوٹھی اور بنگلے میں بھی نہ دیں۔ لہٰذا کہاں تک اس کے پیچھے دوڑ لگاؤ گے؟ کہاں تک منصوبے بناؤ گے۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ دنیا کی اتنی سی حقیقت سمجھ لو کہ یہ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ ہی نہیں۔ لہٰذا اگر اس دنیا میں اتنا اگر مل جائے تو بڑی غنیمت بات ہے اور جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمادیا۔ اس پر قناعت کرلو پھر اس قناعت کے ذریعہ تمہیں سکون مل جائے گا۔ اگر قناعت میسر نہیں تو پھر دنیا کے مال و اسباب میں بڑھتے چلے جاؤ گے۔ مگر سکون میسر نہیں آئے گا۔ بعض لوگ اربوں کے مالک ہیں۔ اگر ساری زندگی بیٹھ کر کھاتے رہیں تب بھی ختم نہ ہو۔ مگر پھر بھی اس فکر میں لگے ہوئے ہیں کہ اور مل جائے۔ اور اس کے لئے جائز اور ناجائز، حلال و حرام سب ایک کیا ہوا ہے۔ باوجود یکہ اربوں کے مالک ہیں۔ ارے پہلے یہ دیکھ لو کہ جو دولت تمہارے پاس ہے اس

کو کہاں استعمال کروگے؟

دنیا کا مہنگا ترین بازار "لاس اینجلس" میں

میں پچھلے ہفتہ امریکہ گیا ہوا تھا۔ وہاں کا ایک شہر ہے لاس اینجلس، وہاں کے ایک دوست مجھے ایک بازار میں لے گئے اور بتایا کہ یہ بازار دنیا کا سب سے مہنگا بازار ہے اور یہاں چیزیں سب سے مہنگی بکتی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کتنی مہنگی بکتی ہیں؟ انہوں نے مجھے بتایا کہ یہاں پر ایک موزے کی جوڑی کی قیمت دو ہزار ڈالر ہے۔ جس کا مطلب ہے پاکستانی تقریباً پچاسی ہزار روپے کا ایک موزہ۔ ٹائی کی قیمت تین ہزار ڈالر، سوٹ کی قیمت دس ہزار، پندرہ ہزار، بیس ہزار ڈالر ہے۔ ایک ایک لاکھ ڈالر کے سوٹ ملتے ہیں۔ ایک دکان کے پاس سے گزرے تو ہمارے میزبان دوست نے بتایا کہ اس دکان کے ایک حصہ میں تو آدمی خریداری کے لئے جاسکتا ہے اس کے بعد دوسرے حصے میں جانے کے لئے ایک زینہ پر جانا پڑتا ہے۔ اس حصے میں کسی شخص کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی جب تک اس دکان کا مالک خود اس کو ساتھ لے کر نہ جائے اور وہاں لے جانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مالک اس شخص کو بہت سے کلر کے سوٹ اور بہت سے ڈیزائن کے سوٹ دکھاتا ہے اور پھر مالک اس کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ آپ کے جسم کے لئے کونسا کلر اور کونسا ڈیزائن مناسب ہوگا اور پھر مالک اس گاہک سے صرف مشورہ دینے کے دس ہزار ڈالر وصول کرتا ہے اور سوٹ کی خریداری کے پیسے الگ دینے ہونگے۔ شہزادہ چارلس نے اس سے مشورے کے لئے ٹائم مانگا تھا تو چھ مہینے بعد کا اس کو ملاقات کا ٹائم دیا کہ آپ چھ ماہ کے بعد فلاں وقت پر آپ تشریف لائیں تو آپ کو بتاؤں گا کہ آپ کونسے کلر کا سوٹ پہنیں اور کونسے ڈیزائن کا سوٹ پہنیں۔

اس دولت کا دوسرا رخ

بات دراصل یہ ہے کہ دولت کی ہوس تو ختم نہیں ہوئی اور اب جب دولت آگئی تو اس کو کہاں خرچ کریں۔ چنانچہ اس دولت کو خرچ کرنے کے یہ راستے تلاش کرلئے۔ اب اس میں دولت خرچ ہو رہی ہے۔ بہرحال، ایک طرف تو دولت اس طرح پانی کی طرح بہائی جارہی ہے لیکن ابھی ہم لوگ اسی سڑک پر ایک میل دور ہی گئے تھے۔ وہاں یہ عجیب منظر دیکھا کہ ہر سگنل پر بھکاری بھیک مانگ رہے ہیں۔ چنانچہ ایک بھکاری جب ہماری گاڑی کے پاس آیا تو میرے دوست نے اس سے کہا کہ اس وقت میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔ اس بھکاری نے کہا کہ میں ڈالر نہیں مانگ رہا ہوں۔ اگر آپ کے پاس پینی (ریزگاری) ہو تو وہ دیدیجئے۔ اس لئے کہ میں کھانے کو ترس رہا ہوں۔ ایک طرف تو یہ حال ہے اور دوسری طرف دو ہزار ڈالر کے موزے بک رہے ہیں۔ آخر دولت جمع کرنے کی کوئی حد اور انتہا تو ہوگی۔ جتنی دولت ہے۔ پہلے اس کو تو خرچ کرلو۔ پھر بعد میں اور کی فکر کرنا۔ یہ دنیا کی ہوس ایسی لامتناہی ہوس ہے جس کی کوئی حد اور کوئی انتہا نہیں۔ اس کو "جوع البقر" کہا جاتا ہے۔ یعنی ایسی بھوک ہے جو کبھی مٹتی نہیں، چاہے جتنا کھالے۔ ایسی پیاس ہے جو کبھی بجھتی نہیں، چاہے جتنا پانی پی لے۔

ہاتھ میں اُٹھنے والی کھجلی

ہمارے ہی ملک کے ایک بہت بڑے سرمایہ دار جو ملک کے گنے چنے لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ایک روز میرے پاس آئے۔ بات چیت ہوتی رہی۔ میں نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت کچھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے۔ لوگ آپ کے اُوپر رشک کرتے ہیں۔ اس دولت کو کچھ ایسے کاموں میں بھی خرچ کردیجئے جس سے یہ دولت آخرت میں بھی کارآمد ہوجائے اور اللہ تعالیٰ نے آپ

کو بہت دولت دیدی ہے۔ آپ نے بہت کچھ کمالیا۔ اب توبہ کر لیجئے کہ سود کی لعنت سے بچیں گے۔ میری بات سن کر انہوں نے سود پر بحث شروع کردی کہ سود کیسے حرام ہے۔ سود کے بغیر دنیا میں کیسے گزار ہوگا۔ کیسے تجارت ہوگی۔ میں نے ان کو سمجھایا تو آخر میں خاموش ہوگئے۔ پھر خود ہی مجھ سے کہنے لگے کہ مولانا صاحب بات تو آپ صحیح کہتے ہیں۔ مگر میں اس ہاتھ میں اُٹھنے والی کھجلی کو کیا کروں؟ یہ کھجلی کسی طرح بھی ختم نہیں ہوتی۔ چاہے کتنے کارخانے لگالوں۔ کتنی فیکٹریاں لگالوں۔ چاہے کتنا بینک بیلنس جمع کرلوں۔ مگر یہ کھجلی ختم نہیں ہوتی اور اس کھجلی کا نتیجہ یہ ہے کہ گھر اندر سے برباد ہے۔ گھر کا سکون میسر نہیں۔ اولاد کی راحت میسر نہیں۔ آپس میں لڑائی جھگڑے ہیں۔ تو دولت تو بہت ہے لیکن راحت اور آرام میسر نہیں۔

دنیا کا مالدار ترین انسان "قارون"

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے قارون کے خزانے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْءُ بِالْعُصْبَةِ اُولِی الْقُوَّةِ﴾

(سورہ القصص: ۷۶)

یعنی اس کے خزانے کی صرف چابیاں اتنی بھاری تھیں کہ ایک بڑی جماعت مل کر اس کو اٹھایا کرتی تھی۔ اس کی چابیاں اٹھانا ایک آدمی کے بس میں نہیں تھا۔ جب وہ اپنی دولت لے کر لوگوں کے پاس سے گزرا تو بعض لوگوں نے اس کی دولت دیکھ کر کہا:

﴿یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ﴾

کاش وہ دولت ہمیں بھی ملی ہوتی۔ جیسی دولت قارون کو ملی ہے۔ وہ تو بڑا خوش قسمت آدمی ہے۔ قرآن کریم نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ قارون کی ظاہری حالت کو دیکھ رہے تھے کہ چونکہ وہ بڑی دولت رکھنے والا ہے۔ اس لئے

بڑا قابل رشک ہے۔ لیکن ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کی اس مال و دولت کے پیچھے کیا عذاب چھپا ہے۔ چنانچہ جب بعد میں لوگوں نے قارون کا انجام دیکھا تو انہی لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا کتنا کرم ہے کہ اس نے ہمیں قارون جیسا نہیں بنایا۔ بہرحال، دنیا کے مال و اسباب کی کوئی حد تک نہیں۔ کہاں تک تم اس کے پیچھے دوڑوگے؟ کہاں تک تم حسرتیں کروگے؟ اور یاد رکھنا کہ کسی بھی حد پر جاکر تمہیں قرار نہیں آئے گا۔ اگر قرار آئے گا تو وہ صرف اور صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت میں آئے گا کہ قناعت اختیار کرلو۔ "قناعت" کا مطلب یہ ہے کہ مناسب اور جائز تدبیر کے تحت حلال طریقے سے جو کچھ مل رہا ہے۔ اس کو اپنے لئے کافی سمجھو اور اس پر مطمئن ہوجاؤ۔ جس دن یہ "قناعت" حاصل کرلی تو انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دنیا کا تھوڑا بہت اسباب جو تمہیں میسر ہے اسی اسباب میں وہ راحت حاصل ہوجائے گی جو بڑے بڑے بادشاہوں کو حاصل نہیں۔ جو بڑے بڑے سرمایہ داروں اور دولت مندوں کو میسر نہیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا ایک واقعہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب پاکستان تشریف لائے تو اس وقت حکومت نے دستور ساز اسمبلی کے ساتھ ایک "تعلیمات اسلامی بورڈ" بنایا تھا۔ حضرت والد صاحب کو بھی اس کا ممبر بنایا گیا، یہ بورڈ حکومت ہی کا ایک شعبہ تھا۔ ایک مرتبہ حکومت نے کوئی کام گڑبڑ کردیا تو حضرت والد صاحب نے اخبار میں حکومت کے خلاف بیان دیدیا کہ حکومت نے یہ کام غلط کیا ہے۔ بعد میں حکومت کے کچھ لوگوں سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے والد صاحب سے کہا کہ حضرت! آپ تو حکومت کا حصہ ہیں۔ آپ نے حکومت کے خلاف یہ بیان دیدیا؟ حالانکہ آپ "تعلیمات اسلامی بورڈ" کے رکن ہیں۔ اور یہ بورڈ "دستور ساز اسمبلی" کا حصہ ہے۔ حکومت کے خلاف آپ کا یہ بیان دینا مناسب بات نہیں ہے۔

جواب میں حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ میں نے یہ رکنیت کسی اور مقصد کے لئے قبول نہیں کی تھی۔ صرف دین کی خاطر قبول کی تھی اور دین کے ایک خادم کی حیثیت سے یہ میرا یہ فرض ہے کہ جو بات میں حق سمجھوں وہ کہہ دوں۔ چاہے وہ بات حکومت کے موافق پڑے یا مخالف پڑے۔ میں اس کا مکلّف نہیں۔ بس اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو بات حق ہے وہ واضح کروں۔ رہا رکنیت کا مسئلہ۔ یہ رکنیت کا معاملہ میری ملازمت نہیں ہے۔ آپ حکومت کے خلاف بات کہتے ہوئے ڈریں کیونکہ آپ حکومت کے ایک ملازم افسر ہیں۔ آپ کی تنخواہ دو ہزار روپے ہے۔ اگر یہ ملازمت چھوٹ گئی تو پھر آپ نے زندگی گزارنے کا جو نظام بنا رکھا ہے وہ نہیں چل سکے گا۔ میرا یہ حال ہے کہ جس دن میں نے رکنیت قبول کی تھی اسی دن استعفیٰ لکھ کر جیب میں ڈال لیا تھا کہ جب کبھی موقع آئے گا پیش کردوں گا۔ جہاں تک ملازمت کا معاملہ ہے تو مجھ میں آپ میں یہ فرق ہے کہ میرا سر سے پاؤں تک زندگی کا جو خرچہ ہے وہ دو روپے سے زیادہ نہیں ہے۔ اس لئے اللہ کے فضل و کرم سے میں اس تنخواہ اور اس الاؤنس کا محتاج نہیں ہوں۔ یہ دو روپے اگر یہاں سے نہیں ملیں گے تو کہیں بھی مزدوری کر کے کمالوں گا اور اپنے ان دو روپے کا خرچہ پورا کرلوں گا اور آپ نے اپنی زندگی کو ایسا بنایا ہے کہ دو سو روپے سے کم میں آپ کا سوٹ نہیں بنتا۔ اس وجہ سے آپ حکومت سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ملازمت نہ چھوٹ جائے۔ مجھے الحمدللہ اس کا کوئی ڈر نہیں ہے۔

آمدنی اختیار میں نہیں خرچ اختیار میں ہے

اسی طرح والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آمدنی بڑھانا انسان کے اختیار میں نہیں اور خرچ کم کرنا انسان کے اختیار میں ہے۔ لہٰذا خرچ کم کر کے قناعت اختیار کرلو۔ انشاء اللہ کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ پریشانی اس لئے ہوتی ہے تم نے پہلے سے اپنے ذہن میں یہ منصوبہ بنالیا کہ اتنی آمدنی ہونی چاہئے۔ جب اتنی

آمدنی نہیں ہوئی تو اب پریشانی شروع ہوگئی۔ لیکن اگر تم نے اپنا خرچ کم کر کے اپنی زندگی کو سادہ بنالیا اور اپنے آپ کو اس کے مطابق ڈھال لیا اور یہ سوچ لیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کم دیا ہے تو کم پر گزارہ کرلوں گا اور اگر زیادہ دیا ہے تو اس کے مطابق گزارہ کرلوں گا اور اس کے نتیجے میں اپنی آمدنی پر مطمئن ہوگئے تو پھر بس راحت اور عیش کی زندگی گزرے گی۔ اس کا نام "قناعت" ہے۔

یہ دعا کیا کریں

اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا تلقین فرمائی جو بڑی کام کی دعا ہے۔ ہر مسلمان کو یہ دعا کرنی چاہئے۔ فرمایا:

﴿اَللّٰھُمَّ قَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ وَبَارِکْ لِیْ فِیْہِ﴾

یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا عجیب و غریب دعا ہے۔ ایک ایک جملہ پر آدمی قربان ہوجائے۔ اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ جو کچھ آپ نے مجھے رزق عطا فرمایا ہے اس پر مجھے قناعت عطا فرمایئے اور اس میں میرے لئے برکت عطا فرمادیجئے۔ سبحان اللہ۔ اگر یہ دعا ہمارے حق میں قبول ہوجائے تو پھر زندگی کے سارے مسائل حل ہوجائیں۔ اس لئے کہ "قناعت" حاصل ہوجانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر وقت یہ جو ہمیں زیادہ کمانے اور زیادہ کھانے کی اور دنیا کے اسباب زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کی دھن لگی ہوئی ہے۔ یہ دھن ختم ہوجائے گی اور اس کے بعد سکون اور راحت حاصل ہوجائے گی اور دوسرے جملے میں فرمایا کہ اے اللہ! اس میں برکت عطا فرما۔ برکت دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز اگرچہ دیکھنے میں تھوڑی ہو لیکن اس چیز سے فائدہ زیادہ پہنچ جائے۔ برکت کے یہ معنی ہیں۔

برکت کا مطلب

آج کل لوگ "برکت" کا لفظ استعمال تو بہت کرتے ہیں۔ مثلاً کسی نے مکان بنالیا یا خرید لیا تو اب لوگ مبارکباد دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مبارک کرے مبارک ہو، کار مل گئی۔ اللہ تعالیٰ مبارک کرے، شادی ہو گئی مبارک ہو، اللہ تعالیٰ مبارک کرے۔ یہ برکت اور مبارک کا لفظ استعمال تو ہم بہت کرتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب نہیں معلوم کہ کیا مطلب ہے؟ برکت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کو تمہارے لئے باعث راحت بنادے اور ایسا باعث راحت بنادے کہ چاہے یہ چیز مقدار میں تھوڑی ہو لیکن فائدہ اس چیز سے زیادہ پہنچ جائے۔ اسی کا نام برکت ہے۔

حساب کتاب کی دنیا

آج کی دنیا Statistics (اعداد و شمار، حساب کتاب) کی دنیا ہے۔ آج لوگ پیسوں کو گنتے ہیں کہ اتنی آمدنی ہوئی، اتنا پیسہ اور اتنا روپیہ اتنے ڈالر حاصل ہوئے۔ اتنی تنخواہ ملی۔ لیکن اس گنتی کے نتیجے میں فائدہ کتنا حاصل ہوا اس کو کوئی شمار نہیں کرتا۔ ایک انگریز مسلمان نے ایک بڑی اچھی کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام ہے The Reign of quantity "گنتی کی حکومت" یعنی اس وقت دنیا پر جو چیز حکومت کر رہی ہے وہ "گنتی" اور مقدار ہے کہ اتنے زیادہ پیسے حاصل ہو جائیں۔ لیکن اس گنتی کے پیچھے فائدہ کتنا ہے اس کو کوئی نہیں دیکھتا۔

برکت اور بے برکتی کی مثال

مثلاً ایک شخص نے سو روپے کمائے۔ جب گھر واپس جانے کے لئے بس اسٹاپ کی طرف چلا تو راستے میں ایک دوست مل گیا۔ اس نے کہا کہ میں تمہیں اپنی گاڑی

میں گھر پہنچا دیتا ہوں۔ مجھے بھی اسی طرف جانا ہے۔ چنانچہ وہ آرام سے گھر پہنچ گیا اور کرائے کے پانچ روپے بچ گئے۔ پانچ روپے بچ جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس سو روپے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت ہوگئی۔ اگر وہ دوست نہ ملتا تو اس کے پانچ روپے کرائے میں خرچ ہوجاتے۔ جب بازار میں سودا خریدنے گیا تو اللہ تعالیٰ نے سستی چیز دلادی، یہ برکت ہوگئی۔ اس کے برخلاف ایک آدمی نے ایک لاکھ روپے کمائے۔ اور خوشی خوشی ایک لاکھ روپے لے کر گھر پہنچا تو معلوم ہوا کہ بیٹے کو فلاں بیماری لاحق ہوگئی ہے۔ اس لئے فوراً ہسپتال لے جانا ہے۔ چنانچہ بچے کو لے کر ہسپتال پہنچے۔ ڈاکٹر نے معائنہ کرنے کے بعد مختلف قسم کے ٹیسٹ لکھ دیئے۔ اب صرف ٹیسٹ کرانے پر ہزاروں روپیہ خرچ ہوگیا۔ پھر ڈاکٹر نے کہا کہ اب ہسپتال میں داخل کرنا پڑے گا۔ چنانچہ ہسپتال میں داخل کردیا اور اس طرح وہ ایک لاکھ روپیہ ہسپتال کے بل اور ڈاکٹروں کی فیس وغیرہ میں خرچ ہوگیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس ایک لاکھ روپے میں بے برکتی ہوگئی۔ برکت نہ ہوئی۔

رشوت اور سود میں بے برکتی

چنانچہ "رشوت" کی جو آمدنی ہوتی ہے۔ اس میں یہی بے برکتی ہوتی ہے۔ اگر ایک جگہ سے رشوت لے گا تو دس جگہ پر رشوت دینی پڑے گی۔ مثلاً ایک جگہ سے رشوت لی اور اب ان پیسوں کو گن گن کر خوش ہو رہا ہے کہ میرے پاس دس ہزار کے بیس ہزار روپے ہوگئے۔ بیس کے پچاس ہزار ہوگئے۔ پچاس ہزار سے ایک لاکھ ہوگئے۔ لیکن اس کو یہ پتہ نہیں کہ یہ ایک لاکھ روپے جو رشوت لے کر جمع کئے گئے ہیں۔ وہ دس آدمیوں کو جاکر دینے پڑیں گے۔ کل جب کسی دفتر میں مجھے کام پڑے گا تو وہاں دینے پڑیں گے۔ دوسری جگہ جائے گا تو وہاں دینے پڑیں گے۔ یہ سارے پیسے اسی طرح تقسیم ہوجائیں گے۔ اس کا نام بے برکتی ہے۔ "برکت" اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ یہ انسان کے زور بازو سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دعا کیا کرو کہ اے اللہ! جو کچھ آپ نے مجھے عطا فرمایا ہے اس پر قناعت عطا فرمائیے اور اس میں مجھے برکت عطا فرمادیجئے۔

دارالعلوم کی تنخواہوں میں برکت

ہمارے دارالعلوم کو دیکھ لیجئے۔ وہاں کے اساتذہ اور عملہ کی تنخواہیں گنتی کے اعتبار سے کم ہیں۔ لیکن آپ ان میں سے جس سے چاہیں پوچھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تنخواہ میں اتنی برکت عطا فرمائی ہے اور اس سے اتنے کام نکل آتے ہیں کہ باہر رہنے والوں کی بڑی تنخواہوں میں وہ کام نہیں ہوتا۔ آنکھوں سے مشاہدہ ہے۔ یہ ہے برکت، جو اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ اور یہ برکت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب انسان قناعت اختیار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتا ہے۔

دعا کا تیسرا جملہ

اس دعا میں تیسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ:

﴿وَاخْلُفْ عَلٰى كُلِّ غَائِبَةٍ لِّيْ مِنْكَ بِخَيْرٍ﴾

یعنی اے اللہ! جن چیزوں کے بارے میں میرا دل چاہتا تھا کہ وہ چیزیں مجھے مل جائیں، مگر نہیں ملیں۔ اے اللہ مجھے ان کے بدلے میں اور بہتر چیزیں عطا فرما جو آپ کے نزدیک بہتر ہوں۔ گویا کہ اس دعا میں تین جملے ارشاد فرمائے۔ پہلے جملے میں فرمایا کہ "قناعت دیدیجئے۔ دوسرے میں برکت دیدیجئے اور جن چیزوں کے بارے میں میرا دل چاہتا تھا کہ مجھے ملیں مگر نہیں ملیں۔ آپ نے اپنی تقدیر اور فیصلے سے مجھے عطا نہیں فرمائیں۔ تو ظاہر ہے کہ اس میں ضرور کوئی حکمت ہوگی۔ اے اللہ ان کے بدلے میں وہ چیز دیدیجئے جو آپ کے نزدیک میرے حق میں بہتر ہو۔ مثلاً دل چاہتا تھا کہ میرے پاس کار ہو۔ مگر نہیں ملی تو اے اللہ! جب آپ نے مجھے

خواہش کے باوجود کار نہیں دی تو یقیناً اس میں کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت ہوگی۔ اے اللہ! اس کے بدلے میں وہ چیز دیدیجئے جو آپ کے نزدیک بہتر ہو۔ اگر انسان کے حق میں یہ تین دعائیں قبول ہوجائیں کہ قناعت مل جائے جو کچھ ملا ہے اس میں برکت حاصل ہوجائے اور جو نہیں ملا اس کا نعم البدل مل جائے تو پھر دنیا کے اندر اور کیا چاہئے۔

قناعت بڑی دولت ہے

یہ قناعت بڑی دولت ہے۔ اس سے بڑی دولت کوئی اور چیز نہیں۔ آج لوگ روپے پیسے کو دولت سمجھتے ہیں۔ کوٹھی، بنگلے کو اور مال و اسباب کو دولت سمجھتے ہیں۔ یاد رکھئے۔ ان میں سے کوئی چیز دولت نہیں۔ اصل دولت "قناعت" ہے۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ﴾ (صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب الغنی غنی النفس)

یعنی سامان کی کثرت اور مالداری کا نام غنی نہیں ہے بلکہ نفس کے غنی کا نام "مالداری" ہے کہ انسان کا دل بے نیاز ہو۔ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے۔ کسی کے سامنے اپنی حاجت ظاہر نہ کرے اور ناجائز طریقوں سے دولت جمع کرنے کی فکر نہ کرے۔ بس جو کچھ ملا ہوا ہے۔ اس پر مطمئن ہو اور جو کچھ نہیں ملا اس پر یہ اطمینان ہو کہ وہ میرے حق میں بہتر نہیں تھا۔ اگر میرے حق میں بہتر ہوتا تو ملتا۔ نہیں ملا اللہ تعالیٰ کے نزدیک میرے لئے اسی میں بہتری ہوگی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور قناعت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک فرشتہ آتا ہے اور عرض

کرتا ہے کہ آپ حکم کریں تو یہ احد پہاڑ آپ کے لئے سونے کا بنادیا جائے اور یہ سارا سونا آپ کی ملکیت ہو۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمادیا کہ نہیں۔ ایسا نہ کریں کیونکہ میں تو اس طرح زندگی گزارنا چاہتا ہوں کہ کھانا مل جائے تو شکر کر کے کھالوں اور اگر نہ ملے تو صبر کروں تاکہ شکر کی نعمت بھی حاصل ہو جائے اور صبر کی نعمت بھی حاصل ہو جائے اور مال کی زیادتی مجھے مطلوب نہیں۔ مجھے تو ایسا "غنیٰ" چاہئے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرانے والا ہو۔ چنانچہ یہ دعا بھی فرمائی:

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنْ کُلِّ غِنیً یُّطْغِیْنِیْ﴾

"یعنی اے اللہ، میں ایسی مالداری سے پناہ مانگتا ہوں جو مجھے سرکش بنادے"۔

خلاصہ

خلاصہ عرض کرنے کا یہ ہے کہ یہ احادیث دو چیزوں کا سبق دے رہی ہیں۔ ایک یہ کہ جو کچھ ملا ہوا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی عادت ڈالو۔ چھوٹی سے چھوٹی نعمت جو بظاہر دیکھنے میں چھوٹی معلوم ہو رہی ہے۔ اس پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور ناشکری سے بچو۔ تھوڑی دیر کے لئے سوچا کرو کہ اللہ تعالیٰ کی کیا کیا نعمتیں اس وقت میرے اُوپر برس رہی ہیں۔ میرا وجود، میری زندگی، میری سانسوں کی آمدورفت میری آنکھیں، میرے کان، میرے دانت، میرا منہ، میرے ہاتھ، میرے پاؤں۔ یہ سب نعمتیں اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کر رکھی ہیں۔ یہ ایسی نعمتیں ہیں کہ اگر ان میں سے ایک نعمت بھی چھن جائے تو لاکھوں روپے خرچ کرنے کے باوجود حاصل نہ ہوں۔ صحت، عافیت، گھر، گھر والے، سکون، آرام، راحت ان سب نعمتوں کا تصور کر کے ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ دوسرا سبق یہ ملا کہ دنیا کے معاملے میں اپنے سے اُوپر والے کو مت دیکھو، بلکہ نیچے والے کو دیکھو، اور دین کے معاملے میں

اپنے سے اُوپر والے کو دیکھو۔ اور تیسرا سبق یہ ملا کہ جو کچھ ملا ہوا ہے۔ اس پر "قناعت" اختیار کرلو۔ لیکن قناعت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جائز تدبیر بھی اختیار مت کرو۔ اس لئے کہ جائز تدبیر اختیار کرنے سے کوئی منع نہیں کرتا۔ مثلاً تجارت کررہا ہے تو تجارت کرے۔ ملازمت کررہا ہے تو ملازمت کرے۔ زراعت کررہا ہے تو زراعت کرے لیکن اس جائز تدبیر کے نتیجے میں حلال طریقے سے جو کچھ مل رہا ہے اس پر مطمئن ہوجائے اور اس پر قناعت اختیار کرلے اور یہ نہ سوچے کہ جو میں نے منصوبہ بنایا ہے اس میں جائز طریقے سے تو کم مل رہا ہے۔ لہٰذا ناجائز طریقے سے زیادہ حاصل کرلوں۔ ایسا نہ کرے بلکہ قناعت اختیار کرے کیونکہ قناعت کے بغیر گزار نہیں۔ اور ساتھ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اے اللہ! مجھے قناعت عطا فرمادیجئے اور جو کچھ آپ نے نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ اس میں برکت عطا فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اپنے فضل سے یہ دولت عطا فرمادے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

دُوسروں کو تکلیف مت دیجئے

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب : دوسروں کو تکلیف مت دیجئے۔
مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی
وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب
اصلاحی خطبات : جلد نمبر ہشتم
صفحات : ۳۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دوسروں کو تکلیف مت دیجئے

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھدان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ --- صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔ اما بعد!

﴿عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ﴾ (ترمذی، کتاب الایمان، باب نمبر۱۲)

وہ حقیقی مسلمان نہیں

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ یعنی نہ اس کی زبان سے کسی کو تکلیف پہنچے، اور نہ اس کے

ہاتھ سے کسی کو تکلیف پہنچے۔ گویا کہ اس حدیث میں مسلمان کی پہچان بتائی کہ مسلمان کہتے ہی اس کو ہیں جس میں یہ صفت پائی جائے۔ لہٰذا جس مسلمان کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے لوگ محفوظ نہ رہیں، حقیقت میں وہ شخص مسلمان کہلانے کا مستحق ہی نہیں۔ جیسے ایک شخص نماز نہیں پڑھتا تو اس کے نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے کوئی مفتی اس پر کفر کا فتویٰ تو نہیں لگائے گا کہ یہ شخص چونکہ نماز نہیں پڑھتا، لہٰذا یہ کافر ہوگیا۔ لیکن حقیقت میں وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں۔ اس لئے کہ وہ اللہ کے بتائے ہوئے سب سے اہم فریضے کو انجام نہیں دے رہا ہے۔ اسی طرح جس شخص کے ہاتھ اور زبان سے لوگوں کو تکلیف پہنچے تو اس پر بھی اگرچہ مفتی کفر کا فتویٰ نہیں لگائے گا۔ لیکن وہ حقیقت میں مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں۔ اس لئے کہ وہ مسلمانوں والا کام نہیں کر رہا ہے۔ یہ اس حدیث کا مطلب ہے۔

"معاشرت" کا مطلب

اسلام کے پانچ شعبے ہیں: ① عقائد۔ ② عبادات۔ ③ معاملات، ④ اخلاق، ⑤ معاشرت۔ یہ حدیث درحقیقت اسلام کے ان پانچ شعبوں میں سے ایک شعبے یعنی "معاشرت" کی بنیاد ہے۔ "معاشرت" کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں کوئی بھی انسان تنہا نہیں رہتا، اور نہ ہی تنہا رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور جب وہ دنیا میں رہتا ہے تو اس کو کسی نہ کسی سے واسطہ پڑتا ہے، گھر والوں سے واسطہ، دوستوں سے واسطہ، پڑوسیوں سے، بازار والوں سے، اور جس جگہ پر وہ کام کرتا ہے وہاں کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جب دوسروں سے واسطہ پڑے تو ان کے ساتھ کس طرح معاملہ کرنا چاہئے؟ کیسا رویہ اختیار کرنا چاہئے؟ اس کو "معاشرت" کے احکام کہا جاتا ہے یہ بھی دین کے پانچ بڑے شعبوں میں میں سے ایک بڑا شعبہ ہے، لیکن ہماری نادانی اور بے عملی کی وجہ سے دین کا یہ شعبہ بالکل نظر انداز ہو کر رہ گیا ہے، اور اس کو دین کا حصہ ہی نہیں سمجھا جاتا اور اس کے

بارے میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام عطا فرمائے ہیں ان کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔

معاشرت کے احکام کی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے بھی "معاشرت" کے احکام بیان کرنے کا بہت اہتمام فرمایا ہے، مثلاً معاشرت کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ جب کسی دوسرے شخص کے گھر میں جاؤ تو اندر داخل ہونے سے اس سے اجازت لو کہ میں اندر آسکتا ہوں یا نہیں؟ اس اجازت لینے کو عربی زبان میں "استئذان" کہا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے "استئذان" کے احکام بیان کرنے کے لئے قرآن کریم میں پورے دو رکوع نازل فرمائے۔ جب کہ دوسری طرف قرآن کریم میں نماز پڑھنے کا حکم شاید باسٹھ جگہ آیا ہے۔ لیکن نماز کس طرح پڑھی جائے؟ اس کی تفصیل قرآن کریم نے نہیں بتائی۔ بلکہ اس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کرنے پر چھوڑ دیا۔ لیکن استئذان کی تفصیل کو قرآن کریم نے خود بیان فرمایا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کرنے پر نہیں چھوڑا، اس کے علاوہ قرآن کریم میں سورۃ الحجرات کا ایک بہت بڑا حصہ معاشرتی احکام کے بیان پر مشتمل ہے۔ لہٰذا ایک طرف تو معاشرتی احکام کی اتنی اہمیت ہے۔ لیکن دوسری طرف ہماری روز مرہ کی زندگی میں ہم نے ان احکام پر عمل کو چھوڑ رکھا ہے اور ان احکام کا خیال نہیں کرتے۔

حضرت تھانویؒ کا معاشرت کے احکام کو زندہ کرنا

اللہ تعالیٰ نے حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے اس دور میں دین کی تجدید کا کام لیا، دین کے وہ ابواب جو لوگوں نے پس پشت ڈال دئے تھے، اور دین سے ان کو خارج ہی کردیا تھا، آپ نے ان کی اہمیت بتائی، اور اس کے بارے میں لوگوں کو احکام بتائے، اور اپنی خانقاہ میں اس کی

عملی تربیت کا اہتمام فرمایا ــــ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے تھے کہ خانقاہ اس کو کہتے ہیں جس میں حجروں کے اندر بیٹھ کر لوگ اللہ اللہ کر رہے ہوں اور اپنے ذکر و تسبیح اور عبادات میں مشغول ہوں۔ اس کے آگے کچھ نہ ہو ــــ لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خانقاہ میں ذکرو تسبیح اور نوافل پر اتنا زور نہیں دیا، جتنا آپ نے معاشرت کے اس مسئلے پر زور دیا کہ اپنی ذات سے کسی دوسرے انسان کو تکلیف نہ پہنچے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو طالبین اپنی اصلاح کے لئے آتے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی بارے میں مجھے یہ اطلاع ملتی ہے کہ جو معمولات اس کو بتائے گئے تھے وہ ان میں کوتاہی کرتا ہے۔ مثلاً دس تسبیح کے بجائے وہ پانچ تسبیحات پڑھتا ہے تو اس اطلاع سے رنج تو ہوتا ہے کہ اس کو ایک طریقہ بتایا گیا تھا۔ اس نے اس پر کیوں عمل نہیں کیا۔ لیکن جب کسی کے بارے میں مجھے یہ اطلاع ملتی ہے کہ اس نے "معاشرت" کے احکام میں سے کسی حکم کی خلاف ورزی ہے۔ اور اس نے اپنی ذات سے دوسرے مسلمان کو تکلیف پہنچائی ہے تو مجھے اس شخص سے نفرت ہوجاتی ہے۔

پہلے انسان تو بن جاؤ

اسی طرح حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مشہور جملہ ہے۔ وہ یہ کہ اگر تمہیں صوفی بننا ہے۔ یا عابد زاہد بننا ہے تو اس مقصد کے لئے بہت ساری خانقاہیں کھلی ہیں، وہاں چلے جاؤ، اگر انسان بننا ہے تو یہاں آجاؤ، اس لئے کہ یہاں تو انسان بنایا جاتا ہے۔ مسلمان بننا اور عالم بننا اور صوفی بننا تو بعد کی بات ہے اونچے درجے کی بات ہے، ارے پہلے انسان تو بن جاؤ۔ اور پہلے جانوروں کی صف سے نکل جاؤ ــــ اور انسان اس وقت تک انسان نہیں بنتا جب تک اس کو اسلامی معاشرت کے آداب نہ آتے ہوں، اور ان پر عمل نہ کرتا ہو۔

جانوروں کی تین قسمیں

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تین قسم کے جانور پیدا فرمائے ہیں۔ جانوروں کی ایک قسم وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ شاذو نادر ہی کبھی ان سے نقصان پہنچتا ہو۔ مثلاً گائے۔ بکری وغیرہ ہے یہ جانور ایسے ہیں جو دودھ کے ذریعہ تمہیں فائدہ پہنچاتے ہیں جب دودھ دینا بند کردے گی تو تم اس کو کاٹ کر اس کا گوشت کھالوگے۔ اور اس طرح تمہیں فائدہ پہنچانے کے لئے اپنی جان دے دیں گے۔ اور یہ جانور نقصان نہیں پہنچاتے —— جانوروں کی دوسری قسم وہ ہے جو تکلیف ہی پہنچاتے ہیں۔ اور ان کا فائدہ بظاہر کچھ نہیں ہے۔ مثلاً سانپ، بچھو، درندے وغیرہ یہ سب موذی جانور ہیں، جب کسی انسان سے ملیں گے تو اس کو تکلیف دیں گے۔ ڈنگ ماریں گے —— جانوروں کی تیسری قسم وہ ہے جو نہ تکلیف دیتے ہیں، اور نہ ہی فائدہ پہنچاتے ہیں جیسے جنگل میں رہنے والے جانور لومڑی گیدڑ وغیرہ، نہ ان سے انسان کو کوئی خاص فائدہ پہنچتا ہے، اور نہ کوئی خاص نقصان پہنچتا ہے —— جانوروں کی ان تین قسموں کو بیان کرنے کے بعد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ انسان سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ اے انسان! تو اشرف المخلوقات ہے اور سارے حیوانات پر تجھے فضیلت دی گئی ہے۔ تو اگر انسان نہیں بنتا بلکہ جانور بننا چاہتا ہے تو کم از کم پہلی قسم کا جانور بن جا، جو دوسروں کو جائدہ تو پہنچاتے ہیں۔ اور نقصان نہیں پہنچاتے۔ جیسے گائے بکری وغیرہ، اور اگر تو اس سے بھی نیچے آنا چاہتا ہے تو تیسری قسم کا جانور بن جا، جو نہ نقصان پہنچاتے ہیں اور نہ فائدہ پہنچاتے ہیں۔ اور اگر تو نے دوسروں کو فائدہ کے بجائے نقصان پہنچانا شروع کردیا تو پھر سانپ بچھو اور درندوں کی قسم میں داخل ہو جائے گا۔

ہم نے انسان دیکھے ہیں

بہر حال! مسلمان غیر مسلم کی بات بعد کی ہے۔ عالم غیر عالم اور عابد غیر عابد کی بات تو بہت بعد کی ہے۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ انسان انسان بن جائے۔ اور انسان بننے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسلامی معاشرت کو اختیار کرے، اور اس کی ذات سے کسی دوسرے کو ادنیٰ تکلیف نہ پہنچے، اس کے ہاتھ سے، نہ اس کی زبان سے، اور نہ اس کے کسی فعل سے کوئی تکلیف پہنچے۔ ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے غایت تواضع سے فرمایا کہ پکے اور پورے سو فیصد انسان تو ہم بھی نہیں بن سکے، لیکن ـــ الحمد للہ ـــ انسانوں کو دیکھ لیا ہے کہ انسان کیسا ہوتا ہے، اور کوئی بیل آکر ہمیں دھوکہ نہیں دے سکتا ـــ کہ میں انسان ہوں لہذا اگر کبھی انسان بننا چاہیں گے، تو انشاء اللہ انسان ہی بنیں گے اور انسان کے دھوکے میں بیل نہیں بنیں گے۔

دوسروں کو تکلیف سے بچالو

دیکھئے: نوافل مستحبات ذکر واذکار اور تسبیحات کا معاملہ یہ ہے کہ اگر کرو گے تو انشاء اللہ آخرت میں اس کا ثواب ملے گا، اور اگر نہیں کرو گے تو آخرت میں یہ پکڑ نہیں ہوگی کہ فلاں نفل کیوں نہیں پڑھی؟ ذکر واذکار کیوں نہیں کیا تھا؟ البتہ یہ سب فضیلت والے کام ہیں۔ ضرور کرنے چاہئیں، اور کرنے پر آخرت میں ثواب ملے گا۔ لیکن نہ کرنے پر گرفت نہیں ہوگی ـــ دوسری طرف اگر تمہاری ذات سے دوسرے کو تکلیف پہنچ گئی تو یہ گناہ کبیرہ ہوگیا، اب اس کی آخرت میں پکڑ ہوجائے گی کہ ایسا کام کیوں کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی وقت نوافل میں اور اسلام کے معاشرتی احکام میں تعارض ہوجائے یا تو نوافل پڑھ لو، یا اس معاشرتی حکم پر عمل کرتے ہوئے دوسرے کو تکلیف سے بچالو تو اس صورت میں شریعت کا حکم یہ ہے

کہ نوافل کو چھوڑ دو، اور اس معاشرتی حکم پر عمل کرلو۔

نماز باجماعت کی اہمیت

دیکھئے: مردوں کو مسجد میں جماعت کے ساتھ فرض نماز پڑھنے کی سخت تاکید فرمائی گئی ہے، یہاں تک کہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ کسی دن ایسا کروں کہ جب جماعت کا وقت آجائے تو کسی کو امام بنا کر خود باہر جاؤں، اور گھروں میں جاکر دیکھوں کہ کون کون لوگ مسجد میں نہیں آئے بلکہ گھر میں بیٹھے رہے، پھر ان کے گھروں کو آگ لگادوں، اس لئے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس فریضے میں کوتاہی کر رہے ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ جماعت سے نماز پڑھنے کی کتنی تاکید ہے چنانچہ بعض فقہاء نے جماعت سے نماز پڑھنے کو سنت مؤکدہ فرمایا ہے۔ لیکن دوسرے بعض فقہاء نے جماعت سے نماز پڑھنے کو واجب قرار دیا ہے، اور جماعت سے نماز ادا کرنا اداء کامل ہے اور تنہا ادا کرنا اداء ناقص ہے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اس کی تاکید اور اہمیت کا اس طرح اظہار فرمایا کہ مرض وفات میں جب کہ آپ کے لئے چلنا مشکل تھا۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آپ نے امام بنا دیا تھا۔ اس وقت بھی آپ نے دو آدمیوں کا سہارا لے کر جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں تشریف لائے ـــ اس سے جماعت سے نماز پڑھنے کی سخت تاکید معلوم ہوتی ہے۔

ایسے شخص کے لئے مسجد میں آنا جائز نہیں

لیکن دوسری طرف تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہے جو لوگوں کے لئے گھن کا باعث ہوتی ہے، جس کی وجہ سے بدبو آتی ہے، ایسے شخص کو مسجد میں جاکر جماعت سے نماز پڑھنا جائز نہیں، اور صرف یہ نہیں کہ جماعت سے نماز پڑھنے کا حکم اس سے ساقط ہوگیا، بلکہ جماعت سے نماز

پڑھنا جائز ہی نہیں اگر جماعت سے نماز پڑھے گا تو گناہ گار ہوگا، اس لئے کہ اگر وہ مسجد میں جماعت سے نماز پڑھے گا تو اس کے پاس کھڑے ہونے والوں کو بدبو سے تکلیف ہوگی ـــــ دیکھئے جماعت جیسی اہم عبادت کو صرف لوگوں کو تکلیف سے بچانے کے لئے چھڑا دیا گیا۔

حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت تکلیف دینا

حجر اسود کی فضیلت اور اہمیت کون مسلمان نہیں جانتا، اور فرمایا گیا کہ حجر اسود کو بوسہ دینا ایسا ہے جیسے اللہ جل شانہ سے مصافحہ کرنا اور حجر اسود کو بوسہ دینا انسان کے گناہوں کو جھاڑ دیتا ہے، اور خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ صحابہ اکرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دیا۔ یہ اس کی فضیلت کی بات ہے۔ لیکن دوسری طرف یہ فرمادیا کہ اگر حجر اسود کو بوسہ دینے کے لئے اگر دھکا دینا پڑے، اور اس کے نتیجے میں دوسرے کو تکلیف پہنچ جانے کا اندیشہ ہو تو پھر اس وقت حجر اسود کو بوسہ دینا جائز نہیں۔ بلکہ گناہ ہے ـــــ آپ دیکھتے جائیں کہ شریعت اس بات کا کتنا اہتمام کرتی ہے کہ دوسروں کو اپنی ذات سے ادنیٰ برابر بھی تکلیف پہنچنے سے بچایا جائے ـــــ جب اتنی اہم چیزوں کو صرف اس لئے چھڑایا جارہا ہے کہ اپنی ذات سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے تو پھر نوافل اور مستحبات کے ذریعہ دوسروں کو تکلیف پہنچانا کہاں سے جائز ہوگا؟

بلند آواز سے تلاوت کرنا

مثلاً تلاوت قرآن کریم ایک عبادت ہے یہ اتنی اہم عبادت ہے کہ ایک حرف پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، گویا کہ تلاوت کے وقت نیکیوں کا خزانہ جمع ہوجاتا ہے، اور فرمایا کہ سارے اذکار اور تسبیحات میں سب سے افضل ترین قرآن کریم تلاوت ہے، اور تلاوت میں افضل یہ ہے کہ بلند آواز سے کی جائے۔ آہستہ آواز کے

مقابلے میں بلند آواز سے تلاوت کرنے پر زیادہ ثواب ملتا ہے۔ لیکن اگر تمہاری تلاوت کی وجہ سے کسی کی نیند یا آرام میں خلل آرہا ہو تو پھر بلند آواز سے تلاوت کرنا جائز نہیں۔

تہجد کے وقت آپ ﷺ کے اٹھنے کا انداز

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے، ساری عمر کبھی تہجد کی نماز نہیں چھوڑی، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر آسانی فرماتے ہوئے تہجد کی نماز واجب نہیں فرمائی۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر تہجد کی نماز واجب تھی۔ آپ نے کبھی تہجد کی نماز قضا نہیں فرمائی، لیکن حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب آپ تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے، تو آہستہ سے اٹھتے اور آہستگی سے دروازہ کھولتے کہ کہیں میرے اس عمل کی وجہ سے میری بیوی کی آنکھ نہ کھل جائے، اور ان کی نیند خراب نہ ہوجائے ــــ سارا قرآن اور حدیث اس بات سے بھرا ہوا ہے کہ اپنی ذات سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچائے، اور قدم قدم پر شریعت نے اس کا اہتمام کیا ہے۔

لوگوں کی گزرگاہ میں نماز پڑھنا

ایسی جگہ پر نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہونا جو لوگوں کے گزرنے کی جگہ ہے۔ جائز نہیں۔ بعض لوگ اس کا بالکل خیال نہیں کرتے، پوری مسجد خالی پڑی ہے، مگر پچھلی صف میں جاکر نماز کے لئے کھڑے ہوگئے، اور نیت باندھ لی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گزرنے والا آیا تو اس کے پیچھے سے لمبا چکر کاٹ کر جائے یا نمازی کے سامنے سے گزرنے کے گناہ کا ارتکاب کرے۔ اس طریقے سے نماز پڑھنا جائز نہیں، بلکہ گناہ ہے۔

''مسلم'' میں سلامتی داخل ہے

بہرحال! حدیث شریف میں فرمایا: المسلم من سلم المسلون من لسانہ ویدہ یعنی مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ اور سالم رہیں، لفظ ''المسلم'' کا مادہ ہے ''س ل م'' اور لفظ ''سلامتی'' بھی اسی مادے سے اور انہی حروف سے مل کر بنا ہے، گویا اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ ''مسلمان'' کے لفظ کے اندر سلامتی لفظ داخل ہے۔

السلام علیکم کا مفہوم

دوسرے مذاہب کے لوگ جب آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو کوئی ''ہیلو'' کہتا ہے۔ کوئی گڈ نائٹ۔ اور کوئی گڈ مارننگ کہتا ہے اور کوئی ''نمستے'' کوئی ''آداب'' کہتا ہے۔ مختلف لوگوں نے ملاقات کے وقت دوسرے کو مخاطب کرنے کے لئے مختلف الفاظ اختیار کر رکھے ہیں۔ لیکن اسلام نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ جب دوسرے سے ملاقات کرو تو یہ کہو ''السلام علیکم'' جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ تم پر سلامتی ہو ـــــ ایک طرف تو اس میں سلامتی کی دعا ہے، جبکہ دوسرے کلمات کہنے میں کوئی دعا نہیں ہے۔ اس وجہ سے سننے والے مخاطب کو ان الفاظ کے ذریعہ کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ لیکن جب آپ نے ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہم'' کہا تو آپ نے مخاطب کو تین دعائیں دے دیں، یعنی تم پر اللہ کی سلامتی نازل ہو، تم پر اللہ کی رحمت نازل ہو، اور برکت نازل ہو۔ اگر ایک مرتبہ کا سلام بھی دوسرے مسلمان کے حق میں اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوجائے تو ساری زندگی کا بیڑہ پار ہوجائے ـــــ اور اس سلام کے ذریعہ دوسرا سبق یہ سکھا دیا کہ دو آدمیوں کے ملنے کے وقت جو چیز سب سے زیادہ مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ اس کی طرف سے اس کے اوپر سلامتی ہو اور اس کی ذات سے اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اور مسلمان ملاقات کے وقت سب سے پہلے یہ

پیغام دیدے کہ میں تمہارے لئے سلامتی بن کر آیا ہوں، میں تمہارے لئے عذاب اور تکلیف بن کر نہیں آیا ہوں۔

زبان سے تکلیف نہ دینے کا مطلب

پھر اس حدیث میں دو لفظ استعمال فرمائے، ایک "من لسانہ" اور ایک دوسرا "ویدہ" یعنی دوسرے مسلمان دو چیزوں سے محفوظ رہیں، ایک اس کی زبان سے، اور دوسرے اس کے ہاتھ سے۔ زبان سے محفوظ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کوئی ایسا کلمہ نہ کہے جس سے سننے والے کا دل ٹوٹے، اور اس کو تکلیف پہنچے۔ اس کی دل آزاری ہو ــــ اگر بالفرض دوسرے مسلمان کی کسی بات پر تنقید کرنی ہے تو بھی ایسے الفاظ استعمال کرے جس سے اس کی دل آزاری بالکل نہ ہو، یا کم سے کم ہو۔ مثلاً اس سے یہ کہدیں کہ آپ کی فلاں بات مجھے اچھی نہیں لگی، یا آپ فلاں بات پر غور کرلیں، وہ بات اصلاح کے لائق ہے، اور شریعت کے مطابق نہیں ہے۔ لیکن کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے اس کی بدگوئی ہو، مثلاً گالی گفتار اختیار کرنا، یا گالی گفتار سے بڑھ کر طعنہ دینا ــــ "طعنہ" کا مطلب یہ ہے کہ براہ راست تو کوئی بات نہیں کی۔ لیکن لپیٹ کر بات کہدی، اور یہ طعنہ ایسی چیز ہے جو دلوں میں زخم ڈال دیتا ہے، عربی شاعر کا ایک شعر ہے:

جراحات السنان لها التیام
ولا یلتام ماجرح اللسان

یعنی نیزے کا زخم بھرجاتا ہے۔ لیکن زبان کا زخم نہیں بھرتا۔ اس لئے اگر کسی کی کوئی بات آپ کو ناگوارہ ہے تو صاف صاف اس سے کہہ دو کہ فلاں بات آپ کی مجھے پسند نہیں۔ قرآن کا ارشاد ہے:

﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْ اتَّقُوْا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِیْداً﴾ (سورۃ الاحزاب: ۷۰)

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کرو۔ لپٹی ہوئی بات مطلوب اور پسندیدہ نہیں —— آجکل فقرہ بازی ایک فن بن گیا ہے، فقرہ بازی کا مطلب یہ ہے کہ ایسی بات کی جائے کہ دوسرا شخص سن کر تلملاتا ہی رہ جائے۔ براہ راست اس سے وہ بات نہیں کہی۔ بلکہ لپیٹ کر کہہ دی۔ ایسی باتیں کرنے والوں کی لوگ خوب تعریف بھی کرتے ہیں کہ یہ شخص تو بڑا زبردست انشاء پرداز ہے، اور بڑا لطیف مذاق کرنے والا ہے۔

طنز کا ایک عجیب واقعہ

ایک شخص نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کسی کتاب کے جواب میں ایک مقالہ لکھا۔ اور اس مقالے میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ پر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ العیاذ باللہ۔ حضرت والا کے ایک مخلص معتقد تھے، انہوں نے اس کے جواب میں فارسی میں دو شعر کہے، وہ اشعار ادبی اعتبار سے آجکل کے طنز کے مذاق کے لحاظ سے بہت اعلیٰ درجے کی اشعار تھے، وہ اشعار یہ تھے۔

مرا کافر گر گفتی غمے نیست
چراغ کذب را نبود فروغے

مسلمانت بخوانم در جوابش
دورغے را جزا باشد دورغے

یعنی مجھے اگر تم نے کافر کہا ہے تو مجھے کوئی غم نہیں ہے، کیونکہ جھوٹ کا چراغ کبھی جلا نہیں کرتا۔ تم نے مجھے کافر کہا، میں اس کے جواب میں تمہیں مسلمان کہتا ہوں، اس لئے کہ جھوٹ کا بدلہ جھوٹ ہی ہو سکتا ہے —— یعنی تم نے مجھے کافر کہہ کر جھوٹ بولا، اس کے جواب میں میں تمہیں مسلمان کہہ کر جھوٹ بول رہا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ درحقیقت تم مسلمان نہیں ہو۔ اگر یہ جواب کسی ادیب اور ذوق

رکھنے والے شاعر کو سنایا جائے تو وہ اس پر خوب داد دے گا۔ اور اس کو پسند کرے گا۔ اس لئے کہ چبھتا ہوا جواب ہے۔ اس لئے کہ دوسرے شعر کے پہلے مصرعے میں یہ کہہ دیا کہ میں تمہیں مسلمان کہتا ہوں۔ لیکن دوسرے مصرعے نے اس بات کو بالکل الٹ دیا۔ یعنی جھوٹ کا بدلہ تو جھوٹ ہی ہوتا ہے، تم نے مجھے کافر کہہ کر جھوٹ بولا۔ میں تمہیں مسلمان کہہ کر جھوٹ بولتا ہوں ـــــ بہر حال یہ اشعار لکھ حضرت کے جو معتقد تھے وہ حضرت والا کی خدمت میں لائے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ اشعار سنے تو فرمایا کہ تم نے اشعار تو بہت غضب کے کہے اور بڑا چبھتا ہوا جواب دے دیا۔ لیکن میاں تم نے لپیٹ کر اس کو کافر کہہ تو دیا۔ اور ہمارا یہ طریقہ نہیں ہے کہ دوسروں کو کافر کہیں، چنانچہ وہ اشعار نہیں بھیجے۔

پھر حضرت والا نے خود ان اشعار کی اصلاح فرمائی۔ اور ایک شعر کا اضافہ فرمایا، چنانچہ فرمایا کہ:

مرا کافر گر گفتی غمے نیست
چراغ کذب را نبود فروغے
مسلمانت بخوانم در جوابش
دھم شکر بجائے تلخ دوغے
اگر تو مؤمنی فبھا والا
دروغے را جزا باشد دروغے

یعنی اگر تم نے مجھے کافر کہا ہے تو مجھے اس کا کوئی غم نہیں ہے اس لئے کہ جھوٹ کا چراغ جلا نہیں کرتا۔ میں اس کے جواب میں تمہیں مسلمان کہتا ہوں، اور کڑوی دوا کے مقابلے میں تمہیں شکر کھلاتا ہوں۔ اگر تم مؤمن ہو تو بہت اچھا ہے، اور اگر نہیں ہو تو پھر جھوٹ کی جزا جھوٹ ہی ہوتی ہے ـــــ اب دیکھئے: وہ مخالف جو آپ پر کفر کا فتویٰ لگا رہا ہے۔ جہنمی ہونے کا فتویٰ لگا رہا ہے، اس کے خلاف بھی طنز کا ایسا فقرہ کہنا بھی پسند نہیں فرمایا جو حدود سے نکلا ہوا تھا، اس لئے کہ یہ طنز تو یہاں

دنیا میں رہ جائے گا، لیکن جو لفظ زبان سے نکل رہا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ریکارڈ ہو رہا ہے، قیامت کے روز اس کے بارے میں جواب دینا ہوگا کہ فلاں کے حق میں یہ لفظ کس طرح استعمال کیا تھا؟ لہٰذا طنز کا یہ طریقہ جو حدود سے نکل جائے، کسی طرح بھی پسندیدہ نہیں۔ لہٰذا جب کسی سے کوئی بات کہنی ہو تو صاف اور سیدھی بات کہہ دینی چاہئے۔ لپیٹ کر بات نہیں کہنی چاہئے۔

زبان کے ڈنک کا ایک قصہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بعض لوگوں کی زبان میں ڈنگ ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسے لوگ جب بھی کسی سے بات کریں گے۔ ڈنک ماریں گے، اور طعنہ اور طنز کی بات کریں گے۔ یا کسی پر اعتراض کی بات کریں گے۔ حالانکہ اس انداز سے بات کرنے سے دل میں گرہیں پڑجاتی ہیں۔ پھر ایک قصہ سنایا کہ ایک صاحب کسی عزیز کے گھر میں گئے تو دیکھا ان کی بہو بہت غصے میں ہے، اور زبان سے اپنی ساس کو برا بھلا کہہ رہی تھی۔ اور ساس بھی پاس بیٹھی ہوئی تھی، ان صاحب نے اس کی ساس سے پوچھا کہ کیا بات ہوگئی؟ اتنا غصہ اس کو کیوں آرہا ہے؟ جواب میں ساس نے کہا: بات کچھ بھی نہیں تھی۔ میں نے صرف دو بول بولے تھے، اس کی خطاء میں پکڑی گئی۔ اور اس کے نتیجے میں یہ ناچی ناچی پھر رہی ہے، اور غصہ کر رہی ہے۔ ان صاحب نے پوچھا کہ وہ دو بول کیا تھے؟ ساس نے کہا کہ میں نے تو صرف یہ کہا تھا کہ باپ تیرا غلام اور ماں تیری لونڈی، بس اس کے بعد سے یہ ناچی ناچی پھر رہی ہے — اب دیکھئے: وہ صرف دو بول تھے۔ لیکن ایسے دو بول تھے جو انسان کے اندر آگ لگانے والے تھے۔ لہٰذا طعنہ کا انداز گھروں کو برباد کرنے والا ہے دلوں میں بغض اور نفرتیں پیدا کرنے والا ہے۔ اس سے بچنا چاہئے۔ اور ہمیشہ صاف اور سیدھی بات کہنی چاہئے۔

پہلے سوچو پھر بولو

زبان کو استعمال کرنے سے پہلے ذرا سوچ لیا کرو کہ جو بات میں کہنے جارہا ہوں۔ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اور دوسرے پر اس کا کیا اثر پڑے گا، اور یہ سوچ لیا کرو کہ جو بات میں دوسرے سے کہنے جارہا ہوں۔ اگر دوسرا شخص مجھ سے یہ بات کہتا تو اس کا مجھ پر کیا اثر ہوتا، مجھے اچھا لگتا یا برا لگتا، حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تعلیم دی اور یہ اصول بتادیا کہ:

﴿اَحِبَّ لِلنَّاسِ مَاتُحِبُّ لِنَفْسِکَ﴾

(ترمذی، کتاب الزہد، باب من اتقی، المحارم فھوا عبدالناس)

یعنی دوسرے کے لئے وہی بات پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو — اور یہ جو ہم نے دو پیمانے بنا رکھے ہیں کہ اپنے لئے الگ پیمانہ دوسرے کے لئے الگ پیمانہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خاتمہ فرمادیا۔ اگر یہ ترازو اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں پیدا فرمادے تو پھر یہ سارے جھگڑے اور فسادات ختم ہوجائیں۔

زبان ایک عظیم نعمت

یہ زبان اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں مفت میں دے رکھی ہے، اس کی قیمت ہمیں ادا نہیں کرنی پڑی، اور پیدائش کے وقت سے لے کر موت تک یہ سرکاری مشین چلتی رہتی ہے۔ لیکن اگر خدا نخواستہ یہ نعمت چھن جائے تب اس نعمت کی قدر معلوم ہوگی کہ یہ کتنی عظیم نعمت ہے، اگر فالج ہو جائے۔ اور زبان بند ہوجائے تو اس وقت یہ حال ہوتا ہے کہ بولنا چاہتے ہیں، اور اپنے دل کی بات دوسروں سے کہنا چاہتے ہیں، لیکن زبان نہیں چلتی۔ اس وقت پتہ چلتا ہے کہ یہ گویائی کی طاقت کتنی عظیم نعمت ہے۔ لیکن ہم لوگ صبح سے لے کر شام اس زبان کو قینچی کی طرح چلا رہے ہیں، اور یہ نہیں سوچتے کہ زبان سے کیا لفظ نکل رہا ہے۔

یہ طریقہ ٹھیک نہیں، بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے تولو، پھر بولو۔ اگر اس طریقہ پر ہم نے عمل کر لیا تو پھر یہ زبان جو ہمارے لئے جہنم میں جانے کے اسباب پیدا کر رہی ہے۔ انشاء اللہ جنت میں جانے کے اسباب پیدا کرنے والی اور آخرت کا ذخیرہ جمع کرنے والی بن جائے گی۔

سوچ کر بولنے کی عادت ڈالیں

ایک حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کو سب سے زیادہ جہنم میں اوندھے منہ ڈالنے والی چیز زبان ہے۔ یعنی جہنم میں اوندھے منہ گرائے جانے کا سب سے بڑا سبب زبان ہے ۔۔۔ اس لئے جب بھی اس زبان کو استعمال کرو۔ استعمال کرنے سے ذرا سا سوچ لیا کرو ۔۔۔ کسی کے ذہن میں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو جب کوئی ایک جملہ بولنا ہو تو پہلے پانچ منٹ تک سوچے، پھر زبان سے وہ جملہ نکالے تو اس صورت میں بہت وقت خرچ ہو جائے گا؟ بات دراصل یہ ہے کہ اگر شروع شروع میں انسان بات سوچ سوچ کر کرنے کی عادت ڈال لے تو پھر آہستہ آہستہ اس کا عادی ہو جاتا ہے۔ اور پھر سوچنے میں دیر نہیں لگتی۔ ایک لمحہ میں انسان فیصلہ کر لیتا ہے کہ یہ بات زبان سے نکالوں یا نہ نکالوں۔ پھر اللہ تعالیٰ زبان کے اندر ہی ترازو پیدا فرما دیتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں زبان سے پھر صرف حق بات نکلتی ہے۔ غلط اور ایسی بات زبان سے نہیں نکلتی جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والی ہو۔ اور دوسروں کو تکلیف پہنچانے والی ہو۔ بشرطیکہ یہ احساس پیدا ہو جائے کہ اس سرکاری مشین کو آداب کے ساتھ استعمال کرنا ہے۔

حضرت تھانویؒ کا ایک واقعہ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم تھے۔ جن کو "بھائی نیاز" کہا کرتے تھے۔ بڑے ناز پرور دہ خادم تھے، اس لئے

آنے والے لوگ بھی ان سے محبت کرتے تھے۔ اور چونکہ خانقاہ کے اندر ہر چیز کا ایک نظم اور وقت ہوتا تھا۔ اس لئے آنے والوں پر روک ٹوک بھی کیا کرتے تھے کہ یہ کام مت کرو۔ یہ کام اس طرح کرو وغیرہ ـــــ کسی شخص نے حضرت والا کے پاس ان کی شکایت کی کہ آپ کے یہ خادم بھائی نیاز صاحب بہت سرچڑہ گئے ہیں، اور بہت سے لوگوں پر غصہ اور ڈانٹ ڈپٹ شروع کردیتے ہیں حضرت والا کو یہ سن کر غصہ آیا کہ یہ ایسا کرتے ہیں، اور ان کو بلوایا، اور ان کو ڈانٹا کہ کیوں بھائی نیاز، یہ کیا تمہاری حرکت ہے۔ ہر ایک کو تم ڈانٹتے رہتے ہو، تمہیں ڈانٹنے کا حق کس نہ دیا ہے؟ جواب میں بھائی نیاز نے کہا کہ حضرت! اللہ سے ڈرو، جھوٹ نہ بولو ـــــ ان کا مقصد حضرت والا کو کہنا نہیں تھا، بلکہ مقصد یہ تھا کہ جو لوگ آپ سے شکایت کر رہے ہیں، ان کو چاہیئے کہ وہ اللہ سے ڈریں اور جھوٹ نہ بولیں ـــــ جس وقت حضرت والا نے بھائی نیاز کی زبان سے یہ جملہ سنا۔ اسی وقت گردن جھکائی اور "استغفر اللہ استغفر اللہ" کہتے ہوئے وہاں سے چلے گئے ـــــ دیکھنے والے حیران رہ گئے کہ یہ کیا ہوا۔ ایک ادنیٰ خادم نے حضرت والا سے ایسی بات کہدی۔ لیکن حضرت نے بجائے ان کو کچھ کہنے کے استغفراللہ کہتے ہوئے چلے گئے ـــــ بعد میں خود حضرت والا نے فرمایا کہ دراصل مجھ سے غلطی ہوگئی تھی کہ میں نے ایک طرف کی بات سن کر فوراً ڈانٹنا شروع کردیا تھا۔ مجھے چاہیئے تھا کہ میں پہلے ان سے پوچھتا کہ لوگ آپ کے بارے میں یہ شکایت کر رہے ہیں۔ آپ کیا کہتے ہیں کہ شکایت درست ہے یا غلط ہے۔ اور دوسرے فریق کی بات سنے بغیر ڈانٹنا شریعت کے خلاف ہے۔ چونکہ یہ بات شریعت کے خلاف تھی، اس لئے میں اس پر استغفار کرتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ حق و باطل کو جانچنے کی ترازو پیدا فرمادیتے ہیں۔ اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ اس کا کوئی کلمہ حد سے متجاوز نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی فہم عطا فرمادے۔ آمین۔

غیر مسلموں کو بھی تکلیف پہنچانا جائز نہیں

اس حدیث میں فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، اس سے بعض اوقات لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس حدیث میں صرف مسلمانوں کو تکلیف سے محفوظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا غیر مسلم کو تکلیف پہنچانے کی ممانعت اس حدیث میں موجود نہیں ــــ یہ بات درست نہیں کیونکہ حدیث میں مسلمان کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ مسلمان جس ماحول میں رہتے ہیں وہاں پر عام طور پر مسلمانوں ہی سے ان کو واسطہ پڑتا ہے۔ اس لئے خاص طور پر حدیث میں مسلمانون کا ذکر کر دیا ہے۔ ورنہ یہ حکم مسلمان اور غیر مسلم سب کے لئے برابر ہے کہ اپنی ذات سے غیر مسلم کو بھی حالت امن میں تکلیف پہنچانا جائز نہیں۔ البتہ اگر کافروں کے ساتھ جہاد ہو رہا ہو، اور حالت جنگ ہو، تو چونکہ وہ تو کافروں کی شان و شوکت توڑنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس میں تکلیف پہنچانا جائز ہے۔ لیکن جن کافروں کے ساتھ حالت جنگ نہیں ہے۔ ان کافروں کو تکلیف پہنچانا بھی اسی حکم میں داخل ہے۔

ناجائز ہونے کی دلیل

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی حکومت میں مصر میں رہتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ پوری قوم کفر اور گمراہی میں مبتلا تھی۔ اس وقت یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک اسرائیلی اور قبطی میں جھگڑا ہو گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو ایک مکا مار دیا، جس کے نتیجے میں اس کی موت واقع ہو گئی۔ وہ قبطی اگرچہ کافر تھا۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی موت کو اپنے لئے گناہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

﴿لَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنَ﴾ (سورة الشعراء: ۱۴)

یعنی مجھ سے ان کا ایک گناہ ہو گیا ہے۔ جس کی وجہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں ان کے پاس جاؤں گا تو وہ مجھے قتل کردیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کافر کے قتل کو گناہ سے تعبیر کیا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ تو کافر تھا۔ اور کافر کو قتل کرنا تو جہاد کا ایک حصہ ہے۔ پھر آپ نے اس کو گناہ کیوں قرار دیا، اور اس پر استغفار کیوں کیا؟ —— جواب یہ ہے کہ وہ قبطی اگرچہ کافر تھا، اور حالت امن تھی، اور اگر مسلمان اور کافر ایک ساتھ رہائش پزیر ہوں۔ اور حالت امن ہو، اس حالت میں کافر کا بھی دنیا کے اعتبار سے وہی حق ہے۔ جو مسلمان کا ہے۔ یعنی جس طرح مسلمان کو تکلیف پہنچانا جائز نہیں۔ اسی طرح کافر کو بھی تکلیف پہنچانا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ انسانیت کا حق ہے، اور انسان کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ آدمی بنے۔ مسلمان بننا اور صوفی بننا تو بعد کی بات ہے، پہلا کام یہ ہے کہ انسان آدمی بن جائے۔ اور آدمیت کا حق یہ ہے کہ اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ دے۔ اس میں مسلمان اور غیر مسلم سب برابر ہیں۔

وعدہ خلافی کرنا زبان سے تکلیف دینا ہے

بعض کام ایسے ہیں جن کو لوگ زبان کے ذریعہ تکلیف دینے کے اندر شمار نہیں کرتے، حالانکہ وہ کام زبان سے تکلیف دینے کے حکم میں داخل ہیں، مثلاً وعدہ خلافی کرنا۔ آپ نے کسی سے یہ وعدہ کرلیا کہ فلاں وقت آپ کے پاس آؤں گا۔ یا فلاں وقت میں آپ کا کام کردوں گا۔ لیکن وقت پر وعدہ پورا نہیں کیا۔ جس کے نتیجے میں اس کو تکلیف پہنچی، اس میں ایک طرف تو وعدہ خلافی کا گناہ ہوا۔ دوسری طرف دوسرے شخص کو تکلیف پہنچانے کا بھی گناہ ہوا۔ یہ زبان سے تکلیف پہنچانے کے حکم میں داخل ہے۔

تلاوت قرآن کے وقت سلام کرنا

بعض اوقات انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ میں زبان سے تکلیف پہنچا رہا ہوں، بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ میں تو ثواب کا کام کر رہا ہوں، لیکن حقیقت میں وہ گناہ کام کر رہا ہوتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ دوسرے کو تکلیف پہنچاتا ہے، مثلاً سلام کرنا کتنی بڑی فضیلت اور ثواب کا کام ہے۔ لیکن شریعت نے دوسرے کی تکلیف کا اتنا خیال کیا ہے کہ سلام کرنے کے بھی احکام مقرر فرمادیئے کہ ہر وقت سلام کرنا جائز نہیں، بلکہ بعض مواقع پر سلام کرنے پر ثواب کے بجائے گناہ ہوگا۔ کیونکہ سلام کے ذریعہ تم نے دوسرے کو تکلیف پہنچائی ہے۔ مثلاً ایک شخص قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول ہے، اس کو سلام کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ ایک طرف تو تمہارے سلام کی وجہ سے اس کی تلاوت میں رخنہ ہوگا۔ اور دوسری طرف اس کو تلاوت چھوڑ کر تمہاری طرف مشغول ہونے میں تکلیف ہوگی۔ اب ایسے وقت کے اندر سلام کرنا زبان سے تکلیف پہنچانے میں داخل ہے۔ اسی طرح اگر لوگ مسجد میں بیٹھ کر ذکر میں مشغول ہوں، ان کو مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا رشتہ جڑا ہوا ہے۔ اس کی زبان پر ذکر جاری ہے۔ تمہارے سلام کی وجہ سے اس کے ذکر میں خلل واقع ہوگا، اور اس کو توجہ ہٹانے میں تکلیف بھی ہوگی۔

مجلس کے دوران سلام کرنا

فقہاکرام نے لکھا ہے کہ ایک شخص دوسرے لوگوں سے کوئی لمبی بات کر رہا ہے۔ اور دوسرے لوگ توجہ سے اس کی بات سن رہے ہیں۔ اگرچہ وہ دنیاوی باتیں ہوں: اس حالت میں بھی اس مجلس میں جاکر سلام کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ وہ لوگ باتیں سننے میں مصروف تھے۔ آپ نے سلام کے ذریعہ ان کی باتوں میں خلل

ڈال دیا۔ اور جس کی وجہ سے باتوں کے درمیان میں بدمزگی پیدا ہوگئی۔ اس لئے اس موقع پر سلام کرنا جائز نہیں ــــ اس لئے حکم ہے کہ جب تم کسی مجلس میں شرکت کے لئے جاؤ اور وہاں پر بات شروع ہو چکی ہو تو وہاں پر سلام کے بغیر بیٹھ جاؤ، اس وقت سلام کرنا زبان سے تکلیف پہنچانے کے مرادف ہوگا۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ شریعت اس بارے میں کتنی حساس ہے کہ دوسرے شخص کو ہماری ذات سے ادنیٰ تکلیف نہ پہنچے۔

کھانا کھانے والے کو سلام کرنا

ایک شخص کھانا کھانے میں مشغول ہے، اس وقت اس کو سلام کرنا حرام تو نہیں۔ البتہ مکروہ ضرور ہے جب کے یہ اندیشہ ہو کہ تمہارے سلام کے نتیجے میں اس کو تشویش ہوگی۔ اب دیکھئے کہ وہ تو کھانا کھانے میں مشغول ہے، نہ تو وہ عبادت کر رہا ہے، نہ ذکر کرنے میں مشغول ہے، اگر تم سلام کرلوگے تو اس پر پہاڑ نہیں ٹوٹ پڑے گا۔ لیکن سلام کے نتیجے میں اس کو تشویش ہونے اور اس کو ناگوار ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے اس وقت سلام نہ کرے ــــ اس طرح ایک شخص اپنے کسی کام کے لئے تیزی سے جارہا ہے، آپ کو اندازہ ہوا کہ یہ شخص بہت جلدی میں ہے، آپ نے آگے بڑھ کر اس کو سلام کرلیا، اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ یہ آپ نے اچھا نہیں کیا۔ اس لئے کہ آپ کو اس کی تیزی سے اندازہ لگانا چاہئے تھا کہ یہ شخص جلدی میں ہے۔ یہ سلام کرنے اور مصافحہ کرنے کا مناسب وقت نہیں ہے۔ ایسے وقت میں اس کو سلام نہ کرو، بلکہ اس کو جانے دو۔ یہ سب باتیں زبان کے ذریعہ تکلیف پہنچانے میں داخل ہیں۔

ٹیلیفون پر لمبی بات کرنا

میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اب ایذاء رسانی کا ایک

آلہ بھی ایجاد ہو چکا ہے۔ وہ ہے "ٹیلیفون" یہ ایک ایسا آلہ ہے کہ اس کے ذریعہ جتنا چاہو دوسرے کو تکلیف پہنچادو، چنانچہ آپ نے کسی کو ٹیلیفون کیا اور اس سے لمبی گفتگو شروع کردی اور اس کا خیال نہیں کیا کہ وہ شخص اس وقت کسی کام کے اندر مصروف ہے۔ اس کے پاس وقت ہے یا نہیں — میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے "معارف القرآن" میں یہ بات لکھی ہے کہ ٹیلیفون کرنے کے آداب میں یہ بات داخل ہے کہ اگر کسی سے لمبی بات کرنی ہو تو پہلے اس سے پوچھ لو کہ مجھے ذرا لمبی بات کرنی ہے، چار پانچ منٹ لگیں گے۔ اگر آپ اس وقت فارغ ہوں تو ابھی بات کرلوں۔ اور اگر فارغ نہ ہوں تو کوئی مناسب وقت بتادیں، اس وقت بات کرلوں گا۔ سورۃ نور کی تفسیر میں یہ آداب لکھے ہیں، دیکھ لیا جائے، اور خود حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ان پر عمل فرمایا کرتے تھے۔

باہر کے لاؤڈ اسپیکر پر تقریر کرنا

یا مثلاً آپ کو مسجد کے اندر چند افراد سے کچھ بات کرنی ہے، اور ان تک آواز پہنچانے کے لئے مسجد کے اندر کا لاؤڈ اسپیکر بھی کافی ہو سکتا تھا۔ لیکن آپ نے باہر کا بھی لاؤڈ اسپیکر بھی کھول دیا۔ جس کے نتیجے میں پورے علاقے اور پورے محلے کے لوگوں تک آواز پہنچ رہی ہے۔ اب محلے میں کوئی شخص اپنے گھر کے اندر تلاوت کرنا چاہتا ہے۔ یا ذکر کرنا چاہتا ہے۔ یا سونا چاہتا ہے، یا کوئی شخص بیمار ہے۔ وہ آرام کرنا چاہتا ہے۔ مگر آپ نے زبردستی اپنا وعظ پورے محلے والوں پر مسلط کردیا۔ یہ عمل بھی زبان کے ذریعہ تکلیف پہنچانے میں داخل ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے کا ایک واقعہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایک صاحب مسجد نبوی میں آکر وعظ کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حجرہ مسجد نبوی سے

بالکل متصل تھا، اگرچہ اس زمانے میں لاؤڈ اسپیکر نہیں تھا۔ مگر وہ صاحب بلند آواز سے وعظ کرتے تھے۔ ان کی آواز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے اندر پہنچتی، آپ اپنی عبادات تلاوت ذکر واذکار یا دوسرے کاموں میں مشغول ہوتیں اور ان صاحب کی آواز سے آپ کو تکلیف پہنچتی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیغام بھجوایا کہ یہ ایک صاحب اس طرح میرے حجرے کے قریب آکر وعظ کرتے ہیں، مجھے اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ وعظ کسی اور جگہ پر جاکر کریں، یا آہستہ آواز سے کریں ـــــ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان صاحب کو بلایا، اور ان کو سمجھایا کہ آپ کی آواز سے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تکلیف ہوتی ہے، آپ اپنا وعظ اس جگہ پر بند کردیں۔ چنانچہ وہ صاحب رک گئے۔ مگر وہ صاحب وعظ کے شوقین تھے۔ چند روز کے بعد دوبارہ وعظ کہنا شروع کر دیا، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع ملی کہ انہوں نے دوبارہ وعظ کہنا شروع کردیا ہے۔ آپ نے دوبارہ ان کو بلایا، اور فرمایا کہ اب میں تم کو آخری مرتبہ منع کر رہا ہوں۔ اب اگر آئندہ مجھے اطلاع ملی کہ تم نے یہاں آکر وعظ کہا ہے تو یہ لکڑی کی چھری تمہارے اوپر توڑ دوں گا۔ یعنی اتنا ماروں گا کہ تمہارے اوپر یہ لکڑی ٹوٹ جائے گی۔

آج ہماری حالت

آج ہم لوگ اس کا بالکل خیال نہیں کرتے۔ مسجد میں وعظ ہو رہا ہے اور سارے محلے والوں کو عذاب کے اندر مبتلا کر رکھا ہے۔ لاؤڈ اسپیکر فل آواز میں کھلا ہوا ہے۔ محلے میں کوئی شخص سو نہیں سکتا۔ اگر کوئی شخص جاکر منع کرے تو اس کے اوپر طعن تشنیع شروع ہوجاتی ہے کہ یہ دین کے کام میں رکاوٹ ڈالنے والا ہے۔ حالانکہ اس وعظ کے ذریعہ شریعت کے حکم کو پامال کیا جارہا ہے۔ دوسروں کو تکلیف پہنچائی جارہی ہے ـــــ حتیٰ کہ عالم کے آداب میں یہ لکھا ہے کہ "ینبغی

للعالم ان لايبعد وصوته مجلسه" عالم کی آواز اس کی مجلس سے دور نہ جائے۔ یہ سب باتیں زبان سے تکلیف پہنچانے میں داخل ہیں ـــــ یہ زبان اللہ تعالیٰ نے اس لئے دی ہے کہ یہ اللہ کا ذکر کرے، یہ زبان سچائی کی باتیں کرے۔ یہ زبان اس لئے دی گئی ہے کہ اس کے ذریعہ تم لوگوں کے دلوں پر مرہم رکھو، یہ زبان اس لئے نہیں دی گئی ہے کہ اس کے ذریعہ تم لوگوں کو تکلیف پہنچاؤ۔

وہ عورت دوزخی ہے

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک خاتون کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ خاتون سارے دن روزہ رکھتی ہیں۔ اور ساری رات عبادت کرتی ہے۔ لیکن وہ خاتون اپنی پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے، وہ خاتون کیسی ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ وہ عورت دوزخی ہے جہنم میں جائے گی۔ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اس کی تشریح میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اس حدیث میں اس کی شناعت ہے کہ لوگوں کو ناحق ایذا دی جاوے، اور اس معاملات کا عبادت پر مقدم ہونا بھی مذکور ہے" یعنی لوگوں کے ساتھ برتاؤ میں درستگی عبادات کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ معاملات کا باب عملاً اتنا متروک ہو گیا ہے کہ آج کوئی شخص دوسرے کو یہ نہ سمجھاتا ہے اور نہ سکھاتا ہے کہ یہ بھی دین کا ایک حصہ ہے۔

ہاتھ سے تکلیف مت دیجئے

دوسری چیز جس کا ذکر اس حدیث میں فرمایا۔ وہ ہے "ہاتھ" یعنی تمہارے ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ اب ہاتھ سے تکلیف پہنچنے کی بعض صورتیں تو ظاہر ہیں۔ مثلاً کسی کو مار دیا۔ ہر شخص دیکھ کر یہ کہے گا کہ اس نے ہاتھ کے ذریعہ تکلیف پہنچائی ـــــ لیکن ہاتھ سے تکلیف پہنچانے کی بہت سی صورتیں ایسی ہیں کہ لوگ

ان کو ایذا دینے کے اندر شمار نہیں کرتے۔ حالانکہ ہاتھ سے ایذا دینے کی بھی بے شمار صورتیں ہیں۔ اور حدیث شریف میں "ہاتھ" کا ذکر کر کے ہاتھ سے صادر ہونے والے افعال کی طرف اشارہ کیا ہے، کیونکہ زیادہ تر افعال انسان اپنے ہاتھ سے انجام دیتا ہے، اسی وجہ سے علماء نے ہاتھ کے ذکر میں تمام افعال داخل کئے ہیں۔ چاہے اس فعل میں براہ راست ہاتھ ملوث نظر نہ آرہا ہو۔

کسی چیز کو بے جگہ رکھنا

مثلاً ایک مشترک رہائش میں آپ دوسرے لوگوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ اس مکان میں کسی مشترکہ استعمال کی چیز کی ایک جگہ مقرر ہے، مثلاً تولیہ رکھنے کی ایک جگہ مقرر ہے۔ آپ نے تولیہ استعمال کرنے کے بعد اس کو بے جگہ ڈال دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب دوسرا شخص وضو کر کے آیا، اور تولیہ کو اس کی جگہ پر تلاش کیا اور اس کو نہ ملا، اب وہ تولیہ ڈھونڈ رہا ہے، اس کو تکلیف ہو رہی ہے۔ یہ جو تکلیف اس کو پہنچی، یہ آپ کے ہاتھ کی کرتوت کا نتیجہ ہے کہ آپ نے وہ تولیہ اس کی صحیح جگہ سے اٹھا کر بے جگہ ڈال دیا۔ یہ اذیت رسانی ہوئی جو کہ اس حدیث کے تحت حرام ہے یہ تولیہ کی ایک مثال دی، ورنہ چاہے مشترک لوٹا ہو۔ یا صابن ہو یا گلاس ہو یا جھاڑو وغیرہ ہو، ان کو اپنی مقرر جگہ سے اٹھا کر بے جگہ رکھنا ایذا رسانی میں داخل ہے۔

یہ گناہ کبیرہ ہے

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ ہمیں یہ چھوٹی چھوٹی باتیں سکھا گئے۔ جب ہم چھوٹے تھے تو ہم بھی یہ حرکت کرتے تھے کہ ایک چیز اس کی جگہ سے اٹھا کر استعمال کی۔ اور دوسری جگہ لے جا کر ڈال دی، جب ان کو ضرورت ہوتی تو وہ گھر کے اندر تلاش کرتے رہتے۔ ایک دن ہم لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ جو حرکت کرتے ہو کہ

ایک چیز اٹھا کر دوسری جگہ ڈال دی۔ یہ بد اخلاقی تو ہے ہی، اس کے ساتھ ساتھ یہ گناہ کبیرہ بھی ہے، اس لئے کہ اس عمل کے ذریعہ مسلمان کو تکلیف پہنچانا ہے، اور ایذاء مسلم گناہ کبیرہ ہے۔ اس دن ہمیں پتہ چلا کہ یہ بھی دین کا حکم ہے، اور یہ بھی گناہ کبیرہ ہے، ورنہ اس سے پہلے اس کا احساس بھی نہیں تھا۔ یہ سب باتیں ہاتھ سے تکلیف پہنچانے میں داخل ہیں۔

اپنے عزیز اور بیوی بچوں کو تکلیف دینا

ایک بات یہ بھی سمجھ لیں کہ مشترک رہائش میں یہ ضروری نہیں ہے کہ جن لوگوں کے ساتھ رہائش پزیر ہیں وہ اجنبی ہوں۔ بلکہ اپنے قریبی رشتہ دار، بیوی، بچے، بہن بھائی سب اس میں داخل ہیں۔ آج ہم لوگ اپنے ان قریبی رشتہ داروں کو تکلیف پہنچنے کا احساس نہیں کرتے۔ بلکہ یہ سوچتے ہیں کہ اگر ہمارے عمل سے بیوی کو تکلیف پہنچ رہی ہے تو پہنچا کرے۔ یہ ہماری بیوی ہی تو ہے، یا اولاد کو یا بہن بھائی کو تکلیف پہنچ رہی ہے تو پہنچا کرے۔ ہماری اولاد ہی تو ہیں، ہمارے بہن بھائی تو ہیں ـــــ ارے اگر وہ تمہاری بہن یا تمہارا بھائی بن گیا ہے تو اس نے آخر کیا خطا کرلی ہے؟ یا کوئی خاتون تمہاری بیوی بن گئی ہے۔ یا یہ بچے تمہاری اولاد بن گئے ہیں تو انہوں نے کیا خطا کرلی ہے کہ اب ان کو تم تکلیف پہنچارہے ہو۔ حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ حال تھا کہ تہجد کے وقت صرف اس خیال سے ہر کام بہت آہستہ آہستہ کرتے کہ کہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ نہ کھل جائے۔ لہٰذا جس طرح غیروں کو تکلیف پہنچانا حرام ہے۔ اسی طرح اپنے گھر والوں کو اپنے بہن بھائیوں کو اپنے بیوی بچوں کو بھی تکلیف پہنچانا حرام ہے۔

اطلاع کئے بغیر کھانے کے وقت غائب رہنا

مثلاً آپ گھر والوں کو بتا کر چلے گئے کہ فلاں وقت آکر کھانا کھاؤں گا۔ لیکن اس

کے بعد اطلاع کئے بغیر کہیں اور چلے گئے۔ اور کھانا بھی وہیں کھالیا۔ اور وہاں پر گھنٹوں گزار دیے۔ اور وقت پر گھر واپس نہیں پہنچے۔ اور گھر پر آپ کی بیوی کھانے پر آپ کا انتظار کر رہی ہے۔ اور پریشان ہو رہی ہے کہ کیا وجہ پیش آگئی کہ واپس نہیں آئے، کھانا لئے بیٹھی ہے ـــــ آپ کا یہ عمل گناہ کبیرہ ہے۔ اس لئے کہ آپ نے اس عمل کے ذریعہ ایک ایسی ذات کو تکلیف پہنچائی جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات سے وابستہ کردیا تھا۔ آپ کو اگر کھانا کسی اور جگہ کھانا تھا کہ آپ اس کو اطلاع کرکے اس کے ذہن کو فارغ کردیتے۔ اس کو انتظار اور پریشانی کی تکلیف میں مبتلا نہ کرتے۔ لیکن آج ہم لوگ اس بات کا دھیان نہیں کرتے، اور یہ سوچتے ہیں کہ وہ تو ہماری بیوی ہی تو ہے، ہماری ماتحت ہے۔ اگر انتظار کر رہی ہے تو کرے۔ حالانکہ یہ عمل گناہ کبیرہ اور حرام ہے اور ایذاء مسلم ہے۔

راستے کو گندہ کرنا حرام ہے

یا مثلاً سڑک پر چلتے ہوئے آپ نے چھلکا یا گندگی سڑک پر پھینک دی، اب اس کی وجہ سے کسی کا پاؤں پھسل جائے۔ یا کسی کو تکلیف پہنچ جائے تو قیامت کے روز آپ کی پکڑ ہو جائے گی۔ اور اگر اس سے تکلیف نہ بھی پہنچی، لیکن آپ نے کم از کم گندگی تو پھیلا دی۔ اس گندگی پھیلانے کا گناہ آپ کو ہوگا ـــــ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر ہوتے اور سفر کے دوران آپ کو راستہ میں کہیں پیشاب کرنے کی ضرورت پیش آتی تو آپ پیشاب کرنے کے لئے مناسب جگہ کی تلاش کے لئے آپ اتنی ہی جستجو فرماتے جتنا ایک آدمی مکان بنانے کے لئے مناسب جگہ تلاش کرتا ہے۔ ایسا کیوں کرتے؟ اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگوں کی گزرگاہ ہو، اور وہاں گندگی کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف پہنچے ـــــ ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کے ستر سے زیادہ شعبے ہیں، جن میں سے ایمان کا اعلا ترین شعبہ کلمہ "لاالہ الا

اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ" کہنا اور ادنیٰ ترین شعبہ ایمان کا یہ ہے کہ راستے سے گندگی کو اور تکلیف دینے والی چیز کو دور کر دینا ہے۔ مثلاً راستے میں کوئی کانٹا یا چھلکا پڑا ہوا ہے۔ آپ نے اٹھا کر اس کو دور کر دیا۔ تاکہ گزرنے والے کو تکلیف نہ ہو، یہ ایمان کا ادنیٰ درجے کا شعبہ ہے۔ لہٰذا جب راستے سے تکلیف دینے والی چیز کو دور کرنا ایمان کا شعبہ ہو تو پھر راستے میں تکلیف دینے والی چیز ڈالنا کفر کا شعبہ ہو گا۔ ایمان کا شعبہ نہ ہو گا۔ یہ سب باتیں اس حدیث کے تحت داخل ہیں۔

ذہنی تکلیف میں مبتلا کرنا حرام ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں زبان اور ہاتھ کے ذریعہ ظاہری افعال کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ لیکن اگر آپ نے اپنی زبان یا ہاتھ سے کوئی ایسا کام کیا جس سے دوسرے کو ذہنی تکلیف ہوئی تو وہ اس حدیث میں داخل ہے۔ مثلاً آپ نے کسی سے قرض لیا اور اس سے یہ وعدہ کر لیا کہ اتنے دنوں کے اندر ادائیگی کر دوں گا۔ اب اگر آپ وقت پر ادائیگی نہیں کر سکتے تو اس کو بتا دیں کہ میں فی الحال ادائیگی نہیں کر سکتا۔ اتنے دن کے بعد ادا کروں گا۔ پھر بھی ادا نہ کر سکو تو پھر بتا دو۔ لیکن یہ ٹھیک نہیں ہے کہ آپ اس کو لٹکا دیں۔ اور اس کا ذہن الجھا دیں۔ وہ بیچارہ انتظار میں ہے کہ آپ آج قرض کر دیں گے۔ یا کل دے دیں گے۔ لیکن آپ نہ تو اس کو اطلاع دیتے ہیں۔ اور نہ قرض واپس کرتے ہیں، اس طرح آپ نے اس کو ذہنی اذیت اور تکلیف میں مبتلا کر دیا۔ اب وہ نہ تو کوئی پلان بنا سکتا ہے، نہ وہ کوئی منصوبہ بندی کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس کو پتہ ہی نہیں ہے کہ اس کو قرض واپس ملے گا یا نہیں؟ اگر ملے گا تو کب تک ملے گا۔ آپ کا یہ طرز عمل بھی ناجائز اور حرام ہے۔

ملازم پر ذہنی بوجھ ڈالنا

حتیٰ کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک فرمایا کہ آپ کا ایک نوکر اور ملازم ہے۔ اب آپ نے چار کام ایک ساتھ بتا دیے کی پہلے یہ کام کرو۔ پھر یہ کام، پھر یہ کام کرنا۔ پھر یہ کام کرنا۔ اس طرح آپ نے چار کاموں کو یاد رکھنے کا بوجھ اس کے ذہن پر ڈال دیا، اگر ایسا کرنا بہت ضروری نہیں ہے تو ایک ساتھ چار کاموں کا بوجھ اس کے ذہن پر نہیں ڈالنا چاہیئے۔ بلکہ اس کو پہلے ایک کام بتا دو۔ جب وہ پہلا کام کر چکے تو اب دوسرا کام بتایا جائے، وہ اس کو کر چکے تو پھر تیسرا کام بتایا جائے۔ چنانچہ خود اپنا طریقہ بتایا کہ میں اپنے نوکر کو ایک وقت میں ایک کام بتاتا ہوں۔ اور دوسرے کام جو اس سے کرانے ہیں ان کو یاد رکھنے کا بوجھ اپنے سر پر رکھتا ہوں۔ نوکر کے سر پر نہیں رکھتا، تاکہ وہ ذہنی بوجھ میں مبتلا نہ ہو جائے، جب وہ ایک کام کر کے فارغ ہو جاتا ہے تو پھر دوسرا کام بتاتا ہوں۔ اس سے اندازہ لگایئے کہ حضرت والا کی نگاہ کتنی دور رس تھی۔

نماز پڑھنے والے کا انتظار کس جگہ کیا جائے؟

یا مثلاً ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے آپ کو اس سے کچھ کام ہے۔ اب آپ اس کے بالکل قریب جا کر بیٹھ گئے۔ اور اس کے ذہن پر یہ فکر سوار کر دی کہ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ تم جلدی سے اپنی نماز پوری کرو تاکہ میں تم سے ملاقات کروں۔ اور کام کراؤں۔ چنانچہ آپ کے قریب بیٹھنے کی وجہ سے اس کی نماز میں خلل واقع ہو گیا۔ اور اس کے دماغ پر یہ بوجھ بیٹھ گیا کہ یہ شخص میرے انتظار میں ہے، اس کا انتظار ختم کرنا چاہیئے۔ اور جلدی سے نماز ختم کر کے اس سے ملاقات کرنی چاہیئے ـــــ حالانکہ یہ بات آداب میں داخل ہے کہ اگر آپ کو کسی ایسے شخص سے ملاقات کرنی ہے جو اس وقت نماز میں مصروف ہے تو تم دور بیٹھ کر اس کے فارغ

ہونے کا انتظار کرو، جب وہ خود سے فارغ ہوجائے تو پھر ملاقات کرو۔ لیکن اس کے بالکل قریب بیٹھ کر یہ تأثر دینا کہ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ لہٰذا تم جلدی نماز پوری کرو۔ ایسا تأثر دینا ادب کے خلاف ہے — یہ سب باتیں دوسرے کو ذہنی تکلیف میں مبتلا کرنے میں داخل ہیں۔ الحمدللہ۔ جن بزرگوں کو ہم نے دیکھا۔ اور جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں دین سیکھنے کی توفیق عطاء فرمائی اللہ تعالیٰ نے ان پر دین کے تمام شعبے برابر رکھے تھے۔ یہ نہیں تھا کہ دین کے ایک یا دو شعبوں پر تو عمل ہے، اور باقی شعبے نظروں سے اوجھل ہیں۔ اور ان کی طرف سے غفلت ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً﴾
(سورۃ البقرۃ:۲۰۸)

یعنی اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ — یہ نہ ہو کہ عبادت نماز روزہ وغیرہ تو کرلئے، لیکن معاشرت، معاملات اور اخلاق میں دین کے احکام کی پرواہ نہ کی، حالانکہ یہ سب دین کا حصہ ہے۔

"آداب المعاشرت" پڑھئے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مختصر سی کتاب ہے "آداب المعاشرت" اس میں معاشرت کے آداب تحریر فرمائے ہیں، یہ کتاب ہر مسلمان کو ضرور پڑھنی چاہیئے۔ اس کتاب کے شروع میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ میں اس کتاب میں معاشرت کے تمام آداب تو نہیں لکھ سکا، بلکہ متفرق طور پر جو آداب ذہن میں آئے وہ اس میں جمع کردیے ہیں تاکہ جب تم ان آداب کو پڑھو گے تو خود بخود تمہارا ذہن اس طرف منتقل ہوگا کہ جب یہ بات ادب میں داخل ہے تو فلاں جگہ پر بھی ہمیں اس طرح کرنا چاہیئے، آہستہ آہستہ خود تمہارے ذہن میں وہ آداب

آتے چلے جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارا ذہن کو کھول دیں گے۔ چنانچہ معاشرت ہی کا ایک ادب یہ ہے کہ گاڑی ایسی جگہ کھڑی کرو کہ اس کی وجہ سے دوسروں کا راستہ بند نہ ہو، اور دوسرے کو تکلیف نہ ہو، یہ بھی دین کا ایک حصہ ہے آج ہم نے ان چیزوں کو بھلا دیا ہے۔ اس کی وجہ سے نہ صرف ہم گناہ گار ہو رہے ہیں، بلکہ دین کی غلط نمائندگی کر رہے ہیں۔ چنانچہ ہمیں دیکھ باہر سے آنے والا شخص یہ کہے گا کہ یہ لوگ نماز تو پڑھتے ہیں، لیکن گندگی بہت پھیلاتے ہیں۔ اور دوسروں کو تکلیف پہنچاتے ہیں، اس سے اسلام کا کیا رخ سامنے آئے گا؟ اور وہ ان چیزوں سے اسلام کی طرف کشش محسوس کرے گا یا اسلام سے دور بھاگے گا؟ اللہ بچائے۔ ہم لوگ دین کا ایک اچھا نمونہ پیش کر کے لوگوں کے لئے کشش کا باعث بننے کے بجائے ہم دین سے رکاوٹ کا باعث بن رہے ہیں۔ معاشرت کے اس باب کو ہم نے خاص طور پر چھوڑ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس کوتاہی سے جلد از جلد نجات عطا فرمائے۔ اور ہماری فہم کو درست فرمائے۔ اور ہمیں دین کے تمام شعبوں پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

گُناہوں کا علاج خوفِ خُدا

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب : گناہوں کا علاج، خوفِ خُدا

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ہشتم

صفحات : ۳۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

گناہوں کا علاج

خوفِ خدا

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره و نؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله صلى الله تعالى عليه وعلى اله واصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيرًا كثيرا۔

امابعد!

فاعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم۔ بسم الله الرحمن الرحيم

﴿ولمن خاف مقام ربه جنّتٰن﴾ (سورۃ رحمٰن: ۴۶)

دو جنّتوں کا وعدہ

جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے کے منظر سے ڈرے، اور اس

بات کا خوف رکھے کہ ایک دن مجھے اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ اور اپنے ایک ایک عمل کا جواب دینا ہے، اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مشہور تابعی بزرگ حضرت مجاھد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں وہ شخص مراد ہے جس کے دل میں کسی بُرائی کے کرنے کا خیال آیا کہ فلاں گناہ کرلوں، لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے اللہ تعالیٰ کا دھیان کرلیا، اور یہ بات یاد آئی کہ مجھے ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا ہے، اس یاد دھانی کے بعد اس نے اس گناہ کے کرنے کا ارادہ ترک کردیا، اور اس گناہ کو چھوڑ دیا۔ تو ایسے شخص کے لئے دو جنّتوں کا وعدہ ہے۔

اس کا نام "تقویٰ" ہے

پھر اسی کی مزید تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک شخص تنہائی میں ہے۔ اور وہاں اس کو کوئی دیکھنے والا نہیں ہے۔ اگر وہاں کوئی گناہ کرنا چاہے تو بظاہر گناہ کرنے میں کوئی رُکاوٹ بھی نہیں ہے۔ اس تنہائی میں اس کے دل میں گناہ کرنے کا داعیہ اور تقاضہ پیدا ہوا۔ لیکن اس تنہائی میں اس نے یہ سوچا کہ اگرچہ کوئی انسان تو مجھے نہیں دیکھ رہا ہے لیکن میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اور ایک دن مجھے اس کے سامنے جاکر کھڑا ہونا ہے۔ اس خیال کے بعد وہ شخص اس گناہ کو ترک کردے تو یہ وہ شخص ہے جس کے لئے اس آیت میں دو جنّتوں کا وعدہ ہے۔ اور اسی کا نام "تقویٰ" ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کا دھیان کرکے اپنی خواہش نفس کے قوی سے قوی اور مضبوط سے مضبوط تقاضے کو چھوڑ دے۔ اور یہ سوچے کہ اگرچہ دنیا نہیں دیکھ رہی ہے لیکن کوئی دیکھنے والا دیکھ رہا ہے۔ اور ساری طریقت اور ساری شریعت کا حاصل بھی یہی ہے کہ یہ خوف دل میں پیدا ہوجائے کہ مجھے اللہ کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص جہنم سے ڈرے، یا عذاب سے ڈرے، یا آگ سے ڈرے، بلکہ فرمایا کہ جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت ہو کہ وہ یہ سوچے کہ چاہے اللہ تعالیٰ اس گناہ پر عذاب دیں یا نہ دیں۔ لیکن میں اس عمل کو لے کر اللہ تعالیٰ کے سامنے کیسے جاؤں گا؟ جس شخص کے دل میں دوسرے کی عظمت ہوتی ہے، اس کو چاہے یہ اندیشہ نہ ہو کہ وہ مجھے مارے گا اور سزا دے گا، لیکن اس کی عظمت کی وجہ سے اس کو یہ خوف ہوتا ہے کہ میں اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام کرکے اس کے سامنے جاکر کیا منہ دکھاؤں گا؟ اس خوف کا نام "تقویٰ" ہے۔

میرے والد ماجدؒ کی میرے دل میں عظمت

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ساری عمر میں ایک دو مرتبہ کے علاوہ کبھی نہیں مارا۔ ایک دو مرتبہ ان کا طمانچہ کھانا یاد ہے، لیکن ان کی شخصیت اور عظمت کا حال یہ تھا کہ ان کے کمرے کے قریب سے گزرتے ہوئے قدم ڈگمگا جاتے تھے کہ ہم کس کے پاس سے گزر رہے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا تھا؟ اس لئے کہ دل میں یہ خیال تھا کہ کہیں ان کی آنکھوں کے سامنے ہمارا کوئی ایسا عمل نہ آجائے جو ان کی شان، ان کی عظمت اور ان کے ادب کے خلاف ہو۔ جب ایک مخلوق کے لئے دل میں یہ عظمت ہو سکتی ہے تو خالق کائنات جو سب کا خالق اور سب کا مالک ہے۔ اس کے لئے دل میں یہ عظمت ضرور ہونی چاہئے کہ آدمی اس بات سے ڈرے کہ میں اس کے سامنے یہ کرتوت اور یہ گناہ کرکے کیسے کھڑا ہوں گا؟ اور اس کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ اسی کے بارے میں اس آیت میں فرمایا:

﴿واما من خاف مقام ربه ونهی النفس عن الهوىٰ﴾ (النازعات)

ڈرنے کی چیز اللہ کی ناراضگی ہے

دیکھئے، جہنم اور عذاب اس لئے ڈرنے کی چیز ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب کا مظہر ہے، ورنہ اصل ڈر اور خوف تو اللہ تعالیٰ کی عظمت کا ہونا چاہئے۔ عربی کا ایک شاعر کہتا ہے ؎

لا تسقنی ماء الحیاۃ بذلۃ
بل فاسقنی بالعز کاس الحنظل

مجھے آبِ حیات بھی ذلیل کر کے مت پلا۔ یعنی میں ذلت اٹھا کر آبِ حیات بھی پینے کے لئے تیار نہیں۔ بلکہ مجھے حنظل کا کڑوا گھونٹ پلا دے، مگر عزت کے ساتھ پلا۔ بہر حال، جو لوگ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہیں وہ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچ جائیں۔ اور چونکہ جہنم اور عذاب اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مظہر ہے، اس لئے اس سے بھی ڈر رہے ہیں۔ ورنہ اصل میں ڈرنے کی چیز اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔

دودھ میں پانی ملانے کا واقعہ

قِصّہ لکھا ہے کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اپنے زمانۂ خلافت میں لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے رات کے وقت گشت کیا کرتے تھے، اگر کسی کے بارے میں پتہ چلتا کہ فلاں شخص فقر و فاقہ کی حالت میں ہے تو اس کی مدد فرماتے، اگر یہ پتہ چلتا کہ فلاں شخص کسی مصیبت کا شکار ہے تو اس سے اس کی مصیبت دور فرماتے، اور اگر کوئی غلط کام کرتا ہوا نظر آتا تو اس کی اصلاح فرماتے۔ ایک دن اسی طرح آپ تہجد کے وقت مدینہ کی گلیوں میں گشت فرما رہے تھے کہ ایک گھر سے دو

عورتوں کی باتیں کرنے کی آواز آئی، آواز سے اندازہ ہوا کہ ایک عورت بوڑھی ہے اور ایک جوان ہے، وہ بوڑھی عورت جوان عورت سے جو اس کی بیٹی تھی یہ کہہ رہی تھی کہ بیٹی! یہ دودھ جو تم نے نکالا ہے اس میں پانی ملا دو تاکہ یہ زیادہ ہوجائے اور پھر اس کو فروخت کردینا۔ بیٹی نے جواب دیا: امیر المؤمنین حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ حکم جاری کیا ہے کہ کوئی دودھ بیچنے والا دودھ میں پانی نہ ملائے۔ اس لئے ہمیں نہیں ملانا چاہئے۔ جواب میں ماں نے کہا کہ بیٹی! امیر المؤمنین یہاں بیٹھے ہوئے تو نہیں ہیں، اگر تم نے پانی ملا دیا تو وہ کونسا تمہیں دیکھ لیں گے، وہ تو اپنے گھر میں ہوں گے۔ اس وقت رات کا اندھیرا ہے، کوئی دیکھنے والا تو ہے نہیں، اس لئے ان کو کیسے پتہ چلے گا کہ تم نے پانی ملادیا ہے۔ جواب میں بیٹی نے کہا: اماں جان! امیر المؤمنین تو نہیں دیکھ رہے ہیں، لیکن امیر المؤمنین کا حاکم یعنی اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ اس لئے میں یہ کام نہیں کروں گی۔

دروازے کے باہر حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ یہ ساری گفتگو سن رہے تھے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے معلومات کرائی کہ یہ کون خاتون ہیں اور یہ بیٹی کون ہیں؟ معلومات کرانے کے بعد اس لڑکی کے ساتھ اپنے بیٹے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح کا پیغام بھیجا، اور اس سے اپنے بیٹے کی شادی کروائی۔ اس نکاح کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس خاتون کے خاندان میں ان کے نواسے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔ جو مسلمانوں کے پانچویں خلیفہ راشد کہلاتے ہیں۔ بہرحال، یہ بات اس لڑکی کے دل میں پیدا ہوئی کہ اگرچہ امیر المؤمنین تو نہیں دیکھ رہے ہیں، لیکن اللہ دیکھ رہا ہے، جبکہ خلوت اور تنہائی ہے اور رات کی تاریکی ہے، کوئی اور دیکھنے والا نہیں ہے.. لیکن اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ بس اسی کا نام "تقویٰ" ہے۔

ایک سبق آموز واقعہ

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ مدینہ منورہ کے باہر کسی علاقے میں گئے، ایک بکریوں کا چرواہا ان کے پاس سے گزرا، جو روزے سے تھا، عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی دیانت کو آزمانے کے لئے اس سے پوچھا کہ اگر تم بکریوں کے اس گلے میں سے ایک بکری ہمیں بیچ دو، تو اس کی قیمت بھی تمہیں دیدیں گے، اور بکری کے گوشت میں سے اتنا گوشت بھی دیدیں گے جس پر تم افطار کرسکو، اس نے جواب میں کہا کہ یہ بکریاں میری نہیں ہیں، میرے آقا کی ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر اس کی ایک بکری گم ہوجائے گی تو وہ کیا کرے گا؟ یہ سنتے ہی چرواھے نے پیٹھ پھیری اور آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر کہا: فَاَیْنَ اللّٰہ ؟ یعنی اللہ کہاں گیا؟ اور یہ کہہ کر روانہ ہوگیا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چرواھے کے اس جملے کو دھراتے رہے، مدینہ منورہ پہنچے تو اس چرواھے کے آقا سے مل کر اس سے بکریاں بھی خرید لیں اور چرواھے کو بھی خرید لیا، پھر چرواھے کو آزاد کردیا، اور ساری بکریاں اس کو تحفے میں دیدیں۔

جرائم ختم کرنے کا بہترین طریقہ

یادرکھئے جب تک دلوں میں یہ احساس پیدا نہیں گا، جو اس چرواھے کے دل میں تھا کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، اس وقت تک دنیا سے جرائم نہیں مٹ سکتے، اور بدعنوانیاں ختم نہیں ہوسکتیں، چاہے جرائم کو ختم کرنے کے لئے پولیس کے پہرے بٹھالو، چاہے کتنے محکمے بنالو، اس لئے کہ یہ پولیس اور یہ محکمے زیادہ سے زیادہ دن کی روشنی میں اور شہر کی آبادی میں لوگوں کو جرم کرنے سے روک دیں گے، لیکن رات کی تاریکی میں اور جنگل کی تنہائی میں جرائم کو روکنے والی صرف ایک چیز ہے، وہ ہے اللہ کا خوف، اس کے علاوہ کوئی چیز نہیں روک سکتی، اور جب یہ خوف دلوں سے رخصت ہوجاتا ہے تو پھر معاشرے کا انجام بہت برا ہوجاتا ہے، چنانچہ آج دیکھ لیجئے کہ جرائم کو روکنے کے لئے پولیس کے اوپر دوسری پولیس اور ایک محکمے کے اوپر دوسرا محکمہ بنایا جارہا ہے، اور قانون پر قانون بنایا جارہا ہے، لیکن وہ قانون آج بازار میں دو دو پیسے میں فروخت ہورہا ہے، حالانکہ عدالتیں اپنی جگہ کام کررہی ہیں، پولیس والے اپنی جگہ کام کررہے ہیں، اور ''محکمہ انسدادِ رشوت ستانی'' قائم ہے، جس پر لاکھوں روپیہ خرچ ہورہا ہے، لیکن دوسری طرف یہ حال ہے کہ رشوت کے ریٹ میں اضافہ ہورہا ہے، اور جو محکمہ رشوت ستانی کے انسداد کے لئے قائم ہوا تھا، وہ خود رشوت ستانی میں مبتلا ہے، کہاں تک یہ محکمے اور

ادارے قائم کرتے جاؤ گے؟ اس لئے کہ ہر قانون اور ہر تدبیر کا توڑ موجود ہے۔ آج تک دنیا میں کوئی ایسا فارمولا ایجاد نہیں ہوا جو جرائم کا خاتمہ کردے۔ ہاں اللہ کا خوف اور آخرت کی فکر ایک ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ جرائم ختم ہو سکتے ہیں اور ظلم رفع ہو سکتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تقویٰ

یہی خوف اور احساس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے دلوں میں پیدا فرمایا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ تھا جب کسی شخص سے کوئی جُرم سرزد ہو جاتا تو وہ بے چین ہو جاتا کہ یہ مجھ سے کیا ہو گیا۔ اور جب تک اپنے اوپر شرعی سزا جاری نہ کرالیتا اور جب تک اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہو کر گڑ گڑا کر معافی اور توبہ نہ کرلیتا، اس وقت تک اس کو چین نہیں آتا تھا۔ چنانچہ مجرم خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اوپر سزا جاری کراتا، اور یہ کہتا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کسی طریقے سے پاک کر دیجئے۔ لہٰذا جب تک دل میں خدا کا خوف اور آخرت کی فکر نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کا احساس نہ ہو، اس وقت تک جرائم دنیا سے ختم نہیں ہو سکتے۔ ان کو ختم کرنے کے لئے جو چاہو تدبیر کرلو۔

ہماری عدالتیں اور مقدّمات

کئی سال سے میرا عدالت سے بھی تعلق رہا ہے۔ قاعدے کی رو سے چوری اور ڈاکے کے جتنے مقدمات ہوتے ہیں، ان کی آخری اپیل ہمارے پاس عدالت میں آنی چاہئے، لیکن شروع کے تین سال اس طرح گزرے کہ اس عرصہ میں چوری اور ڈاکے کا کوئی مقدّمہ ہی نہیں آیا، میں حیران ہو گیا۔ آخر میں نے معلوم کرایا کہ ہمارے یہاں چوری اور ڈاکے کے کتنے مقدمات اس عرصے میں آئے۔ تو پتہ چلا کہ

صرف تین یا چار مقدمات آئے۔ میں نے کہا کہ اگر کوئی شخص یہ اعداد و شمار دیکھے کہ اس ملک میں تین سال کے عرصے میں سپریم کورٹ کے اندر چوری اور ڈاکے کے صرف تین چار مقدمات آئے ہیں تو وہ یہ سمجھے گا کہ یہ تو فرشتوں کی بستی ہے، اور یہاں امن و امان کا دور دورہ ہے۔ اور دوسری طرف اگر اخبار پڑھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ چوری اور ڈاکے کے پچاسیوں کیس روزانہ ہو رہے ہیں۔ تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ چوری اور ڈاکے کے یہ سارے کیس نیچے ہی نیچے طے ہو جاتے ہیں، اور مقدمہ کے اوپر آنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔

ایک عبرت آموز واقعہ

تین سال کے بعد ایک ڈاکے کا جو مقدمہ میرے پاس آیا، وہ یہ تھا کہ ایک شخص "کویت" میں نوکری کرتا تھا۔ چھٹیوں میں جب وہ کراچی آیا تو ائیر پورٹ پر اس نے ایک ٹیکسی کرایہ پر کی۔ اور اس میں اپنا سامان رکھ کر اپنے گھر جارہا تھا۔ راستے میں بہادر آباد کی چورنگی پر گھوڑ سوار پولیس کا ایک دستہ جارہا تھا۔ رات کے تین بجے کا وقت تھا، اس پولیس کے دستے نے اس ٹیکسی کو روک لیا، اور اس سے پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو اور کہاں جارہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ کویت سے آرہا ہوں۔ اور اب ائیر پورٹ سے اپنے گھر جارہا ہوں۔ پھر پوچھا کہ تم وہاں سے کیا سامان لائے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ جو سامان لایا ہوں اس کی تفتیش اور تحقیق کسٹم والوں نے کرلی ہے، تمہارا اس سے کیا تعلق؟ آخر کار ایک پولیس والے نے بندوق تان لی کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ نکال دو، اور ہمارے حوالے کردو۔ یہ پہلا مقدمہ میرے پاس آیا، جس میں وہ پولیس والے جو چوری اور ڈاکے سے حفاظت کے لئے گشت کررہے تھے، وہی بندوق تان کر دوسروں کا مال چھین رہے ہیں۔ جو لوگ قانون کے محافظ اور امن و امان کے محافظ تھے، وہ خود امن و امان کو غارت کرنے کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ دل

سے خدا کا خوف مٹ چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا احساس مٹ گیا ہے۔ آدمی یہ بھول گیا ہے کہ مجھے ایک دن مرنا ہے اور مرنے کے بعد ایک دوسری زندگی آنے والی ہے۔ جس کے نتیجے میں آج قتل و غارت گری، بد امنی، اور بے چینی ہمارے اوپر مسلّط ہے۔

شیطان کس طرح راستہ مارتا ہے

یاد رکھئے! یہ احساس ایک دم سے فوراً نہیں مٹا کرتا، بلکہ آہستہ آہستہ یہ احساس مٹتا ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ شیطان انسان کو غلط راستے پر لانے کے لئے ایک دم سے کسی بڑے گناہ پر آمادہ نہیں کرتا۔ مثلاً شیطان پہلی مرتبہ کسی انسان سے یہ نہیں کہتا کہ تو جاکر ڈاکہ ڈال۔ اس لئے کہ وہ انسان فوراً انکار کردے گا کہ ڈاکہ ڈالنا تو بہت خراب چیز ہے، میں نہیں ڈالتا۔ بلکہ وہ شیطان انسان کو پہلے چھوٹے چھوٹے گناہوں میں مبتلا کرتا ہے۔ مثلاً اس سے کہتا ہے کہ نگاہ غلط جگہ پر ڈال لو، اس میں مزہ آئے گا۔ جب رفتہ رفتہ اس چھوٹے گناہ کا عادی بن جاتا ہے تو شیطان اس سے کہتا ہے کہ جب تو نے فلاں گناہ کیا تھا، اس وقت تو تجھے یہ خیال نہیں آیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے اور مرنا ہے، جب اس وقت خیال نہیں آیا تو اب یہ دوسرا گناہ بھی کرلے، اس کے بعد تیسرے اور چوتھے گناہ پر آمادہ کرتا ہے، جب چھوٹے چھوٹے گناہوں کا انسان عادی ہوجاتا ہے تو آخر میں شیطان اس سے کہتا ہے کہ جب یہ اتنے سارے گناہ کرلئے تو ایک بڑا گناہ کرنے میں کیا حرج ہے۔ اس طرح رفتہ رفتہ وہ انسان کو بڑے گناہ اور بڑے جرائم پر آمادہ کرتا چلا جاتا ہے۔

نوجوانوں کو ٹی وی نے خراب کردیا

آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ نوجوان لڑکے ہاتھ میں پستول لئے پھر رہے ہیں۔ اور پستول دکھاکر کسی کا مال چھین لیا، کسی کی جان لے لی، اور کسی کی آبرو لوٹ لی۔ یہ

سارے کام پہلے کرتے تھے؟ نہیں۔ ان کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ پہلے لڑکوں سے کہا گیا کہ ٹی وی ساری دنیا دیکھ رہی ہے، تم بھی دیکھو، فلمیں دیکھو۔ اور اس کے ذریعہ رفتہ رفتہ ان کو گناہ کی طرف آمادہ کیا۔ اور اس کے اثرات ان کے ذہنوں پر مرتّب ہو گئے۔ اور جب ایک مرتبہ یہ حوصلہ کھل گیا کہ اللہ تعالیٰ کو بھول کر اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کا احساس دل سے مٹا کر میں یہ گناہ کے کام کر رہا ہوں اور یہ فلمیں دیکھ رہا ہوں تو ذرا سا اور آگے بڑھ جاؤں۔ اور شیطان دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ تم نے فلاں فلم کے اندر فلاں تماشہ دیکھا تھا، اب اس کو ذرا خود بھی تجربہ کر کے دیکھو۔ اس طرح آہستہ آہستہ اس کو بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔

چھوٹے گناہوں کا عادی بڑے گناہ کرتا ہے

یاد رکھئے! بڑا گناہ ہمیشہ چھوٹے گناہوں کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ شیطان کی طرف سے پہلے چھوٹے گناہوں کے کرنے کی جرأت پیدا کی جاتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ اس کو بڑے گناہوں پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ آج کے ان نوجوانوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ ہمیں ہمیشہ اس دنیا میں رہنا ہے۔ کبھی اس دنیا سے نہیں جانا۔ کیونکہ گناہوں کا عادی بن جانے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینے کا احساس دلوں سے مٹ گیا۔ تو اب بڑے سے بڑے گناہ کے لئے راستہ ہموار ہو گیا۔ دروازہ چوپٹ کھل گیا۔ اب جو گناہ چاہو کروالو۔ عربی زبان کا ایک شعر ہے ۔

الشر یبدأہ فی الاصل أصغرہ

یعنی بڑی بُرائی کی ابتداء ہمیشہ چھوٹی بُرائی سے ہوتی ہے۔ اور ذرا سی چنگاری سے آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ اس لئے کبھی کسی گناہ کو چھوٹا سمجھ کر اختیار مت کرو کہ چلو یہ چھوٹا سا گناہ ہے، کرلو۔ اس لئے کہ یہ تو شیطان کا دانہ ہے، جو اس نے تم کو اپنے جال میں پھانسنے کے لئے اور اپنا کنٹرول تمہارے اوپر حاصل کرنے کے لئے اور

تمہارے دل سے اللہ تعالیٰ کا خوف اور آخرت کی فکر مٹانے کے لئے ڈال دیا ہے۔ اس لئے گناہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو، اس کو اللہ تعالیٰ کے خوف سے چھوڑ دو۔

یہ گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ ہے؟

حضرت حکیم الأمت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ لوگ بہت اشتیاق سے پوچھتے ہیں کہ فلاں گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ ہے؟ اور پوچھنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر صغیرہ ہے تو کرلیں گے۔ اور اگر کبیرہ ہے تو اس کے کرنے میں تھوڑا ڈر اور خوف محسوس ہوگا۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چنگاری اور ایک بڑا انگارہ۔ کبھی آپ نے کسی کو دیکھا کہ ایک چھوٹی سے چنگاری کو صندوق میں رکھ لے، اور یہ سوچ کہ یہ تو ایک چھوٹی سی چنگاری ہے، کوئی عقلمند انسان ایسا نہیں کرے گا، کیونکہ صندوق میں رکھنے کے بعد وہ آگ بن جائے گی اور صندوق کے اندر جتنی چیزیں ہوں گی ان سب کو جلادے گی اور صندوق کو بھی جلادے گی۔ اور ہو سکتا ہے کہ وہ پورے گھر کو جلا دے۔ یہی حال گناہ کا ہے، گناہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو، وہ آگ کی چنگاری ہے۔ اگر تم اپنے اختیار سے ایک گناہ کروگے تو ہو سکتا ہے کہ وہ ایک گناہ تمہاری پوری زندگی کی پونجی خاکستر کردے۔ اس لئے اس فکر میں مت پڑو کہ چھوٹا ہے یا بڑا۔ بلکہ یہ دیکھو کہ گناہ ہے یا نہیں، یہ کام ناجائز ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے یا نہیں؟ جب یہ معلوم ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس پیدا کرکے یہ سوچو کہ یہ گناہ کرکے میں اللہ تعالیٰ کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ بہرحال، اس آیت کا مصداق بننے کا طریقہ یہ ہے کہ جب بھی انسان کے دل میں گناہ کا داعیہ پیدا ہو تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے موجود ہونے کا دل میں دھیان کرے اور اس کے ذریعہ گناہ کو چھوڑ دے۔

گناہ کے تقاضے کے وقت یہ تصوّر کرلو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبد الحیّ صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ انسان اگر اللہ تعالیٰ کا تصور کرنا چاہے تو بسا اوقات اللہ تعالیٰ کا دھیان اور تصور نہیں بنتا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو کبھی دیکھا تو ہے نہیں، اور تصوّر تو اس چیز کا ہو سکتا ہے جس کو انسان نے دیکھا ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا تصوّر اور دھیان کرنے میں دُشواری ہوتی ہے۔ لیکن جب گناہ کا داعیہ پیدا ہو تو ایک چیز کا تصوّر اور دھیان کرلیا کرو۔ اور وہ یہ کہ میں جس گناہ کے کرنے کا ارادہ کررہا ہوں، اگر اس گناہ کے ارتکاب کے وقت میرا باپ مجھے دیکھ لے۔ یا میری اولاد مجھے دیکھ لے۔ یا میرے استاد مجھے دیکھ لیں۔ یا میرے شاگرد مجھے دیکھ لیں۔ یا میرے دوست احباب مجھے دیکھ لیں تو کیا اس وقت بھی میں یہ گناہ کا کام کروں گا؟

مثلاً نگاہ کو غلط جگہ پر ڈالنے کا داعیہ دل میں پیدا ہوا، اس وقت ذرا یہ سوچو کہ اگر اس وقت تمہارا شیخ تمہیں دیکھ رہا ہو، یا تمہارا باپ تمہیں دیکھ رہا ہو۔ یا تمہاری اولاد تمہیں دیکھ رہی ہو۔ تو کیا اس وقت بھی آنکھ غلط جگہ کی طرف اٹھاؤ گے؟ ظاہر کہ نہیں اٹھاؤ گے۔ اس لئے کہ یہ خوف ہے کہ اگر ان لوگوں میں سے کسی نے مجھے اس حالت میں دیکھ لیا تو یہ لوگ مجھے بُرا سمجھیں گے۔ لہٰذا جب ان معمولی درجے کی مخلوق کے سامنے شرمندہ ہونے کے ڈر سے اپنے داعیے پر قابو پالیتے ہو اور نگاہ کو روک لیتے ہو، تو ہر گناہ کے وقت یہ تصوّر کرلیا کرو کہ اللہ تعالیٰ جو مالک الملک ہے اور ان سب کا خالق اور مالک ہے، وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اس تصور سے انشاء اللہ تعالیٰ دل میں ایک رُکاوٹ پیدا ہوگی۔

گناہوں کی لذّت عارضی ہے

جب انسان گناہ کا عادی ہوتا ہے تو اس کو شروع میں گناہ سے بچنے میں دقت اور

مشقت ہوتی ہے، اور گناہ سے بچنا آسان نہیں ہوتا، لیکن گناہ سے بچنے کا علاج ہی یہ ہے کہ زبردستی اپنے آپ کو گناہ سے روکے۔ اور گناہ کی خواہش کو اللہ کے لئے کچلے، اور جس وقت وہ اپنی اس خواہش کو اللہ کے لئے کچلے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ایمان کی ایسی حلاوت عطا فرمائیں گے کہ اس کے آگے گناہوں کی لذّت ہیچ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو گناہوں سے بچنے کی حلاوت عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت حکیم الأمت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ گناہوں کی لذّت کی مثال ایسی ہے جیسے خارش زدہ کو خارش کرنے میں لذت آتی ہے۔ اور کھجانے میں اس کو بہت مزہ آتا ہے۔ لیکن وہ لذّت صحت کی لذّت نہیں ہے۔ وہ بیماری کی لذّت ہے۔ اس لئے کہ زیادہ کھجانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس جگہ پر زخم ہوجائے گا۔ اور زخم کی اور جلن کی جو تکلیف ہوگی، اس کے آگے خارش کرنے کی لذّت کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ لیکن اگر خارش کرنے سے رُک گیا، اور یہ سوچا کہ خارش کرنے کے بعد زیادہ تکلیف ہوگی، اس لئے کھجانے کے بجائے اس پر مرہم لگاتا ہوں، اور خارش کی کڑوی دوا کھاتا ہوں، تو اس دوا کے کھانے میں تکلیف تو ہوگی، لیکن بالآخر اس خارش سے نجات ہوجائے گی۔ اور اس کے بعد صحت کی لذّت حاصل ہوجائے گی۔ اور وہ صحت کی لذّت اس خارش کی لذّت سے ہزار درجہ بہتر ہوگی۔ بالکل اسی طرح گناہ کی لذّت بالکل بے حقیقت ہے، اور دھوکہ والی لذّت ہے۔ اس لذّت کو اللہ کے لئے چھوڑو۔ اور اس کے بجائے تقویٰ کی لذّت حاصل کرو، پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کہاں سے کہاں پہنچاتے ہیں۔ ارے یہ خواہشاتِ نفسانی تو پیدا ہی اس لئے کی گئی ہیں کہ ان کو کچلا جائے۔ اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کی جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اور اپنے فضل و کرم سے یہ حقیقت ہمارے دلوں میں جاگزیں فرمائے۔ آمین

جوانی میں خوف اور بڑھاپے میں امید

بہرحال، ایک مؤمن کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ جل شانہ سے خوف بھی رکھے اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے امید بھی رکھے۔ لیکن بزرگوں نے فرمایا کہ جوانی کے دور میں اگر خوف کا غلبہ ہو تو زیادہ بہتر ہے، کیونکہ جوانی کے دور میں جب آدمی کے ہاتھ پاؤں اچھی طرح چل رہے ہوں، قویٰ مضبوط ہوں، اور آدمی ہر قسم کے کام کر سکتا ہو تو اس وقت گناہوں کے داعیے بھی دل میں بہت پیدا ہوتے ہیں اور گناہوں کے محرکات بھی بہت ہوتے ہیں اور گناہوں کا تقاضہ بھی زیادہ ہوتا ہے، اس زمانے میں اس کے دل میں اللہ کے خوف کا غلبہ ہونا زیادہ فائدہ مند ہے تاکہ وہ خوف انسان کو گناہ سے باز رکھے۔ البتہ جب آدمی بوڑھا ہوجائے اور آخری عمر میں پہنچ جائے تو اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت کی امید اس پر غالب ہونی چاہئے تاکہ وہ مایوسی کا شکار نہ ہو۔

دنیا کا نظام خوف پر قائم ہے

آج کل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ خوفِ خدا کوئی حاصل کرنے کی چیز نہیں، چنانچہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ میاں تو ہمارے ہیں، ان سے کیسا خوف اور کیسا ڈر؟ وہ تو ہمارے پیدا کرنے والے ہیں اور قرآن کریم میں بار بار فرما رہے ہیں کہ وہ غفور رحیم ہیں۔ تو پھر ان سے ڈر اور خوف کیسا؟ ظاہر ہے کہ جب یہ سوچ ہوگی تو پھر خوفِ خدا کو حاصل کرنے کی ضرورت کا احساس کیسے ہوگا؟ اسی کا نتیجہ ہے کہ آجکل لوگ غفلت میں گناہوں کے اندر منہمک ہوکر زندگی گزار رہے ہیں۔ یاد رکھئے! یہ خوف ایسی چیز ہے کہ اگر یہ نہ ہو تو دنیا کا کوئی کام، کوئی کاروبار نہیں چل سکتا۔ اگر طالب علم کو امتحان میں فیل ہونے کا اندیشہ اور خوف نہ ہو تو وہ کبھی محنت نہیں کرے گا۔ یہ خوف ہی اس سے محنت کروا رہا ہے اور اس کو پڑھوا رہا ہے۔ اگر کسی

شخص کو ملازمت سے برخواست کردئے جانے کا خوف نہ ہو تو وہ شخص اپنے فرائض انجام نہیں دے گا بلکہ خالی بیٹھ کر وقت ضائع کرے گا اور کام کرنے کی مصیبت اور تکلیف نہیں اٹھائے گا۔ اگر بیٹے کو باپ کا خوف نہ ہو، ماتحت کو افسر کا خوف نہ ہو، عام آدمی کو قانون کا خوف نہ ہو تو اس کا نتیجہ لا قانونیت، انارکی اور فوضویت ہوگا جس میں کسی بھی انسان کا حق محفوظ نہیں رہ سکے گا-آج آپ یہ جو بدامنی اور بے چینی کا طوفان دیکھ رہے ہیں کہ نہ کسی کی جان محفوظ ہے اور نہ کسی کا مال محفوظ ہے، نہ کسی کی آبرو محفوظ ہے، ڈاکے پڑ رہے ہیں، چوریاں ہو رہی ہیں، اور آج انسان مکھی اور مچھر سے بھی زیادہ بے حقیقت ہوگیا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو خوفِ خدا دلوں سے نکل گیا اور قانون کا خوف بھی اٹھ گیا۔ آج قانون دو دو پیسے میں فروخت ہو رہا ہے، بس پیسے خرچ کرو اور قانون سے بچ جاؤ، اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ پورے معاشرے میں فساد برپا ہے۔

تحریک آزادی

جب برّصغیر میں انگریز کی حکومت تھی، اس وقت مسلمانوں اور ہندوؤں نے مل کر انگریزوں کے خلاف تحریک چلائی ہوئی تھی، انگریزوں کے خلاف مظاہرے اور ہڑتالیں ہو رہی تھیں، چونکہ مسلمان اور ہندو دونوں اس تحریک میں شامل تھے اس لئے بعض اوقات مسلمانوں سے ہندوؤں کے کام کرالئے جاتے تھے اور بعض معاملات میں اسلام اور ھندو مت کا امتیاز ختم ہوتا جارہا تھا، مثلاً جب جلوس نکالتے تو مسلمان بھی اپنے ماتھے پر قشقہ لگالیتے اور ان کے مندروں میں جاکر ان کی رسموں میں شریک ہوجاتے، اس قسم کے منکرات اس تحریک میں ہو رہے تھے، اور تحریک چلانے کا جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو پسند نہیں تھا، اس لئے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس تحریک سے الگ تھلگ رہے اور اپنے ملنے والوں اور اپنے مریدوں کو بتاتے رہے کہ میرے نزدیک اس تحریک میں شامل ہونا

ٹھیک نہیں ہے۔

لال ٹوپی کا خوف

ایک مرتبہ اس تحریک کے قائدین وفد بناکر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ حضرت! اگر آپ اس تحریک میں شامل ہوجائیں تو انگریز کو بہت جلد یہاں سے بھگایا جاسکتا ہے، آپ چونکہ اس تحریک سے الگ ہیں اس لئے انگریزوں کی حکومت باقی ہے، لہٰذا آپ ہمارے ساتھ اس تحریک میں شامل ہوجائیں۔ جواب میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ نے جو طریقہ اختیار کیا ہے مجھے تو اس طریقے سے اتفاق نہیں، اس لئے میں اس میں کیسے شامل ہوں۔ اور آپ مجھے یہ بتایئے کہ آپ کئی سالوں سے یہ تحریک چلا رہے ہیں، مظاہرے کررہے ہیں، ہڑتالیں کررہے ہیں، جلسے جلوس نکال رہے ہیں، اس سے اب تک آپ نے کیا فائدہ حاصل کیا؟ اس وفد میں سے ایک صاحب نے کہا کہ حضرت! اب تک آزادی تو حاصل نہیں ہوئی، لیکن ایک بہت بڑا فائدہ حاصل ہوگیا ہے، وہ فائدہ یہ ہے کہ ہم نے لوگوں کے دلوں سے لال ٹوپی کا خوف نکال دیا ہے۔ اس زمانے میں پولیس کی لال ٹوپی ہوا کرتی تھی اس لئے "لال ٹوپی" بول کر پولیس مراد ہوتی تھی۔ اب کسی آدمی کے دل میں پولیس کا خوف نہیں رہا۔ ورنہ پہلے یہ حال تھا کہ اگر پولیس آجاتی تھی تو سارا محلہ تھرّا جاتا تھا، اب ہم نے مظاہرے کرکے اور ہڑتالیں کرکے اس لال ٹوپی کا خوف دلوں سے نکال دیا۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہمیں حاصل ہوگئی ہے۔ اور رفتہ رفتہ جب ہم آگے بڑھیں گے تو انگریز سے بھی نجات مل جائے گی۔

اس وقت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی حکیمانہ بات ارشاد فرمائی۔ فرمایا کہ آپ نے لوگوں کے دلوں سے لال ٹوپی کا خوف نکال دیا ہے، آپ نے بڑا خراب کام کیا، اس لئے کہ لال ٹوپی کا خوف دلوں سے نکال دینے کے معنی یہ ہیں کہ اب

چوروں اور ڈاکوؤں کے مزے آگئے، اب چور چوری کرے گا اور اس کو لال ٹوپی کا خوف نہیں ہوگا، ڈاکو ڈاکہ ڈالے گا اور اس کو لال ٹوپی کا خوف نہیں ہوگا، کم از کم آپ لال ٹوپی کا خوف دلوں سے نکال کر اپنی سبز ٹوپی کا خوف ان کے دلوں میں داخل کردیتے تو بے شک بڑی کامیابی کی بات تھی، لیکن آپ نے لال ٹوپی کا خوف تو دلوں سے نکال دیا اور دوسرا خوف داخل نہیں کیا تو اب اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ معاشرے میں بدامنی اور بے چینی پیدا ہوگی اور لوگوں کے جان و مال، عزت اور آبرو خطرے میں پڑجائیں گے۔ لہٰذا آپ نے یہ کوئی اچھا کام نہیں کیا، اس کام پر میں آپ کی تعریف نہیں کرسکتا۔

خوف دلوں سے نکل گیا

یہ وہ بات ہے جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ساٹھ سال پہلے فرمائی تھی۔ لیکن آج اس بات کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کرلیجئے کہ آج وہ خوف جب دل سے نکل گیا تو اب بدامنی اور بے چینی کا ایک طوفان معاشرے پر مسلّط ہے۔ ورنہ اُس زمانے کا یہ حال تھا کہ اگر کبھی کسی بستی میں کسی ایک آدمی کا بھی قتل ہوجاتا تو پورا ملک ہل جاتا تھا کہ یہ قتل کیسے ہوا؟ اور اس کی تحقیق و تفتیش شروع ہوجاتی تھی۔ آج انسان کی جان مکھی اور مچھر سے زیادہ بے حقیقت ہوگئی ہے، اس لئے کہ خوف دل سے نکل گیا۔

خوفِ خدا پیدا کریں

بہرحال، یہ خوف ایسی چیز ہے کہ اس پر سارے عالم کا نظام قائم ہے۔ اگر یہ خوف نہ ہو تو بدامنی، بے چینی اور لاقانونیت کا دور دورہ ہوجائے۔ اس لئے قرآن کریم میں بار بار فرمایا: اتقوا اللّٰہ، اتقوا اللّٰہ تقویٰ اختیار کرو۔ اور تقوی کے معنٰی یہ ہیں کہ اللہ کے خوف سے اس کی معصیتوں سے بچنا۔ جس طرح دنیا کا نظام

خوف کے بغیر نہیں چل سکتا، اسی طرح دین کا مدار بھی اللہ کے خوف پر ہے۔ خدا نہ کرے اگر یہ خوف دل سے مٹ جائے یا اس میں کمی آجائے تو پھر گناہوں کا دور دورہ ہوجائے، جیسا کہ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ قرآن کریم میں کہیں جنّت کا ذکر ہے، کہیں جہنم اور اس کے عذاب کا ذکر ہے، کہیں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی قدرت کا ذکر ہے تاکہ ہر مسلمان ان باتوں کو بار بار سوچے اور ان کا دھیان کرے اور ان کے ذریعہ اپنے دل میں خدا کا خوف پیدا کرے۔

تنہائی میں اللہ کا خوف

پولیس کا خوف، قانون کا خوف یا سزا کا خوف یا جیل کا خوف ایسی چیز ہے جو صرف دوسروں کے سامنے جرائم کرنے سے باز رکھ سکتی ہے، لیکن جب خدا کا خوف دل میں اتر جاتا ہے تو پھر جنگل کی تنہائی میں بھی اور رات کی تاریکی میں بھی وہ خوف انسان کو گناہ سے روک دیتا ہے جبکہ کوئی اور دیکھنے والا بھی موجود نہیں ہے۔ فرض کیجئے کہ رات کی اندھیری ہے اور جنگل کی تنہائی ہے اور کوئی دیکھنے والا موجود نہیں ہے، اس وقت اگر کوئی مؤمن گناہ سے بچ رہا ہے تو اللہ کے خوف کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہے جو اس کو گناہ سے روک رہی ہے، اللہ کا خوف اس کو گناہ سے باز رکھے ہوئے ہے۔

روزہ کی حالت میں خوفِ خدا

اس خوفِ خدا کا تجربہ کرکے دیکھ لیں کہ اس دور میں بھی آدمی کتنا ہی فاسق اور فاجر اور گناہ گار ہو اور رمضان کے مہینے میں روزہ رکھ لے۔ اب شدید گرمی پڑ رہی ہے، سخت پیاس لگی ہوئی ہے، زبان باہر کو آرہی ہے، کمرہ بند ہے اور کمرہ میں اکیلا ہے، کوئی دوسرا شخص پاس موجود نہیں اور کمرہ میں فرج موجود ہے۔ فرج میں ٹھنڈا پانی رکھا ہوا ہے۔ اس وقت اس انسان کا نفس یہ تقاضہ کررہا ہے کہ اس شدید پیاس

کے عالم میں ٹھنڈا پانی پی لوں، لیکن کیا آج کے اس گئے گزرے دور میں بھی کوئی مسلمان ایسا ہے جو اس وقت فرج میں سے پانی نکال کر گلاس میں ڈال کر پی لے؟ وہ ہرگز پانی نہیں پئے گا، حالانکہ اگر وہ پانی پی لے تو کسی بھی انسان کو کانوں کان خبر نہ ہوگی اور کوئی اس کو لعنت ملامت بھی نہیں کرے گا اور دنیا والوں کے سامنے وہ روزہ دار ہی رہے گا۔ اور شام کو باہر نکل کر لوگوں کے ساتھ افطاری کھالے تو کسی شخص کو بھی پتہ نہیں چلے گا کہ اس نے روزہ توڑ دیا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ پانی نہیں پئے گا۔

اب بتائیے! وہ کون سی چیز ہے جو اس کو بند کمرے میں پانی پینے سے روک رہی ہے، اللہ کے خوف کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں جو اس کو روک رہی ہے۔ چونکہ ہمیں روزہ رکھنے کی عادت پڑ گئی ہے اس لئے اس عادت کے نتیجے میں وہ خوف کار آمد ہوگیا۔

ہر موقع پر یہ خوف پیدا کریں

اب شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ جس طرح روزہ کی حالت میں بند کمرے میں اللہ کا خوف تمہیں پانی پینے سے روک رہا تھا، بالکل اسی طرح اگر نگاہ کا شدید تقاضہ ہو رہا ہے کہ وہ غلط جگہ پڑجائے تو اس شدید تقاضے کو بھی اللہ کے خوف سے دباکر اس نگاہ کو روک لو۔ اسی طرح غیبت کرنے یا جھوٹ بولنے کا شدید تقاضہ ہو رہا ہے، تو جس طرح روزے کی حالت میں اللہ کے خوف سے پانی پینے سے رک گئے تھے، اسی طرح یہاں بھی غیبت اور جھوٹ سے رک جاؤ۔ یہ ہے اللہ کا خوف، یہ جب دلوں میں پیدا ہوجاتا ہے تو پھر انسان کسی بھی حالت میں اللہ کی مرضی کے خلاف کام نہیں کرتا۔ یہ خوفِ خدا شریعت میں مطلوب ہے۔

جنّت کس کے لئے ہے؟

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿واما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوىٰ ۞ فان الجنّة هى المأوىٰ ۞﴾

کیا عجیب الفاظ ارشاد فرمائے ہیں۔ فرمایا کہ وہ شخص جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا کہ میں کسی دن اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہوں گا تو کس منہ سے اپنے پروردگار کے سامنے جاؤں گا۔ اور یہ خوف اتنا شدید پیدا ہوا کہ اس خوف کے نتیجے میں اس نے اپنے نفس کو ناجائز خواہشات پر عمل کرنے سے روک لیا تو ایسے انسان کا ٹھکانہ جنت ہے۔ اور ایسے ہی انسان کے لئے جنت تیار کی گئی ہے۔

جنّت کے اردگرد مشقّت

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان الجنّة حُفّت بالمكاره کہ جنت کو اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں سے گھیر رکھا ہے جو انسان کی طبیعت کو ناگوار معلوم ہوتی ہیں۔ یعنی مشقت اور محنت والے کام جو طبیعت پر بار معلوم ہوتے ہیں ان سے جنت کو گھیرا ہوا ہے، گویا کہ اگر تم ان ناگوار کاموں کو کرلوگے تو جنت میں پہنچ جاؤ گے۔ اس لئے یہ کہا جارہا ہے کہ اپنے دلوں میں اللہ کا خوف پیدا کرو، اس کے نتیجے میں ناجائز خواہشات پر عمل کرنے میں رکاوٹ پیدا ہوجائے گی اور جنت حاصل ہوجائے گی۔ اور یہ خوف اس درجہ کا ہو کہ اپنے ہر فعل اور ہر قول کے اندر یہ دھڑکا لگا ہو کہ یہ کہیں میرے مالک کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خوف کا یہ عالم تھا کہ ان کو اس وقت تک چین نہیں آتا تھا جب تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے اوپر سزا جاری نہ کرالیتے۔

عبادت سے استغفار کرنا

پھر جب اس خوف میں ترقی ہوتی ہے تو پھر یہ خوف صرف اس بات کا نہیں ہوتا کہ ہم سے گناہ نہ ہوجائے بلکہ پھر اس بات کا بھی خوف پیدا ہوجاتا ہے کہ ہم جو عبادت کررہے ہیں وہ اللہ جل شانہ کے شایانِ شان ہے یا نہیں؟ وہ عبادت اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرنے کے لائق ہے یا نہیں؟ گویا کہ وہ شخص ایسے اعمال بھی کررہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا والے اعمال ہیں، لیکن ڈر رہا ہے کہ کہیں یہ عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے شایانِ شان نہ ہو اور اس عمل میں کوئی گستاخی اور بے ادبی نہ ہوگئی ہو۔ اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ ایک مؤمن کا کام یہ ہے کہ عمل کرتا رہے اور ڈرتا رہے، قرآن کریم نے فرمایا: تتجافٰی جنوبهم عن المضاجع یدعون ربهم خوفا وطمعا ان کے پہلو رات کے وقت بستروں سے الگ رہتے ہیں۔ اور اللہ کے حضور کھڑے ہوکر عبادت کرتے رہتے ہیں لیکن اس وقت بھی دل خوف سے خالی نہیں ہوتا بلکہ اپنے پروردگار کو خوف کے ساتھ پکارتے رہتے ہیں کہ معلوم نہیں کہ میرا عمل اللہ کے حضور پیش کرنے کے لائق ہے یا نہیں؟

نیک بندوں کا حال

ایک دوسری جگہ پر نیک بندوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

کانوا قلیلا من اللیل ما یهجعون۔ وبالاسحارهم یستغفرون ۞

یعنی اللہ کے نیک بندے رات کے وقت بہت کم سوتے ہیں۔ بلکہ اللہ کے حضور کھڑے ہوکر عبادت کرتے رہتے ہیں، تہجد ادا کرتے ہیں، لیکن جب سحری کا وقت آتا ہے تو اس وقت استغفار کرتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سحری کے وقت استغفار کرنے کا تو موقع نہیں ہے، اس لئے کہ استغفار تو کسی

گناہ کے بعد ہوتا ہے، یہ تو ساری رات اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہو کر عبادت کرتے رہے، کوئی گناہ تو نہیں کیا۔ جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ لوگ اپنی عبادت سے استغفار کرتے ہیں کہ جیسی عبادت کرنی چاہئے تھی ویسی عبادت ہم نہیں کر سکے، عبادت کا جیسا حق ادا کرنا چاہئے تھا ویسا حق ہم سے ادا نہ ہو سکا ما عبدناک حق عبادتک۔ بہر حال اللہ کے ان نیک بندوں کو صرف گناہ کا خوف نہیں ہوتا بلکہ عبادت کے غلط ہونے کا بھی خوف ہوتا ہے کہ کہیں یہ عبادتِ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب نہ بن جائے۔

اللہ کا خوف بقدر معرفت

خوف کے بارے میں اصول یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی جتنی معرفت زیادہ ہوگی اتنا ہی اس کو اللہ تعالیٰ کا خوف زیادہ ہوگا، اور جتنا نادان ہوگا اتنا ہی خوف کم ہوگا۔ دیکھئے ایک چھوٹا سا بچہ ہے، جو ابھی نادان ہے، اس کے سامنے بادشاہ آجائے یا وزیر آجائے یا شیر آجائے تو اس کو کوئی خوف نہیں ہوتا۔ لیکن جو شخص بادشاہ کا مرتبہ جانتا ہے وہ بادشاہ کے پاس جاتے ہوئے تھرتھراتا ہے اور کانپتا ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ کی معرفت انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے زیادہ تھی، اس لئے ان کے اندر اللہ تعالیٰ کا خوف بھی زیادہ تھا۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اور خوف

حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ پریشان اور ڈرتے ہوئے، کانپتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! "نافق حنظلة" حنظلہ تو منافق ہوگیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیسے منافق ہوگئے؟ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب ہم آپ کی مجلس میں بیٹھتے

ہیں اور جنت اور دوزخ کا ذکر سنتے ہیں اور آخرت کا ذکر سنتے ہیں تو اس کے نتیجے میں دل میں رقت اور گداز پیدا ہوتا ہے، اور دنیا سے اعراض پیدا ہو جاتا ہے اور آخرت کی فکر پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن جب ہم گھر جاتے ہیں، بیوی بچوں سے ملتے ہیں، کاروبار زندگی میں لگ جاتے ہیں تو دل کی وہ کیفیت باقی نہیں رہتی، بلکہ دنیا کی محبت ہمارے دلوں پر چھا جاتی ہے۔ لہٰذا یہاں آکر ایک حالت اور باہر جاکر دوسری حالت ہو جاتی ہے، یہ تو منافق ہونے کی علامت ہے۔ جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یا حنظلۃ! ساعۃً ساعۃً اے حنظلہ! گھبرانے کی بات نہیں، یہ تو وقت وقت کی بات ہے، کسی وقت دل میں رقت زیادہ ہو گئی اور کسی وقت کم ہو گئی، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس پر مدار نہیں ہے، بلکہ اصل مدار اعمال پر ہے کہ انسان کا کوئی عمل شریعت کے خلاف نہ ہو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور خوف

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اپنے کانوں سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن چکے کہ عمر فی الجنۃ عمر جنت میں جائیں گے۔ اور یہ واقعہ بھی سن چکے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں معراج پر گیا اور وہاں جنت کی سیر کی تو جنت میں میں نے ایک بہت شاندار محل دیکھا، اور اس محل کے کنارے ایک خاتون بیٹھی وضو کر رہی تھیں میں نے پوچھا کہ یہ محل کس کا ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ عمر کا محل ہے، وہ محل اتنا شاندار تھا کہ میرا دل چاہا کہ اندر جاکر اس محل کو دیکھوں، لیکن اے عمر! مجھے تمہاری غیرت یاد آگئی کہ تم بہت غیور انسان ہو۔ اس لئے میں اس محل کے اندر داخل نہیں ہوا اور واپس آگیا۔ جب حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو رو پڑے، اور عرض کیا کہ او علیک یا رسول اللّٰہ اغار؟ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں آپ پر غیرت کروں گا۔

دیکھئے! حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اپنے لئے جنّت کی بشارت سن چکے، اور جنّت میں اپنے محل کے بارے میں سن چکے، اس کے باوجود آپ کا یہ حال تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تشریف لائے، جن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کی فہرست بتادی تھی کہ مدینے میں فلاں فلاں شخص منافق ہے۔ آپ ان سے پوچھ رہے ہیں کہ اے حذیفہ! خدا کے لئے مجھے یہ بتادو کہ کہیں اس فہرست میں میرا نام تو نہیں ہے؟۔ خیال یہ آرہا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو جنّت کی بشارت دے دی تھی، لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے بعد کے اعمال کی وجہ سے ان بشارتوں پر پانی پھر جائے۔ دیکھئے! حضرت فاروقِ اعظم کو یہ خطرہ لگا ہوا ہے۔ بہرحال، جس شخص کو جتنی زیادہ معرفت ہوتی ہے اتنا ہی اس کو خوف بھی زیادہ ہوتا ہے۔ یہ خوف جب تک دل میں کسی نہ کسی درجے میں حاصل نہ ہو، یاد رکھئے! اس وقت تک تقویٰ حاصل نہیں ہو سکتا۔

خوف پیدا کرنے کا طریقہ

اس خوف کو پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ چوبیس گھنٹوں میں سے کچھ وقت فجر کے بعد یا رات کو سوتے وقت مقرر کرے، پھر اس وقت اس بات کا تصوّر کرے کہ میں مر رہا ہوں، بستر مرگ پر لیٹا ہوا ہوں، اعزہ اور اقرباء جمع ہیں، میری روح نکل رہی ہے، اس کے بعد مجھے کفن پہنانے کے بعد دفن کیا جارہا ہے، پھر فرشتے سوال و جواب کے لئے آرہے ہیں، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوں۔ ان سب باتوں کا دھیان کرکے سوچے، جب روزانہ انسان یہ سب باتیں سوچے گا تو انشاء اللہ دل سے رفتہ رفتہ غفلت کے پردے اٹھنا شروع ہو جائیں گے۔ ہم پر غفلت اس لئے چھائی ہوئی ہے کہ ہم اور آپ موت سے غافل ہیں، اپنے ہاتھوں سے اپنے پیاروں کو مٹی

دے کر آتے ہیں، اپنے کاندھوں پر جنازہ اٹھاتے ہیں، اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ فلاں آدمی بیٹھے بیٹھے دنیا سے رخصت ہوگیا، اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ جس دنیا کو جمع کرنے اور اس کو حاصل کرنے کے لئے صبح شام دوڑ دھوپ کررہا تھا، محنت اور مشقت برداشت کررہا تھا، لیکن جب دنیا سے گیا تو ان کی طرف منہ موڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ ان تمام چیزوں کو دیکھنے کے باوجود ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ موت کا واقعہ اس کے ساتھ پیش آیا ہے، اپنی طرف دھیان نہیں جاتا کہ مجھے بھی ایک دن اس طرح دنیا سے رخصت ہونا ہے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿اکثروا ذکر ھاذم اللذات الموت﴾

اس چیز کو کثرت سے یاد کیا کرو جو ان ساری لذتوں کو ختم کرنے والی ہے یعنی موت۔ اس کو بھلاؤ نہیں، بلکہ اس کو کثرت سے یاد کرو۔ بہرحال، روزانہ صبح یا شام کے وقت ان چیزوں کا تھوڑا سا مراقبہ کرلے تو اس سے مطلوبہ خوف کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور پیدا ہوجاتا ہے۔

تقدیر غالب آجاتی ہے

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص جنت والوں کے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، اس وقت اس کے اوپر لکھی ہوئی تقدیر غالب آجاتی ہے اور وہ شخص پھر جہنم والوں کے اعمال شروع کردیتا ہے حتیٰ کہ آخر کار وہ جہنم میں داخل ہوجاتا ہے۔ اس کے برعکس ایک شخص ساری عمر جہنم والوں کے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، اس وقت اس کے اوپر لکھی ہوئی تقدیر غالب آجاتی ہے اور اس کے بعد وہ جنت کے عمل شروع کردیتا ہے حتیٰ کہ آخر کار وہ جنت میں داخل ہوجاتا ہے۔

اپنے عمل پر ناز نہ کریں

اس حدیث سے یہ سبق ملا کہ کوئی شخص اپنے عمل پر ناز نہ کرے کہ میں فلاں عمل کررہا ہوں اور فلاں عمل کررہا ہوں، اس لئے کہ ان اعمال کا کوئی اعتبار نہیں، اعتبار زندگی کے آخری اعمال کا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا:

﴿انما العبرة بالخواتیم﴾

یعنی خاتمہ کا اعتبار ہے کہ خاتمے کے وقت وہ کیسے اعمال کر رہا تھا، کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی عمل کی نحوست انسان کو جہنمیوں کے اعمال کی طرف لے جائے، اس لئے نیک عمل کرتے ہوئے بھی ڈرنا چاہئے۔

بُرے عمل کی نحوست

لیکن ایک بات خوب سمجھ لینی چاہئے کہ اُس انسان سے جہنمیوں والے اعمال جبری طور پر نہیں کرائے جائیں گے تاکہ اس کی وجہ سے وہ جہنم میں چلا جائے۔ ایسا نہیں ہوگا، بلکہ وہ یہ سارے اعمال اپنے اختیار سے کرتا ہے، مجبور نہیں ہوتا۔ لیکن ان اعمال کی نحوست ایسی ہوتی ہے کہ وہ پچھلے سارے نیک اعمال کے اجر و ثواب کو ختم کردیتی ہے، اور برے اعمال کی طرف انسان کو گھسیٹ کر لے جاتی ہے۔ بعض گناہوں کی نحوست ایسی ہوتی ہے کہ اس نحوست کی وجہ سے وہ پھر دوسرے گناہ میں بھی مبتلا ہوجاتا ہے، اور دوسرے گناہ کی نحوست سے وہ تیسرے گناہ میں مبتلا ہوجاتا ہے، اور آہستہ آہستہ وہ گناہوں کے اندر اتنا منہمک ہوجاتا ہے کہ اس کے نتیجے میں اس کی ساری پچھلی زندگی پر پانی پھر جاتا ہے۔ اسی لئے بزرگوں نے فرمایا کہ کسی بھی چھوٹے گناہ کو معمولی سمجھ کر مت کرو، اس لئے کہ کیا پتہ یہ چھوٹا گناہ تمہاری عمر بھر کی نیکیوں کو ختم کردے۔ اور پھر کسی گناہ کو چھوٹا سمجھ کر کرلینا ہی اس

کو کبیرہ بنادیتا ہے، اور اس کا نقد وبال یہ ہوتا ہے کہ وہ گناہ دوسرے گناہ کو کھینچتا ہے، رفتہ رفتہ پھر وہ گناہوں کے اندر مبتلا ہوتا چلا جاتا ہے۔

صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کی مثال

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چھوٹے گناہ کی مثال ایسی ہے جیسے چھوٹی سی چنگاری، اور بڑے گناہ کی مثال ایسی ہے جیسے بڑی آگ اور بڑا انگارہ۔ اب کوئی شخص یہ سوچ کر کہ یہ تو چھوٹی سی چنگاری ہے اور بڑی آگ تو ہے نہیں، لاؤ میں اس کو اپنے صندوق میں رکھ لیتا ہوں، تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ چھوٹی سی چنگاری سارے صندوق اور کپڑوں کو جلاکر راکھ کردے گی۔

بزرگوں کی گستاخی کا وبال

اسی طرح اللہ والوں کی بے حرمتی کرنا، ان کی شان میں گستاخی کرنا یا ان کا دل دکھانا یہ ایسی چیز ہے کہ بعض اوقات اس کی وجہ سے انسان کی مت الٹی ہوجاتی ہے، لہٰذا اگر کسی اللہ والے سے تمہیں اختلاف ہوگیا تو اس اختلاف کو اختلاف کی حد تک رکھو، لیکن اگر تم نے اس کی شان میں گستاخی اور بے ادبی شروع کردی تو اس کا وبال یہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات انسان گناہوں میں پھنستا چلا جاتا ہے۔ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ ہے، جس کا نام ہے "درس عبرت" اس میں ایک بہت بڑے بزرگ کا عبرت ناک واقعہ لکھا ہے، جو ساری عمر شیخ، بزرگ اور اللہ والے رہے، اور پھر اچانک مَت الٹی ہوئی، اور برے کاموں کے اندر مبتلا ہوگئے۔ تو بعض اوقات یہ چھوٹے سے گناہ کا وبال ہوتا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ کسی بھی گناہ کو چھوٹا سمجھ کر مت کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گناہ سوء خاتمہ پر منتج ہوجائے۔ اسی لئے تمام بزرگ ہمیشہ خاتمہ بالخیر کی دعائیں کراتے ہیں۔

نیک عمل کی برکت

اس کے برعکس بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کے اعمال خراب ہیں، گناہوں کے اندر مبتلا ہے، اچانک اللہ تعالیٰ نے نیک اعمال کی توفیق دیدی، اور یہ توفیق بھی کسی نیک عمل کے نتیجے میں ملتی ہے، مثلاً پہلے کسی چھوٹے نیک عمل کی توفیق ہوگئی اور پھر اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مزید نیک اعمال کی توفیق عطا فرمادی، اور اس کے نتیجے میں اس کے لئے جنّت کا دروازہ کھل گیا۔ اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا یحقرن احد من المعروف شیئا تم میں سے کوئی بھی شخص کسی بھی نیکی کو حقیر مت سمجھے، کیا پتہ کہ وہی نیکی تمہاری زندگی کے اندر انقلاب پیدا کردے اور اس کی وجہ سے بیڑا پار ہوجائے، اور اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمادے۔ اللہ والوں کے ایسے بے شمار واقعات ہیں کہ چھوٹی سی نیکی کی اور اس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے زندگی میں انقلاب پیدا فرمادیا۔ اس لئے چھوٹی سی نیکی کو بھی حقیر مت سمجھو۔ اور میں نے ایک رسالہ "آسان نیکیاں" کے نام سے لکھ دیا ہے۔ جس میں ایسے چھوٹے چھوٹے اعمال لکھ دیئے ہیں جن کی احادیث میں بڑی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔ اگر انسان ان نیک کاموں کو کرلے تو اس کے نتیجے میں اس کے نیک اعمال میں بہت زیادہ اضافہ ہوسکتا ہے۔ ہر مسلمان کو یہ رسالہ ضرور پڑھنا چاہئے اور ان نیکیوں کو اپنی زندگی میں اپنانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

تقدیر کی حقیقت

بعض لوگ اس حدیث کی بنیاد پر یہ کہتے ہیں کہ جب تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے کہ کون شخص جنتی ہے اور کون سا شخص جہنمی ہے تو اب عمل کرنے سے کیا فائدہ۔ ہوگا تو وہی جو تقدیر میں لکھا ہے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں

ہے کہ تم وہی عمل کرو گے جو تقدیر میں لکھا ہے۔ بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تقدیر میں وہی بات لکھی ہے جو تم لوگ اپنے اختیار سے کرو گے۔ اس لئے کہ تقدیر تو علم الٰہی کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ کو پہلے سے پتہ تھا کہ تم اپنے اختیار سے کیا کچھ کرنے والے ہو۔ لہٰذا وہ سب اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا، لیکن تمہارا جنت میں جانا یا جہنم میں جانا درحقیقت تمہارے اختیاری اعمال ہی کی بنیاد پر ہوگا، یہ بات نہیں ہے کہ انسان عمل وہی کرے گا جو تقدیر میں لکھا ہے، بلکہ تقدیر میں وہی لکھ دیا گیا ہے جو انسان اپنے اختیار سے عمل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اختیار دیا ہے اور اس اختیار کے مطابق انسان عمل کرتا رہتا ہے۔ اب یہ سوچنا کہ تقدیر میں تو سب لکھ دیا گیا ہے، لہٰذا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاؤ، یہ درست نہیں ہے۔ چنانچہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث بیان فرمائی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھ لیا کہ ففیما العمل یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم؟ جب یہ فیصلہ ہو چکا کہ فلاں شخص جنتی اور فلاں شخص جہنمی، تو پھر عمل کرنے سے کیا فائدہ؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعملوا فکل میسر لما خلق لہ عمل کرتے رہو، اس لئے کہ ہر انسان کو وہی کام کرنا ہوگا جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا تھا۔ لہٰذا تم اپنے اختیار کو کام میں لاکر عمل کرتے رہو۔

بے فکر نہ ہو جائیں

اس حدیث کو یہاں لانے کا منشاء یہ ہے کہ آدمی یہ نہ سوچے کہ میں بڑے بڑے وظائف اور تسبیحات پڑھ رہا ہوں اور نوافل پڑھ رہا ہوں اور اپنی طرف سے پوری شریعت پر چل رہا ہوں اس لئے اب میں مطمئن ہو جاؤں۔ ارے آخر دم تک انسان کو مطمئن نہیں ہونا چاہئے، بلکہ یہ دھڑکا اور یہ خوف انسان کو لگا رہنا چاہئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری یہ حالت بدل جائے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اندریں راہ می تراش و می خراش
تادم آخر دمے فارغ مباش

اس راستے میں تو ہر وقت تراش خراش چلتی رہتی ہے، ہر وقت اپنے نفس کی نگرانی کرنی پڑتی ہے کہ کہیں یہ غلط راستے پر تو نہیں جارہا ہے۔ بڑے بڑے لوگ بے فکری کی وجہ سے پھسل گئے، اس لئے آخر دم تک انسان کو بے فکر نہ ہونا چاہئے۔

جہنّم کا سب سے ہلکا عذاب

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے ہلکا عذاب جس شخص کو ہوگا، وہ ہلکا عذاب یہ ہوگا کہ اس کے پاؤں کے تلوؤں کے نیچے دو چنگاریاں رکھ دی جائیں گی، مگر ان کی شدت اتنی زیادہ ہوگی کہ اس کی وجہ سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا، اور وہ شخص یہ سمجھ رہا ہوگا کہ شاید سب سے زیادہ سخت عذاب مجھ کو ہورہا ہے۔ حالانکہ اس کو سب سے ہلکا عذاب ہورہا ہوگا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ عذاب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کو ہوگا، کیونکہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور نصرت بہت کی تھی، لیکن آخر وقت تک ایمان نہیں لائے۔ اس لئے ان کو یہ عذاب ہوگا۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

بہرحال، اس حدیث سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جب سب سے ہلکے عذاب کی وجہ سے یہ حال ہوگا کہ اس چنگاری کے نتیجے میں اس شخص کا دماغ کھول رہا ہوگا تو جن کے لئے شدید عذاب کی وعید آئی ہے، ان کا کیا حال ہوگا؟ جہنّم کے اس عذاب کا انسان کبھی کبھی تصوّر کرلیا کرے تو اس کے نتیجے میں انسان کے اندر خوف پیدا ہوتا ہے اور اس کے دل میں تقویٰ جاگزیں ہوتا ہے۔

جہنّمیوں کے درجات

ایک حدیث میں مختلف جہنمیوں کا حال بیان فرماتے ہوئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بعض جہنمی ایسے ہوں گے کہ جہنم کی آگ ان کے ٹخنے تک پہنچی ہوگی۔ جس کے صرف تلووں میں چنگاری رکھی جائے گی اس کا حال تو آپ نے اوپر کی حدیث میں سن لیا۔ اگر وہ آگ ٹخنوں تک پہنچ جائے تو اس کا کیا حال ہوگا۔ اور بعض جہنمی ایسے ہوں گے کہ جہنم کی آگ ان کے گھٹنوں تک پہنچی ہوئی ہوگی۔ اور بعض جہنمی ایسے ہوں گے کہ آگ ان کی کمر تک پہنچی ہوئی ہوگی، اور بعض ایسے ہوں گے کہ ان کی ہنسلی کی ہڈی تک آگ پہنچی ہوئی ہوگی۔ یہ جہنمیوں کے مختلف درجات ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کی حفاظت فرمائے، آمین۔

میدانِ حشر میں انسانوں کا حال

یہ تو جہنم کا حال تھا، لیکن جہنم میں جانے سے پہلے جب میدانِ حشر میں پیشی ہوگی، اس وقت لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ اس کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے، یہاں تک کہ ایک شخص اپنے پسینے میں آدھے کانوں تک ڈوبا ہوا ہوگا، گویا کہ گرمی کی شدّت کی وجہ سے پسینہ نکلتے نکلتے اتنا زیادہ ہوگیا کہ وہ آدھے کانوں تک پہنچ گیا۔ ایک اور حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز لوگوں کا اتنا پسینہ بہے گا کہ وہ ستر ہاتھ زمین کے اندر بہہ کر چلا جائے گا۔ اور وہ پسینہ لوگوں کو ڈھانپتا رہے گا یہاں تک کہ ان کے کانوں تک پہنچ جائے گا۔

جہنّم کی وُسعت

ایک اور روایت میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں آپ نے کسی چیز کے گرنے کی آواز سنی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پوچھا کہ تم جانتے ہو کہ یہ کس چیز کے گرنے کی آواز ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ اللّٰہ ورسولہ اعلم اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں، پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ آج سے ستر سال پہلے ایک پتھر جہنّم کے اندر پھینکا گیا تھا، آج وہ پتھر اس کی تہہ میں پہنچا ہے، یہ اس پتھر کے گرنے کی آواز ہے۔ پہلے لوگ اس کو بہت مبالغہ سمجھتے تھے کہ وہ پتھر ستر سال سفر کرنے کے بعد تہہ میں پہنچا، لیکن اب تو سائنس نے ترقی کرلی ہے، چنانچہ سائنس کا کہنا ہے کہ بہت سے ستارے ایسے ہیں کہ جب سے وہ پیدا ہوئے ہیں ان کی روشنی زمین کی طرف سفر کررہی ہے، لیکن آج تک وہ روشنی زمین تک نہیں پہنچی۔ جب اللہ تعالیٰ کی مخلوقات اس قدر وسیع ہیں تو پھر اس میں کیا بعد ہے کہ ایک پتھر جہنّم کے اندر ستر سال سفر کرنے کے بعد اس کی تہہ میں پہنچا ہو۔ بہرحال، اس حدیث کے ذریعہ جہنّم کی وُسعت بتلانا مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس جہنّم سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

ان تمام احادیث کا حاصل یہ ہے کہ انسان کبھی کبھی اپنی موت کا اور جنّت اور جہنّم کی ان باتوں کا تصوّر کیا کرے۔ اس سے رفتہ رفتہ دلوں میں گداز اور خوف پیدا ہوگا۔ اس کے ذریعہ پھر نیک اعمال کا کرنا آسان ہوجائے گا اور گناہوں کو چھوڑنا بھی آسان ہوجائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے دلوں میں یہ خوف پیدا فرمادے۔ اور گناہوں سے بچنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کیجئے

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب : رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کیجئے۔

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ہشتم

صفحات : ۲۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کیجئے

الحمدللّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔ اما بعد:

فاعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ان اللّٰہ تعالٰی خلق الخلق، حتی اذا فرغ منہ قامت الرحم فقالت: ھذا مقام العائذبک من القطیعۃ قال: نعم اما ترضین ان اصل من وصلک واقطع من قطعک، قالت: بلٰی قال: بذلک لک۔

ثم قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: اقراوا ان شئتم: فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ﴾ (مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب صلۃ الرحم)

صلہ رحمی کی تاکید

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا۔ تو اس سے فراغت کے بعد قرابت داری اور رشتہ داری کھڑی ہوگئی۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عرش کا پایہ پکڑ کر کھڑی ہوگئی۔ اب سوال یہ ہے کہ قرابت داری اور رشتہ داری کس طرح کھڑی ہوگئی؟ یہ وہ بات ہے جس کو اللہ اور اللہ کے رسول اللہ صلی علیہ وسلم ہی جان سکتے ہیں۔ ہم اس کی کیفیت نہیں بتلا سکتے اس لئے کہ قرابت داری کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کا جسم ہو۔ لیکن بعض اوقات اللہ تعالیٰ ایسی چیزوں کو جو جسم نہیں رکھتی ہیں۔ آخرت اور ملاءِ اعلیٰ میں جسم عطا فرما دیتے ہیں۔ بہر حال۔ وہ رشتہ داری کھڑی ہوگئی۔ اور عرض کیا کہ یا اللہ! یہ ایسی جگہ ہے جہاں پر میں اپنے حق کے پامال ہونے کی پناہ مانگتی ہوں۔ یعنی دنیا میں لوگ میرے حقوق کو پامال کریں گے۔ اس سے میں پناہ چاہتی ہوں کہ کوئی میرے حق کو پامال نہ کرے ــــ جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ میں یہ اعلان کردوں کہ جو شخص تمہارے حقوق کو ضائع کرے گا، تو میں اس کو سزا دوں گا، اور اس کے حقوق کو ادا نہیں کروں گا۔ جواب میں رشتہ داری نے کہا: یا للہ! میں اس پر راضی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تمہیں یہ مقام اور درجہ دیتا ہوں۔ اور یہ اعلان کرتا ہوں کہ جو شخص رشتہ داری کے حقوق کا خیال رکھے گا اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا تو میں بھی اس کے ساتھ اچھا سلوک کروں گا۔ اور جو شخص رشتہ داروں کے حقوق کو پامال کرے گا تو میں بھی اس کے حقوق کا خیال نہیں رکھوں گا۔

یہ واقعہ اور حدیث بیان کرنے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر چاہو تو قرآن کریم کی یہ آیت پڑھ لو، جس میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْا أَرْحَامَكُمْ ○ أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمٰى أَبْصَارَهُمْ ○﴾ (سورۃ محمد: ۲۲-۲۳)

کیا ایسا ہے کہ تم زمین کے اندر فساد مچاؤ، اور رشتہ داریوں کے حقوق کو ضائع کرو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اوپر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔ اور ان کو بہرا اور اندھا بنادیا ہے ــــ قطع رحمی کرنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اتنی سخت وعید ارشاد فرمائی۔

ایک اور آیت

یہ حدیث درحقیقت ان تمام آیات قرآنی کی تفسیر ہے جن میں بار بار اللہ تعالیٰ نے رشتہ داروں کے حقوق کا خیال رکھنے کا حکم دیا ہے کہ قرابت داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ چناچہ خطبہ نکاح کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کیا کرتے تھے:

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالْأَرْحَامَ﴾

(النساء:۱)

یعنی اس اللہ سے ڈرو جس کے نام کا واسطہ دے کر تم دوسروں اپنے حقوق مانگتے ہو اور رشتہ داریوں کے حقوق پامال کرنے سے ڈرو۔ چنانچہ جب کوئی شخص دوسرے سے اپنا حق مانگتا ہے تو اللہ کا واسطہ دے کر مانگتا ہے کہ اللہ کے واسطے میرا یہ حق دیدو اور ــــ اس بات سے ڈرو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری طرف سے کسی رشتہ دار کی حق تلفی ہوجائے۔ اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ آخرت میں تمہیں عذاب دے ــــ قرآن کریم اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث رشتہ داریوں کے حقوق صحیح طور پر ادا کرنے کے بیان سے اور اس کی تاکید سے بھری ہوئی ہیں۔

"شریعت" حقوق کی ادائیگی کا نام ہے

بات دراصل یہ ہے کہ "شریعت" حقوق کی ادائیگی کا دوسرا نام ہے، شریعت میں اللہ کا حق ادا کرنا ہے۔ یا اللہ کے بندوں کا حق ادا کرنا ہے۔ پھر اللہ کے بندوں میں بھی مختلف لوگوں کے مختلف حقوق ہیں۔ مثلاً والدین کے حقوق ہیں۔ اولاد کے حقوق، بیوی کے حقوق، شوہر کے حقوق، رشتہ داروں کے حقوق ہیں۔ پڑوسیوں کے حقوق ہیں۔ ہم سفروں کے حقوق ہیں۔ اس طرح پوری شریعت حقوق سے عبارت ہے۔ ان حقوق میں سے کسی ایک کا بھی حق ادائیگی سے رہ جائے تو شریعت پر عمل ناقص ہے، اور اس کا دین ناقص ہے ـــــ اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کا حق تو ادا کردیا۔ لیکن اللہ کے بندوں کا حق ادا نہ کیا تو دین کامل نہ ہوا۔ اور دین پر عمل ادھورا رہ گیا۔ ان میں سے خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے رشتہ داروں کے حقوق بھی رکھے ہیں۔

تمام انسان آپس میں رشتہ دار ہیں

یوں اگر دیکھا جائے تو سارے ابن آدم اور سارے انسان آپس میں رشتہ دار ہیں، جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں بھی اس کا ذکر فرمایا ہے، کیونکہ تمام انسانوں کے باپ ایک ہیں، یعنی حضرت آدم علیہ السلام، جن سے ہم سب پیدا ہوئے۔ بعد میں آگے چل کر شاخیں ہوتی چلی گئیں، خاندان اور قبیلے تقسیم ہوتے چلے گئے۔ کوئی کہیں جاکر آباد ہوا۔ اور کوئی کہیں۔ اور دور کی رشتہ داریاں ہوگئیں۔ جس کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے کو رشتہ دار نہیں سمجھتے۔ ورنہ حقیقت میں تو سارے انسان ایک دوسرے کے قرابت دار اور رشتہ دار ہیں۔ البتہ کسی کی رشتہ داری قریب کی ہے۔ کسی کی رشتہ داری دور کی ہے۔ لیکن رشتہ داری ضرور ہے۔

حقوق کی ادائیگی سکون کا ذریعہ ہے

جو قریب ترین رشتہ دار ہوتے ہیں۔ جن کو عرف عام میں رشتہ دار سمجھا جاتا ہے۔ جیسے بھائی، بہن، چچا، تایہ، بیوی، شوہر، خالہ، ماموں، باپ اور ماں —— ان رشتہ داروں کے کچھ خاص حقوق اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں۔ اور ان حقوق کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اگر ان رشتہ داروں کے حقوق صحیح طور ادا کئے جائیں تو اس کے نتیجے میں زندگی پر امن اور پر سکون ہو جاتی ہے۔ یہ لڑائی اور جھگڑے یہ نفرتیں اور عادتیں، یہ مقدمہ بازیاں، یہ سب ان حقوق کو پامال کرنے کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اگر ہر شخص اپنے اپنے رشتہ داروں کے حقوق ادا کرے تو پھر کبھی کوئی جھگڑا اور کوئی لڑائی نہ ہو، کبھی مقدمہ بازی کی نوبت نہ آئے —— اس لئے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر یہ حکم دیا کہ اگر تم ان حقوق کو ادا کرو گے تو تمہاری زندگی پر سکون ہوگی —— "خاندان" کسی بھی معاشرے کی بنیاد ہوتی ہے، اگر "خاندان" متحد نہیں ہے اور خاندان والوں کے درمیان آپس میں محبتیں نہیں ہیں۔ آپس کے تعلقات درست نہیں ہیں۔ تو یہ چیز پورے معاشرے کو خراب کرتی ہے۔ اور پورے معاشرے کے اندر اس کا فساد پھیلتا ہے، اس کے نتیجے میں پوری قوم خراب ہوتی ہے۔ اس وجہ سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا خاص طور پر حکم دیا۔

اللہ کے لئے اچھا سلوک کرو

ویسے تو ہر مذہب میں اور ہر اخلاقی نظام میں رشتہ داروں کے حقوق کی رعایت کا سبق دیا گیا ہے، اور ہر مذہب والے یہ کہتے ہیں کہ رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ لیکن حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حقوق کے بارے ایک ایسا اصول بیان فرمایا ہے جو تمام دوسرے مذاہب اور اخلاقی نظاموں سے بالکل ممتاز اور الگ ہے۔ اگر وہ اصول ہمارے دلوں میں بیٹھ جائے تو پھر کبھی بھی رشتہ

داروں کے حقوق کی خلاف ورزی نہ ہو، اور ان کے ساتھ کبھی بھی بدسلوکی نہ کریں ـــــ وہ اصول یہ ہے کہ جب بھی ان کے ساتھ اچھا برتاؤ یا اچھا سلوک کرو تو یہ کام ان کو خوش کرنے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے کرو، یعنی رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے وقت یہ نیت ہونی چاہئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اس عمل سے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا مقصود ہے، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر یہ سلوک کررہا ہوں، جب انسان اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر اچھا سلوک کریگا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا وہ اپنے رشتہ داروں سے کسی "بدلے" کی توقع نہیں رکھے گا۔ بلکہ اس کے ذہن میں یہ ہوگا کہ میں تو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے ان کے ساتھ اچھا سلوک کر رہا ہوں، میرے اچھے سلوک کے نتیجے میں یہ رشتہ دار خوش ہوجائیں۔ اور میرا شکریہ ادا کریں، اور کوئی بدلہ دیں تو وہ ایک نعمت ہے، لیکن اگر وہ خوش نہ ہوں، اور بدلہ نہ دیں تو بھی مجھے ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہے۔ مجھے اپنا وہ فریضہ انجام دینا ہے جو میرے اللہ نے میرے سپرد کیا ہے۔

شکریہ اور بدلے کا انتظار مت کرو

رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کے بارے میں ہر شخص یہ کہتا ہے کہ یہ حقوق ادا کرنا اچھی بات ہے، یہ حقوق ادا کرنے چاہئیں۔ لیکن سارے جھگڑے اور سارے فساد یہاں سے پیدا ہوتے ہیں کہ جب رشتہ دار کے ساتھ اچھا سلوک کرلیا تو اب آپ اس امید اور انتظار میں بیٹھے ہیں کہ اس کی طرف سے شکریہ ادا کیا جائے گا۔ اس کی طرف سے اس حسن سلوک کا بدلہ ملے گا، اور اس انتظار میں ہیں کہ وہ میرے حسن سلوک کے بارے میں خاندان والوں میں چرچا کرے گا، اور میرے گن گائیگا۔ لیکن آپ کی یہ اُمید پوری نہ ہوئی۔ اس نے نہ تو شکریہ ادا کیا۔ اور نہ ہی بدلہ دیا۔ تو اب آپ کے دل میں اس کی طرف سے برائی آگئی کہ ہم نے اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا۔ لیکن اس نے پلٹ کر پوچھا تک نہیں۔ اس کی زبان پر کبھی "شکریہ" کا لفظ ہی نہیں آیا۔ اس نے تو کبھی بدلہ ہی نہیں دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

آپ نے اس کے ساتھ جو حسن سلوک کیا تھا اس کے ثواب کو ملیامیٹ کردیا۔ آپ اپنے دل میں اس کی طرف سے برائی لے کر بیٹھ گئے، اور آئندہ جب کبھی حسن سلوک کرنے کا موقع آئے گا تو آپ یہ سوچیں گے کہ اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے کیا فائدہ اس کی زبان پر تو کبھی "شکریہ" کا لفظ بھی نہیں آتا۔ میں اس کے ساتھ کیا اچھائی کروں۔ چنانچہ آئندہ کے لئے اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا چھوڑ دیا۔ اور ابتک جو اس کے ساتھ حسن سلوک کیا تھا۔ اس کا ثواب بھی اکارت گیا۔ اس لئے کہ ابتک بھی اس کے ساتھ جو حسن سلوک کیا تھا۔ وہ اللہ کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ وہ تو "شکریہ" اور "بدلہ" لینے کے لئے کیا تھا۔ اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی کے ساتھ حسن سلوک کرو تو صرف اللہ کو راضی کرنے کے لئے کرو، اس خیال سے مت کرو کہ یہ میرے ساتھ بھی بدلے میں حسن سلوک کرے گا۔ یا میرا شکریہ ادا کرے گا۔

صلہ رحمی کرنے والا کون ہے؟

ایک حدیث جو ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے۔ وہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ لٰكِنَّ الْوَاصِلُ مَنْ إِذَاقُطِعَتْ رحمه وصلها﴾

(بخاری، کتاب الادب، باب لیس الواصل بالمکافی)

یعنی وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے جو اپنے کسی رشتہ دار کی صلہ رحمی کا بدلہ دے کہ دوسرا رشتہ دار میرے ساتھ جتنی صلہ رحمی کرے گا میں بھی اتنی ہی صلہ رحمی کروں گا، اور اگر وہ صلہ رحمی کرے گا تو میں بھی کروں گا۔ اگر وہ نہیں کرے گا تو میں بھی نہیں کروں گا، ایسا شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے۔ اس کو صلہ رحمی کا اجر وثواب نہیں ملے گا۔ بلکہ صلہ رحمی کرنے والا حقیقت میں وہ شخص

ہے کہ دوسرا تو اس کا حق ضائع کر رہا ہے، اور اس کے ساتھ قطع تعلق کر رہا ہے، لیکن یہ شخص پھر بھی اللہ کی رضا جوئی کی خاطر اس کے ساتھ اچھا معاملہ کر رہا ہے، یہ شخص حقیقت میں صلہ رحمی کرنے والا ہے اور صلہ رحمی کے اجر وثواب کا مستحق ہے۔

ہمیں رسموں نے جکڑ لیا ہے

آج جب کسی شخص سے پوچھا جائے کہ رشتہ داروں کا بھی کچھ حق ہے؟ ہر ایک ہم سے یہی جواب دے گا کہ رشتہ داروں کے بہت حقوق ہیں۔ لیکن کون شخص ان حقوق کو کس درجے میں کس طرح ادا کر رہا ہے؟ اگر اس کا جائزہ لے کر دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ ہمارے سارے معاشرے کو رسموں نے جکڑ لیا ہے، اور رشتہ داروں سے جو تعلق ہے وہ صرف رسموں کی ادائیگی کی حد تک ہے اس سے آگے کوئی تعلق نہیں۔ مثلاً اگر کسی کے گھر شادی بیاہ ہے تو اس موقع پر اس کو کوئی تحفہ دینے کو دل نہیں چاہ رہا ہے، یا دینے کی طاقت نہیں ہے تو اب یہ سوچ رہے ہیں کہ اگر تقریب میں خالی ہاتھ چلے گئے تو برا معلوم ہوگا۔ چنانچہ اب بادل ناخواستہ اس خیال سے تحفہ دیا جا رہا ہے کہ اگر نہ دیا تو ناک کٹ جائے گی۔ اور خاندان والے کیا کہیں گے اور جس کے یہاں شادی ہو رہی ہے وہ یہ کہے گا کہ ہم نے تو اس کی شادی میں یہ تحفہ دیا تھا۔ اور اس نے ہمیں کچھ نہ دیا۔ چنانچہ یہ تحفہ دل کی محبت سے نہیں دیا جا رہا ہے بلکہ رسم پوری کرنے کے لئے نام و نمود کے لئے دیا جا رہا ہے" جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس تحفہ دینے کا ثواب تو ملا نہیں، بلکہ بنام و نمود کی نیت کی وجہ سے اُلٹا گناہ ہوگیا۔

تقریبات میں "نیوتہ" دینا حرام ہے

ایک رسم جو ہمارے معاشرے میں پھیلی ہوئی ہے، کسی علاقے میں کم اور کسی علاقے میں زیادہ ہے، وہ ہے "نیوتہ" کی رسم۔ تقریبات میں لینے دینے کی رسم کو

"نیوتہ" کہا جاتا ہے، ہر ایک کو یہ یاد ہوتا ہے کہ فلاں شخص نے ہماری تقریب کے موقع پر کتنے پیسے دیئے تھے، اور میں کتنے دے رہا ہوں۔ بعض علاقوں میں تو تقریبات کے موقع پر باقاعدہ فہرست تیار کی جاتی ہے کہ فلاں شخص نے اتنے پیسے دیئے، فلاں شخص نے اتنے پیسے دیئے۔ پھر اس فہرست کو محفوظ رکھا جاتا ہے، اور پھر جس شخص نے پیسے دیئے ہیں۔ اس کے گھر جب کوئی شادی بیاہ کی تقریب ہوگی تو اب یہ ضروری ہے کہ جتنے پیسے اس نے دیئے تھے، اتنے پیسے اس کی تقریب میں دینا لازم اور ضروری ہے۔ چاہے قرض لے کر دے، یا اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ کاٹ کر دے، یا چوری اور ڈاکہ ڈال کر دے، لیکن دینا ضرور ہے، اگر نہیں دے گا تو یہ اس معاشرے کا بدترین مجرم کہلائے گا۔ اسے "نیوتہ" کہا جاتا ہے۔ دیکھئے اس میں یہ پیسے صرف اس لئے دے جارہے ہیں کہ میرے گھر میں جب تقریب کا موقع آئے گا تو بھی دے گا، لہٰذا "بدلہ" کے خیال سے جو پیسے دے جارہے ہیں یہ حرام قطعی ہیں، قرآن کریم نے اس کے لئے "ربوا" کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ رِبًا لِيَرْبُوَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُو عِنْدَ اللَّهِ وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ﴾ (سورۃ الروم:۳۹)

تم لوگوں کو نیوتہ کے طور پر کو جو کچھ ہدیہ یا تحفہ دیتے ہو (لیکن اس خیال سے دیا کہ وہ میری تقریب پر یا تو اتنا ہی دے گا، یا اس سے زیادہ دے گا) تاکہ اس سے مال کے اندر اضافہ ہو، تو یاد رکھو اللہ کے نزدیک اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ اور جو زکوٰۃ یا صدقہ تم اللہ کی رضامندی کی نیت سے دیتے ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے مال میں چند درچند اضافہ فرماتے ہیں۔

تحفہ کس مقصد کے تحت دیا جائے؟

لہٰذا اگر کسی شخص کے دل میں خیال آیا کہ میرے ایک عزیز کے یہاں خوشی کا موقع ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس کو کوئی ہدیہ پیش کروں۔ اور اس کی خوشی

کے اندر میں بھی شریک ہو جاؤں، اور ہدیہ دینے سے "بدلہ" اور نام نمود اور دکھاوا پیش نظر نہیں ہے۔ بلکہ اپنی رشتہ داری کا حق ادا کرنا ہے اور اللہ کو راضی کرنا ہے تو اس صورت میں تحفہ دینا اور پیسہ دینا اجر و ثواب کا باعث ہوگا۔ اور یہ تحفے اور پیسے صلہ رحمی میں لکھے جائیں گے۔ بشرطیکہ ہدیہ دینے سے اللہ کو راضی کرنا مقصود ہو۔

مقصد جانچنے کا طریقہ

اس کی پہچان کیا ہے کہ ہدیہ دینے سے اللہ کو راضی کرنا مقصود ہے یا "بدلہ" لینا مقصود ہے؟ اس کی پہچان یہ ہے کہ اگر ہدیہ دینے کے بعد اس بات کا انتظار لگا ہوا ہے کہ سامنے والا شخص اس کا شکریہ ادا کرے، اور کم از کم پلٹ کر اتنا تو کہدے آپ کا بہت بہت شکریہ۔ یا اس بات کا انتظار ہے کہ جب میرے گھر کوئی تقریب ہوگی تو یہ تقریب کے موقع کوئی ہدیہ تحفہ پیش کرے گا۔ یا اگر بالفرض تمہارے ہاں کوئی تقریب ہو تو وہ کوئی ہدیہ تحفہ نہ لائے تو اس وقت تمہارے دل پر میل آجائے، اور اس کی طرف سے تمہیں شکایت ہو کہ ہم نے تو اتنا دیا تھا، اور اس نے تو کچھ بھی نہیں دیا۔ یا ہم نے زیادہ دیا تھا، اور اس نے ہمیں کم دیا۔ یہ سب اس بات کی علامت ہیں کہ اس دینے میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مقصود نہیں تھی۔ لہٰذا دیا بھی، اور اس کو ضائع بھی کردیا۔ لیکن اگر ہدیہ دینے کے بعد ذہن کو فارغ کر دیا کہ چاہے یہ میرا شکریہ ادا کرے یا نہ کرے۔ میرے یہاں تقریب کے موقع پر چاہے دے یا نہ دے، لیکن مجھے اللہ تعالیٰ نے دینے کی توفیق دی تو میں نے اللہ کو راضی کرنے کے لئے اپنے رشتہ داروں کی خوشی کے موقع پر اس کی خدمت میں ہدیہ پیش کردیا۔ نہ تو مجھے شکریہ کا انتظار ہے، اور نہ بدلے کا انتظار ہے، اگر میرے گھر میں تقریب کے موقع پر یہ کچھ نہ دے تو بھی میرے دل پر میل نہیں آئے گا۔ میرے دل میں شکایت پیدا نہیں ہوگی تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ ہدیہ اللہ کی رضامندی کی خاطر دیا گیا ہے، یہ ہدیہ دینے والے اور لینے والے دونوں کے لئے مبارک ہے۔

"ہدیہ" حلال طیب مال ہے

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی مسلمان کا وہ ہدیہ جو خوش دلی اور محبت سے دیا گیا ہو۔ نام و نمود کے لئے نہ دیا گیا ہو، وہ ہدیہ کائنات میں سب سے زیادہ حلال اور طیب مال ہے، اس لئے کہ جو پیسہ تم نے خود کمایا ہے اس میں اس بات کا امکان ہے کہ کہیں اس مال کے کمانے میں کہ تم سے کوئی زیادتی ہو گئی ہو۔ یا کوئی کوتاہی ہو گئی ہو، جس کے نتیجے میں اس کے حلال طیب ہونے میں کمی رہ گئی ہو، لیکن اگر ایک مسلمان تمہارے پاس اخلاص و محبت کے ساتھ اور محض اللہ کی خاطر کوئی ہدیہ لے کر آیا ہے۔ اس کے حلال ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہدیہ کی بہت قدر فرمایا کرتے تھے۔ اسی وجہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہدیہ دینے کے اصول مقرر تھے۔ اور ہدیہ کی آپ بہت قدر فرمایا کرتے تھے، اور باقاعدہ اہتمام کر کے اس کو اپنے کسی مصرف میں خرچ کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ یہ مسلمان کا حلال طیب مال ہے جو اس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر دیا ہے، اس لئے یہ مال بڑی برکت والا ہے ــــ بہرحال، جو ہدیہ اللہ کے لئے دیا جائے وہ دینے والے کے لئے بھی مبارک، لینے والے کے لئے بھی مبارک، اور جس ہدیہ کا مقصد حرص ہو اور نام و نمود ہو اس میں نہ دینے والے کی لئے برکت، اور نہ لینے والے کے لئے برکت ہے۔

انتظار کے بعد ملنے والا ہدیہ بابرکت نہیں

حتیٰ کہ حدیث شریف میں یہ تک بیان فرمایا گیا ہے کہ اگر آپ کا کسی شخص کی طرف دہیان لگا ہوا ہے کہ فلاں شخص میرے پاس ملاقات کے لئے آئے گا مجھے ہدیہ پیش کرے گا۔ اب آپ کو اس کے آنے کا اشتیاق اور انتظار ہو رہا ہے۔ تو اس صورت میں اس ہدیہ کے اندر برکت نہیں ہوگی۔ اور جو ہدیہ طلب کے بغیر اور

انتظار کے بغیر اس طرح آپ کو ملا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندہ کے دل میں یہ خیال ڈالا کہ وہ تمہیں ہدیہ پیش کرے۔ اس نے وہ ہدیہ لا کر پیش کر دیا۔ وہ ہدیہ بڑی برکت والا ہے۔ گویا کہ اشتیاق اور انتظار سے اس ہدیہ کی برکت میں کمی آجاتی ہے۔ اس لئے کہ ہدیہ آنے سے پہلے ہی اس میں اپنی نفسانی غرض بھی شامل ہو گئی۔ اس لئے اس میں اتنی برکت نہیں ہو گی۔

ایک بزرگ کا واقعہ

ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے: جو بڑے اللہ والے درویش بزرگ تھے، اور اللہ والوں پر بڑے بڑے کٹھن حالات پیش آتے ہیں۔ ایک مرتبہ ان پر فاقوں کی نوبت آگئی۔ کئی دن سے فاقہ تھا، اور مریدین اور معتقدین کی مجلس میں وعظ فرمارہے تھے، آواز میں بہت کمزوری تھی۔ آہستہ اور پست آواز سے بیان فرمارہے تھے۔ مجلس میں ایک مرید نے جب یہ حالت دیکھی تو سمجھ گئے کہ بھوک کی شدت کی وجہ سے یہ کمزوری ہے۔ شاید ان پر فاقے گزر رہے ہیں۔ چنانچہ وہ اس خیال سے مجلس سے اٹھ کر چلے گئے کہ میں شیخ کے لئے کھانے کا انتظام کروں۔ تھوڑی دیر کے بعد کھانا لے کر اور ایک تھال میں لگا کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کھانا دیکھ کر شیخ نے تھوڑی دیر تامل کرکے فرمایا کہ نہیں۔ یہ کھانا لے جاؤ۔ میں اس کو قبول نہیں کرتا۔ چنانچہ وہ مرید کھانا لے کر واپس چلے گئے ـــــ آجکل کے مریدوں کی طرح کوئی ہوتا تو وہ اصرار کرتا کہ نہیں جی۔ آپ یہ کھانا ضرور کھائیں۔ مگر وہ مرید جانتا تھا کہ شیخ کامل ہیں۔ اور شیخ کامل کا حکم بے چوں و چرا ماننا چاہیئے۔ اور وہ کھانے سے انکار تکلفاً نہیں کررہے ہیں بلکہ کوئی وجہ ہی ہو گی جس کی وجہ سے کھانے سے انکار کر رہے ہیں۔ اس وجہ سے وہ کھانا لے کر واپس چلا گیا ـــــ پھر کچھ وقت گزرنے کے بعد مرید دوبارہ کھانا لے کر آیا۔ اور ان کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ حضرت اب قبول فرمالیجئے۔ شیخ نے فرمایا کہ ہاں! اب میں قبول کرتا ہوں۔

بعد میں مرید نے بتایا کہ جب میں پہلی مرتبہ کھانا لے کر آیا، اور حضرت نے کھانے سے انکار کردیا تو میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ حضرت والا کھانے سے جو انکار کررہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب میں کھانا لینے کے لئے مجلس سے اٹھ کر گیا تو حضرت والا کے دل میں یہ خیال آیا کہ شاید یہ میری کمزوری دیکھ کر سمجھ گیا اور شاید یہ میرے کھانے کا بندوبست کرنے گیا ہو، جس کی وجہ سے کھانے کا انتظار لگ گیا۔ لہٰذا جب میں کھانا لے کر آیا تو وہ کھانا انتظار اور اشتیاق کے عالم میں ملا، اور یہ حدیث سامنے تھی کہ جو ہدیہ انتظار اور اشتیاق کے عالم میں ملے اس ہدیہ میں برکت نہیں ہوتی، اس لئے انہوں نے وہ کھانا قبول کرنے سے انکار کردیا۔ چنانچہ وہ کھانا لے کر میں واپس چلا گیا۔ تاکہ ان کا انتظار اور اشتیاق ختم ہو جائے، پھر تھوڑی دیر کے بعد میں وہی کھانا لے کر دوبارہ حاضر ہوگیا تو اب ہدیہ قبول کرنے میں جو رکاوٹ تھی۔ وہ ختم ہوگئی تھی۔ اس لئے شیخ نے اس کو قبول فرمالیا ـــــ بہر حال اگر ہدیہ میں انتظار لگ جائے، یا اس کے دینے میں نام نمود اور شہرت کی نیت کرلی جائے۔ یا اس کے بدلے میں طمع اور لالچ پیدا ہوجائے۔ تو یہ چیزیں ہدیہ کی برکت اور نور کو زائل کر دیتی ہیں۔

ہدیہ دو محبت بڑھاؤ

حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿تهادوا تحابوا﴾

(المؤطا، فی حسن الخلق، باب ماجاء فی المہاجرة)

ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو تو تمہارے درمیان آپس میں محبت پیدا ہوں۔ لیکن یہ محبت اس وقت پیدا ہوگی جب اللہ کو راضی کرنے کے لئے یہ ہدیہ دیا جارہا ہو۔ قرابت داری کا حق ادا کرنے کے لئے، اپنی آخرت سنوارنے کے لئے اور اللہ کے سامنے سرخ رو ہونے کے لئے وہ ہدیہ دیا جارہا ہو۔ لیکن آج ہم لوگ ان مقاصد کی لئے ہدیہ نہیں دیتے۔ چنانچہ شادیوں کے موقع پر دیکھ لیں کہ کس نیت سے تحفہ دیا

جارہا ہے۔ صرف رسم پوری کرنے کے لئے تحفہ دیدیں گے۔ لیکن رسم کے علاوہ کبھی کوئی تحفہ کسی رشتہ دار کو دینے کی توفیق نہیں ہوتی۔ چنانچہ بعض اوقات مردوں کے دل میں خیال بھی آتا ہے کہ فلاں عزیز کو فلاں تحفہ دیدیں، اکثر خواتین اپنے شوہر کو یہ کہہ کر روک دیتی ہیں کہ اس وقت تحفہ دینے سے کیا فائدہ؟ ان کے ہاں فلاں تقریب ہونے والی ہے۔ اس موقع پر تحفہ پیش کریں گے تو ذرا نام بھی ہو جائے گا۔ اور اس وقت اپنا بوجھ بھی اترے گا۔ اس وقت دینے کیا فائدہ ــــ حالانکہ سارہ فائدہ تو اس وقت دینے میں ہے، اس لئے کہ جس وقت دل میں کسی تصنع اور تکلف اور بناوٹ کے بغیر محض اللہ کی خاطر اپنے کسی عزیز یا دوست کو خوش کرنے کے لئے تحفہ دینے کا داعیہ پیدا ہوا، بس تحفہ دینے کا وہی صحیح موقع ہے۔ اسی وقت تحفہ اور ہدیہ دے دو۔

نیکی کے تقاضے پر جلد عمل کرلو

بزرگوں نے فرمایا کہ جب دل میں کسی نیک کام کرنے کا شوق اور جذبہ پیدا ہوا کہ فلاں نیک کام کرلوں تو اس نیک کام کو جتنا جلد ہو سکے کر ڈالو۔ اس کام کو ٹلاؤ نہیں، آئندہ کے لئے اس کو مؤخر اور ملتوی نہ کرو۔ اس لئے کہ نیک کام کرنے کا یہ شوق جس اخلاص اور جذبے کے ساتھ پیدا ہوا ہے، خدا جانے وہ شوق کل کو باقی رہے یا نہ رہے، کل کو حالات سازگار رہیں یا نہ رہیں، کل کو موقع ملے یہ نہ ملے، اس لئے فوراً اس شوق پر عمل کرلو۔

نیکی کا تقاضہ اللہ کا مہمان ہے

ہمارے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "نیکی کا داعیہ" اللہ تعالیٰ کا مہمان ہے اور صوفیاء کرام اس کو "وارد" کہتے ہیں۔ یہ "وارد" اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والا مہمان ہے۔ اگر تم نے اس مہمان کی

عزت اور اکرام کیا تو یہ مہمان دوبارہ آئے گا۔ اور بار بار آئے گا، اور اگر تم نے اس مہمان کو دھتکار دیا، اور اس کا اکرام نہ کیا، مثلاً دل میں نیک کام کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ لیکن اس خیال کو یہ سوچ کہ جھٹک دیا کہ میاں چھوڑو، بعد میں دیکھا جائے گا۔ تو تم نے اللہ کے مہمان کی ناقدری کی۔ اور بے عزتی کی، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ مہمان ناراض ہو جائے گا۔ اور آنا چھوڑ دے گا۔ اور اگر تم نے اس خیال پر عمل کرتے ہوئے وہ نیک کام کرلیا تو اللہ تعالیٰ پھر دوبارہ اس مہمان کو تمہارے پاس بھیجیں گے۔ اور وہ داعیہ کسی اور موقع پر کوئی اور نیک کام تم سے کرالے گا۔ اس لئے جس وقت کسی عزیز یا دوست کو تحفہ اور ہدیہ دینے کا داعیہ دل میں پیدا ہوا۔ بس اسی وقت اس داعیہ پر عمل کر ڈالو۔

ہدیہ کی چیز مت دیکھو بلکہ جذبہ دیکھو

پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تعلیم یہ دی کہ یہ مت دیکھو کہ ہدیہ اور تحفے کے طور پر کیا چیز دی جارہی ہے، بلکہ یہ دیکھو کہ کس جذبے کے ساتھ وہ تحفہ اور ہدیہ دیا جارہا ہے، اگر چھوٹی سی چیز بھی محبت سے پیش کی جائے۔ یقیناً وہ اس بڑی چیز سے ہزار درجہ بہتر ہے جو صرف دکھاوے اور نام و نمود کے لئے دی جائے۔ اس لئے ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

﴿لا تحقرن جارة لجارتها ولو فرسن شاة﴾

(بخاری کتاب الادب، باب لا تحقرن جارة لجارتها)

یعنی اگر کوئی پڑوسن کوئی ہدیہ بھیجے تو اس کو کبھی حقیر مت سمجھو، چاہے وہ ہدیہ ایک بکری کا پایہ ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ اس چیز کو مت دیکھو جو پیش کی جارہی ہے۔ بلکہ اس جذبے کو دیکھو جس جذبے کے ساتھ وہ پیش کی جارہی ہے، اگر محبت کے جذبے سے پیش کی گئی ہے، اس کی قدر کرو۔ وہ ہدیہ تمہارے لئے مبارک ہے۔ لیکن اگر بہت قیمتی چیز تمہیں ہدیہ میں دی گئی۔ مگر دکھاوے کے خاطر دی گئی۔ تو اس

میں برکت نہیں ہوگی۔ اس لئے اللہ کا کوئی بندہ تمہیں کوئی چھوٹی سی چیز ہدیے میں دے تو اس کو مبارک سمجھ کر قبول کرلو۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ عموماً چھوٹی چیز ہدیہ میں دینے میں دکھاوا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ وہ چیز ہی معمولی سی ہے، اس میں کیا دکھاوا کریں۔ اور قیمتی چیز ہدیہ میں دینے میں دکھاوا آجاتا ہے۔ اس لئے ہدیہ میں اگر کوئی شخص چھوٹی چیز دے تو اس کی زیادہ قدر کرنی چاہئے۔

ایک بزرگ کی حلال آمدنی کی دعوت

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ واقعہ سنایا کرتے تھے کہ دیوبند میں ایک بزرگ گھانس کاٹا کرتے تھے۔ اور گھانس بیچ کر اپنا گزارہ کرتے تھے، یومیہ ان کی آمدنی چھ پیسے ہوتی تھی، ان کی تقسیم اس طرح کر رکھی تھی کہ دو پیسے تو اپنے استعمال میں لاتے، اور دو پیسے صدقہ خیرات کرتے، اور دو پیسے جو بچتے، ان کو دار العلوم دیوبند کے بڑے بڑے اکابر اور علماء کی دعوت کے لئے جمع کرتے۔ جب کچھ پیسے جمع ہو جاتے تو علماء اور اکابر دیو بند کی دعوت کرتے۔ جن میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ۔ یہ حضرات فرماتے تھے کہ ہمیں سارے مہینے ان بزرگ کی دعوت کا انتظار رہتا ہے۔ جبکہ بڑے بڑے دولت مند اور روساء بھی دعوت کرتے تھے، ان کا انتظار نہیں رہتا تھا اس لئے یہ ایک اللہ کے بندے کی حلال طیب کمائی سے اور خالص محبت فی اللہ کی خاطر یہ دعوت کی جاتی تھی۔ اور اس میں جو نورانیت محسوس ہوتی وہ کسی اور دعوت میں نہیں محسوس ہوتی تھی۔ فرماتے تھے جب اس اللہ کے نیک بندے کی دعوت کھالیتے ہیں تو کئی دن تک دل میں نور محسوس ہوتا ہے۔ اور عبادت کرنے اور ذکر واذکار میں مشغول رہنے کی خواہش رہتی ہے ـــــ بہر حال، چھوٹی اور معمولی چیز ہدیہ میں دینے میں اخلاص کی زیادہ توقع ہے بڑی چیز کے مقابلے میں، اس لئے معمولی ہدیے کی زیادہ قدر کرنی چاہئے۔

ہدیہ میں رسمی چیز مت دو

پھر ہدیہ دینے میں اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ہدیہ اور تحفہ کا مقصد راحت پہنچانا اور اس کو خوش کرنا ہے۔ لہٰذا جو ہدیہ رسم پوری کرنے کے لئے دیا جاتا ہے، اس میں راحت کا یا خوشی کا خیال نہیں رکھا جاتا، بلکہ اس میں رسم پوری کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اس لئے ایسے ہدیہ میں صرف وہ رسمی چیز ہی دی جاتی ہے، مثلاً یا تو مٹھائی کا ڈبہ دیدیا، یا کپڑے کا جوڑا دیدیا وغیرہ، اگر اس مخصوص چیز کے علاوہ کوئی دوسری چیز لے جائیں گے تو یہ رسم کے خلاف ہوگی، اور اس کو بطور ہدیہ دیتے ہوئی شرم آئے گی کہ یہ بھی کوئی ہدیہ ہے۔ لیکن جو شخص اللہ کے لئے اخلاص کے ساتھ کوئی ہدیہ دے گا وہ تو یہ دیکھے گا کہ اس شخص کی ضرورت کی چیز کیا ہے؟ میں وہ چیز اس کو ہدیہ میں دوں، تاکہ اس کے ذریعہ اس کو فائدہ اور راحت پہنچے۔

ایک بزرگ کے عجیب ہدایا؟

ایک بزرگ گزرے ہیں حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ، یہ تبلیغی جماعت کے معروف حضرات میں سے تھے۔ حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہ سے بڑی محبت فرماتے، اور بکثرت ان کے پاس آیا کرتے تھے۔ ہمیں یاد ہے کہ جب یہ بزرگ حضرت والد صاحب سے ملنے کے لئے دارالعلوم تشریف لاتے تو وہ ایسے عجیب و غریب چیزیں ہدیہ میں لاتے کہ ہم نے ایسے ہدیے کہیں اور نہیں دیکھے، مثلاً کبھی کاغذ کا ایک دستہ لے آئے۔ اور حضرت والد صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اب دیکھے کاغذ کا دستہ آج تک کسی نے ہدیہ میں پیش نہیں کیا۔ مگر وہ اللہ کے بندے جانتے تھے کہ حضرت مفتی صاحب کا ہر وقت لکھنے کا کام ہوتا ہے۔ یہ کاغذ ان کے کام آئے گا۔ اور لکھنے کا جو نیک کام کریں گے۔ اس میں میرا بھی حصہ لگ جائے گا، اور مجھے بھی ثواب مل جائے گا۔ کبھی روشنائی کی دوات لاکر حضرت والد صاحب کی خدمت میں پیش کردیتے۔ اب بتایئے جو شخص دکھاوا کرے گا، وہ کبھی روشنائی کی

دوات پیش کرے گا؟ لیکن جس شخص کے پیش نظر ہدیہ کے ذریعہ اللہ کو راضی کرنا ہے۔ اور جس شخص کے پیش نظر سامنے والے کو راحت اور آرام پہنچانا ہے۔ اسی شخص کے دل میں یہ خیال آسکتا ہے کہ ایسا ہدیہ بھی پیش کیا جاسکتا ہے، اب اگر مٹھائی کا ڈبہ ہدیہ میں پیش کر دیتے تو حضرت والد صاحب مٹھائی تو کھاتے نہیں تھے۔ وہ دوسروں کے کھانے میں آتی۔

ہدیہ دینے کے لئے عقل چاہئے

بہرحال ہدیہ اور تحفہ دینے کے لئے بھی عقل چاہئے، اور یہ عقل بھی اللہ کی توفیق سے اور اللہ کی رضا جوئی اور اخلاص سے ملتی ہے، لیکن جہاں ہدیہ دینے کا مقصد ریا اور نام و نمود ہو۔ وہاں یہ عقل کام نہیں آتی۔ وہاں تو انسان رسموں کے پیچھے پڑا رہتا ہے، وہ تو یہ سوچے گا اگر میں ہدیہ میں روشنائی کی دوات لے کر جاؤں گا تو بڑی شرم معلوم ہوگی، اگر مٹھائی کا ڈبہ لے جاتا تو ذرا دیکھنے میں بھی اچھا لگتا۔ آج ہمارے پورے معاشرے کو رسموں نے جکڑ لیا ہے۔ اور اس طرح جکڑ لیا ہے کہ عزیز اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا جو معاملہ کرتے ہیں۔ اس کو بھی ان رسموں نے تباہ کر دیا ہے۔ چنانچہ ہدیہ اور تحفہ دینا بڑی اچھی چیز ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے۔ لیکن ہم نے اس کو رسموں کی جکڑ بندی میں لاکر اس کا ثواب غارت کیا، اس کا نور بھی غارت کیا، اور اس کی برکت بھی غارت کی، اور الٹا اپنے ذمے گناہ لے لیا۔ خوب یاد رکھئے یہ "نیوتہ" وغیرہ حرام قطعی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص خوش دلی سے بدلے اور شکریے کی توقع کے بغیر اگر دے گا تو انشاء اللہ اس پر اجر و ثواب ملے گا۔

ہر کام اللہ کے لئے کرو

یہ تو ہدیہ اور تحفے کی بات تھی۔ اس کے علاوہ بھی عزیز و رشتہ داروں کے حقوق

ہیں، مثلاً کسی کے دکھ درد میں شریک ہو گئے۔ کسی کی ضرورت کے موقع پر اس کے کام آگئے وغیرہ، اس میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ جب کسی عزیز رشتہ دار کا کوئی کام کرو تو صرف اللہ کے لئے کرو۔ اور اس خیال سے مت کرو کہ یہ میرے گن گائے گا، یا میرا شکریہ ادا کرے گا۔ یا مجھے بدلہ دے گا اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اس کا کام بھی کرو گے، اور پھر بھی دنیامیں خوشی حاصل نہیں ہو گی۔

رشتہ دار بچھو کے مانند ہیں

ہمارے معاشرے کی غلط فکر کی وجہ سے عربی زبان میں ایک مثل مشہور ہے کہ "الاقارب کالعقارب" "اقارب" کے معنی ہیں رشتہ دار، اور عقارب عقرب کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں بچھو۔ معنی یہ ہوئے کہ رشتہ دار بچھو جیسے ہیں ہر وقت ڈنگ مارنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ کبھی راضی نہیں ہوتے، یہ مثل اس لئے مشہور ہوئی کہ رشتہ داروں کے ساتھ جب بھی حسن سلوک کیاتو اس امید کے ساتھ کیا کہ ان کی طرف سے جواب ملے گا۔ لیکن جب توقع کے مطابق جواب نہیں ملا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بچھو ہو گئے ـــــ اگر یہ حسن سلوک اس نیت سے کیا جاتا کہ میرے اللہ نے حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ اور یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اس وقت انسان یہ سوچتا ہے کہ یہ رشتہ دار جواب دے یا نہ دے، لیکن اللہ تو جواب دینے والا موجود ہے، اس لئے کہ میں نے یہ کام اللہ کے لئے کیا ہے ـــــ مزہ تو اسی وقت ہے کہ تم رشتہ داروں کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کرتے رہو، اور ان کی طرف سے جواب نہ ملے، بلکہ الٹا جواب ملے، مگر پھر بھی ان کے ساتھ حسن سلوک اس نیت سے کئے جاؤ کہ جس کے لئے کر رہے ہیں۔ وہ جواب دینے والا موجود ہے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص نہیں ہے جو بدلے کا انتظار کرے، بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص ہے کہ دوسرے تو قطع رحمی کریں، لیکن یہ اس کے باوجود صلہ رحمی کرے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ داروں سے سلوک

حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے کہ آپ نے رشتہ داروں کے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ چند رشتہ داروں کے علاوہ باقی سب رشتہ دار آپ کی جان کے دشمن اور خون کے پیاسے تھے، اور آپ کو تکلیفیں پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، یہاں تک کہ آپ کے چچا اور چچا کے بیٹے جو قریب ترین عزیز تھے، مگر آپ کو تکلیف پہنچانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے رشتہ داری کا حق ادا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر جب بدلہ لینے کا وقت آیا تو آپ نے سب کو معاف کردیا، اور یہ اعلان فرمادیا کہ جو شخص حرم میں داخل ہو جائے گا وہ بھی مأمون ہے جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے گا وہ بھی مأمون ہے، اور کسی سے بدلہ نہیں لیا، اور نہ کسی سے یہ توقع رکھی کہ وہ میرے حسن سلوک کا بدلہ دے گا — لہٰذا رشتہ داروں کی بدسلوکی پر حسن سلوک کرنا بھی سنت ہے اور اچھائی کے ساتھ بدلہ دینا بھی سنت ہے۔

مخلوق سے اچھی توقعات ختم کردو

اسی لئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مواعظ میں بڑے تجربے کی بات فرمائی ہے، فرمایا کہ دنیا میں راحت سے رہنے کا صرف ایک ہی نسخہ ہے۔ وہ یہ کہ مخلوق سے توقعات ختم کردو۔ مثلاً یہ توقع رکھنا کہ فلاں شخص میرے ساتھ اچھائی کرے گا۔ فلاں شخص میرے کام آئے گا۔ فلاں شخص میرے دکھ درد میں شریک ہوگا، یہ تمام توقعات ختم کرکے صرف ایک ذات یعنی اللہ جل شانہ سے توقع رکھو، اس لئے کہ مخلوقات سے توقع ختم کرنے کے بعد اگر ان کی طرف سے کوئی اچھائی ملے گی تو وہ خلاف توقع ملے گی، اس کے نتیجے میں خوشی بہت ہوگی، کیونکہ خلاف توقع ملی ہے اور اگر مخلوق کی طرف سے کوئی تکلیف

پہنچے گی تو پھر رنج زیادہ نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اچھائی کی توقع تو تھی نہیں، تکلیف ہی کی توقع تھی، وہ تکلیف توقع کے مطابق ہی ملی، اس لئے صدمہ اور رنج زیادہ نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اچھائی کی توقع کے بعد تکلیف پہنچے تو صدمہ اور رنج بہت زیادہ ہوتا ہے کہ توقع تو یہ تھی اور یہ ملا، لہٰذا توقع کے بغیر جو اچھائی مل رہی ہے وہ سب بونس ہے۔

دنیا دکھ ہی پہنچاتی ہے

دنیا کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کو دکھ ہی پہنچاتی ہے، اگر کبھی خوشی اور منفعت حاصل ہوجائے تو سمجھ لو کہ یہ اللہ کا خاص انعام ہے، اور اگر دکھ آئے تو سمجھ لو کہ یہ تو آنا ہی تھا، اس لئے اس پر زیادہ صدمہ کرنے کی ضرورت نہیں —— یہ بات بالکل سو فیصد درست ہے۔ اگر ہم اس بات کو پلے باندھ لیں اور اس پر عمل کرلیں تو پھر سارے شکوے اور شکایتیں ختم ہوجائیں۔ اس لئے کہ یہ شکوے اور شکایتیں توقعات کے بعد ہی پیدا ہوتے ہیں۔ جو توقع رکھنی ہے اللہ تعالیٰ سے رکھو، مخلوقات سے توقع رکھنا چھوڑدو گے تو انشاء اللہ راحت اور آرام میں آجاؤ گے۔

اللہ والوں کا حال

ہمارے بڑے یہ نسخہ بتا گئے، اور میں نے آپ کے سامنے یہ نسخہ بتا دیا۔ اور آپ نے سن لیا۔ لیکن محض کہنے اور سننے سے بات نہیں بنتی ہے، بلکہ اس بات کو دل میں بٹھائیں، اور اس کی مشق کریں، بار بار اپنا جائزہ لیں کہ ہم نے دوسروں سے کون کون سی توقعات باندھ رکھی ہیں؟ اور کیوں باندھ رکھی ہیں؟ اللہ سے توقعات کیوں نہیں باندھیں؟ آپ نے اللہ والوں کو دیکھا ہوگا کہ وہ ہمیشہ خوش رہتے ہیں۔ ان کے اوپر بڑے سے بڑا غم بھی آجائے گا تو تھوڑا بہت رنج ہوگا، لیکن وہ غم ان کے اوپر مسلط نہیں ہوگا، اور وہ غم ان کو بے چین اور بے تاب نہیں کرے گا،

کیونکہ انہوں نے اپنے مالک سے اپنا تعلق جوڑا ہوا ہے، مخلوق کی طرف نگاہ نہیں ہے۔ مخلوق سے توقعات نہیں، مخلوق سے کچھ نہیں مانگتے، جو کچھ مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سکون اور اطمینان سے رہتے ہیں۔

ایک بزرگ کا واقعہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کے بارے میں لکھا ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ حضرت کیا حال ہے؟ کیسے مزاج ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ الحمدللہ بہت اچھا حال ہے، پھر فرمایا کہ میاں اس شخص کیا کیا حال پوچھتے ہو کہ اس کائنات میں کوئی کام اس کی مرضی کے خلاف نہیں ہوتا۔ یعنی میں وہ شخص ہوں کہ کائنات میں کوئی کام میری مرضی کے خلاف نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر کام میرے مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔ اور اس کائنات کے سب کام جس کی مرضی کے مطابق ہو رہے ہوں اس سے زیادہ خوش اور اس سے زیادہ عیش میں کون ہو سکتا ہے؟ سوال کرنے والے کو بڑا تعجب ہوا، اس نے کہا کہ یہ بات تو انبیاء علیہم السلام کو بھی حاصل نہیں ہوئی تھی کہ اس کائنات کا ہر کام ان کی مرضی کے مطابق ہوتا ہو، بلکہ ان کی مرضی کے خلاف بھی کام ہوتے تھے، آپ کا ہر کام آپ کی مرضی کے مطابق کیسے ہو جاتا ہے؟

ان بزرگ نے جواب دیا کہ میں نے اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی کے تابع بنا دیا ہے، بس جو میرے اللہ کی مرضی وہ میرے مرضی، جو میرے اللہ کی مشیت وہی میری مشیت، اور اس کائنات میں ہر کام اللہ کی مرضی اور اللہ کی مشیت کے مطابق ہو رہا ہے، اور میں نے اپنی انا کو مٹا دیا ہے اس لئے ہر کام میری مرضی کے مطابق ہو رہا ہے، کیونکہ وہ اللہ کی مرضی سے ہو رہا ہے۔ اس لئے میں بڑا خوش ہوں، اور عیش و عشرت میں ہوں۔

بزرگوں کا سکون اور اطمینان

بہر حال اللہ والوں کو جو سکون اور آرام اور راحت میسر ہے، جس کے بارے میں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر دنیا کے بادشاہوں کو ہماری عافیت اور سکون اور راحت کا پتہ چل جائے تو وہ بادشاہ تلواریں لے کر ہمارا مقابلہ کرنے کے لئے آجائیں کہ یہ راحت اور سکون ہمیں دیدو۔ یہ سکون مخلوق سے نگاہیں ہٹانے سے اور مخلوق سے توقعات ختم کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ جب مخلوق سے توقعات ختم ہوجاتی ہیں تو پھر دیکھو کیسا سکون حاصل ہوتا ہے۔ لیکن یہ چیزیں صرف کہنے سننے سے حاصل ہوتیں، صحبت کے نتیجے میں یہ چیزیں رفتہ رفتہ منتقل ہوجاتی ہیں۔ اور انسان کی دنیا اور آخرت سنور جاتی ہیں۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ عزیز و اقارب کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک اللہ کو راضی کرنے کے لئے ہو اور محض دکھاوے کے لئے اور رسوم پوری کرنے کے لئے نہ ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مجھے اور آپ سب کو اس حقیقت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور اس پر عمل کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مُسلمان مُسلمان بھائی

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب : مسلمان مسلمان بھائی بھائی

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ہشتم

صفحات : ۱۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مسلمان مسلمان۔ بھائی بھائی

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیٔات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، ونشھد ان سیدنا وسندنا ونبینا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔

اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ ﴿وَافۡعَلُوا الۡخَیۡرَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ﴾ (سورۃ الحج: ۷۷)

﴿وعن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنھما ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: اَلۡمُسۡلِمُ اَخُو الۡمُسۡلِمِ لَا یَظۡلِمُہٗ وَلَا یُسَلِّمُہٗ، وَمَنۡ کَانَ فِیۡ حَاجَۃِ اَخِیۡہِ کَانَ اللّٰہُ فِیۡ حَاجَتِہٖ، وَمَنۡ فَرَّجَ عَنۡ مُسۡلِمٍ کُرۡبَۃً فَرَّجَ اللّٰہُ عَنۡہُ کُرۡبَۃً مِنۡ کُرَبِ یَوۡمِ الۡقِیَامَۃِ وَمَنۡ سَتَرَ مُسۡلِمًا سَتَرَہُ اللّٰہُ یَوۡمَ الۡقِیَامَۃِ﴾ (ابوداؤد، کتاب الادب، باب المؤاخاۃ)

دوسروں کے ساتھ بھلائی کریں

ایک مسلمان کے لئے صرف اتنی بات کافی نہیں ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کو تکلیف نہ دے۔ اور اس پر ظلم اور زیادتی نہ کرے۔ اور اس کو ایذاء رسانی سے

بچائے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کے کام آئے، اور اس کی ضرورت اور حاجت کو اپنی استطاعت کی حد تک پورا کرے، اور اگر کوئی مسلمان کسی مشکل یا پریشانی میں گرفتار ہے تو اس کو اور پریشانی سے نکالنے کی کوشش کرے، یہ بات بھی ایک مسلمان کے فرائض میں داخل ہے۔ چنانچہ جو آیت میں نے آپ کے سامنے، تلاوت کی اس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ "بھلائی کا کام کرو، تاکہ تم کو فلاح اور کامیابی حاصل ہو"۔ بھلائی کے اندر سب کچھ آجاتا ہے۔ مثلاً دوسرے کے ساتھ بھلائی کرنا۔ اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا، اس کے ساتھ رحم کا معاملہ کرنا، اس کی ضرورتوں اور حاجتوں کو پورا کرنا، یہ سب چیزیں خیر اور بھلائی کے اندر داخل ہیں۔

ایک جامع حدیث

جو حدیث میں نے تلاوت کی، وہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہ تو مسلمان کسی دوسرے مسلمان پر ظلم کرتا ہے۔ اور نہ اس کو دشمنوں کے حوالے کرتا ہے۔ یعنی نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔ مَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ جو شخص اپنے کسی بھائی کی کسی ضرورت کے پورا کرنے میں لگا ہوا ہو۔ اس کا کوئی کام کر رہا ہو۔ تو جب تک وہ اپنے بھائی کا کام کرتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے کام بناتے رہیں گے۔ اور اس کی حاجتیں پوری کرتے رہیں گے۔ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَا كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اور جو شخص کسی مسلمان سے کسی تکلیف یا مشقت کی بات دور کرے۔ یعنی وہ کوئی ایسا کام کرے جس سے کسی مسلمان کی مشکل آسان ہو جائے۔ اور اس کی دشواری دور ہو جائے تو اس دور کرنے والے پر قیامت کے روز جو سختیاں آنے والی تھیں اللہ تعالیٰ ان سختیوں میں سے ایک سختی کو اس سختی کے مقابلے میں دور فرما دیتے ہیں۔

وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِماً سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے۔ مثلاً کسی مسلمان کا ایک عیب پتہ چل گیا کہ اس کے اندر فلاں عیب ہے، یا فلاں خرابی ہے، یا فلاں گناہ کے اندر مبتلا ہے۔ اب یہ شخص اس عیب کی پردہ پوشی کرے، اور دوسروں تک اس کو نہ پہنچائے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے اور اس کے گناہوں کو ڈھانپ دیں گے۔ یہ بڑی جامع حدیث ہے اور متعدد جملوں پر مشتمل ہے۔ جس میں سے ہر جملہ ہماری اور آپ کی توجہ چاہتا ہے، ان پر غور کرنے اور ان کو اپنی زندگی کا دستور بنانے کی ضرورت ہے۔

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جو جملہ ارشاد فرمایا۔ اس میں ایک اصول بیان فرمادیا کہ "اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ" یعنی مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ لہٰذا انسان کا اپنے بھائی کے ساتھ جو معاملہ ہوتا ہے۔ ہر مسلمان کے ساتھ وہی معاملہ ہونا چاہئے۔ خواہ وہ مسلمان اجنبی ہو۔ اور بظاہر اس کے ساتھ کوئی رشتہ داری نہ ہو۔ بظاہر اس کے ساتھ دوستی کا کوئی تعلق نہ ہو۔ لیکن تم اس کو اپنا بھائی سمجھو۔ اس ایک جملے کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے معاشرے میں پھیلے ہوئے امتیازات اور تعصّبات کی جڑ کاٹ دی کہ یہ تو فلاں وطن کا رہنے والا ہے۔ اور میں فلاں وطن کا رہنے والا ہوں۔ یہ فلاں زبان بولنے والا ہے۔ میں فلاں زبان بولنے والا۔ یہ فلاں خاندان اور قبیلے سے تعلق رکھنے والا، میں فلاں خاندان اور قبیلے سے تعلق رکھنے والا، اس ایک جملے نے ان امتیازات اور تعصّبات کی جڑ کاٹ جو آج ہمارے معاشرے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ چاہے وہ کوئی بھی زبان بولتا ہو۔ کسی وطن کا باشندہ ہو۔ کسی بھی پیشے سے اس کا تعلق ہو، کسی بھی ذات یا نسل سے اس کا

تعلق ہو۔ ہر حالت میں وہ تمہارا بھائی ہے۔

ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں

اسی بات کو قرآن کریم کی ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے بڑے پیارے انداز میں بیان فرمایا کہ:

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾ (سورۃ الحجرات: ۱۳)

اس آیت میں پوری انسانیت کا بڑا عجیب منشور بیان فرمایا، فرمایا کہ اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، یعنی تم سب کا سلسلہ نسب ایک مرد اور ایک عورت یعنی حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام پر جاکر ختم ہوتا ہے۔ تم سب کے باپ ایک ہیں، یعنی حضرت آدم علیہ السلام، اور تم سب کی ماں ایک ہیں۔ حضرت حوا علیہا السلام۔ جب سب انسانوں کے باپ ایک، سب انسانوں کی ماں ایک، تو پھر کسی کو دوسرے پر فضیلت حاصل نہیں۔ پھر ایک سوال پیدا ہوا کہ جب تمام انسان ایک باپ اور ایک ماں کی اولاد ہیں تو اے اللہ، پھر آپ نے مختلف خاندان اور مختلف قبیلے کیوں بنائے؟ کہ یہ فلاں قبیلے کا ہے۔ یہ فلاں خاندان کا ہے۔ یہ فلاں گروہ کا ہے۔ یہ فلاں نسل کا ہے۔ یہ فلاں زبان بولنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا "لِتَعَارَفُوْا" یعنی یہ الگ الگ خاندان قبیلے اس لئے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، اگر سب انسان ایک زبان بولنے والے، ایک وطن ایک نسل ایک خاندان کے ہوتے تو ایک دوسرے کو پہچاننا مشکل ہو جاتا۔ مثلاً تین آدمی ہیں، اور تینوں کا نام "عبد اللہ" ہے، تو اب تم پہچان کرنے کے لئے ان کے ساتھ نسبتیں لگا دیتے ہو کہ یہ عبد اللہ کراچی کا رہنے والا ہے۔ یہ لاہور کا اور یہ پشاور کا رہنے والا ہے۔ اس طرح ان قبیلوں ان نسبتوں اور شہروں کے اختلاف سے

ایک دوسرے کی پہچان ہوجاتی ہے۔ بس اسی غرض کے لئے ہم نے مختلف شہر اور مختلف زبانیں بنائیں۔ ورنہ کسی کو کسی پر فوقیت اور فضیلت نہیں ہے۔ ہاں صرف ایک چیز کی وجہ سے فضیلت ہوسکتی ہے۔ وہ ہے "تقویٰ" جس کے اندر تقویٰ زیادہ ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ کریم اور زیادہ شریف ہے۔ چاہے بظاہر وہ نچلے خاندان سے تعلق رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی قیمت بہت زیادہ ہے۔

اسلام اور کفر کا فرق

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت دیکھئے کہ ابولہب جو آپ کا چچا تھا۔ اور آپ کے خاندان کا ایک بڑا سردار، اس کا تو یہ حال ہے کہ قرآن کریم کے اندر اس کے اوپر لعنت آئی۔ اور ایسی لعنت آئی کہ قیامت تک جو مسلمان بھی قرآن کریم کی تلاوت کرے گا وہ "تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ" کے ذریعہ ابولہب پر لعنت بھیجے گا کہ اس کے ہاتھ ٹوٹیں اور اس پر لعنت ہو۔ بدر کے میدان میں اپنے چاچا اور تایوں کے ساتھ جنگ ہو رہی ہے، ان کے خلاف تلواریں اٹھائی جارہی ہے۔

جنت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا مقام

دوسری طرف حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حبشہ کے رہنے والے سیاہ فام ہیں۔ ان کو سینے سے لگایا جارہا ہے۔ بلکہ آپ ان سے یہ پوچھتے ہیں کہ اے بلال، وہ عمل تو ذرا بتاؤ جس کی وجہ سے میں نے آج کی رات خواب کے اندر جنت دیکھی تو وہاں تمہارے قدموں کی چاپ اور آہٹ اپنے آگے آگے سنی۔ یہ سوال بلال حبشی سے کیا جارہا ہے جو سیاہ فام ہیں، اور حبشہ کے رہنے والے ہیں۔ اور جن کو سارے عرب کے لوگ حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ جواب میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یا رسول اللہ، اور کوئی خاص عمل تو میں نہیں کرتا۔ البتہ ایک عمل ہے جس پر میں شروع سے پابندی کرتا آرہا ہوں، وہ یہ کہ جب کبھی میں دن یا رات

میں وضو کرتا ہوں تو اس وضو سے دو چار رکعت نفل ضرور پڑھ لیتا ہوں۔ (جس کو تحیۃ الوضو کہتے ہیں) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب سن کر اس کی تصدیق فرمائی کہ شاید یہی بات ہوگی جس کی وجہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اتنا بڑا مقام عطا فرمایا۔ (صحیح بخاری، فی التہجد، باب فضل الطہور باللیل والنہار وفضل الصلاۃ بعدالوضو باللیل)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے کیوں؟

بعض اوقات خیال آتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جنت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے کیسے نکل گئے؟ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے کوئی نہیں نکل سکتا؟ علماء کرام نے فرمایا کہ در حقیقت اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آگے اس لئے نہیں تھے کہ ان کا درجہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھا ہوا تھا، بلکہ دنیا میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا معمول یہ تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جاتے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ راستہ دکھانے کے لئے آگے آگے چلتے، ان کے ہاتھ میں ایک چھڑی ہوتی تھی۔ راستے میں اگر کوئی پتھر ہوتا تو اس کو ہٹا دیتے، اگر کوئی اور رکاوٹ ہوتی تو اس کو دور کردیتے، سامنے سے آنے والے لوگوں پر نظر رکھتے، تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سامنے سے کوئی دشمن آجائے، اور آپ کو تکلیف پہنچادے۔ چونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا معمول یہ تھا کہ وہ آپ کے آگے آگے چلتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے جنت میں بھی وہی منظر دکھادیا کہ تم ہمارے حبیب کی دنیا میں اس طرح حفاظت کرتے تھے۔ چلو جنت میں بھی ہم تمہیں آگے رکھیں گے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت میں اپنے آگے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔

اسلام کے رشتے نے سب کو جوڑ دیا

یہ مقام اس شخص نے پایا جس کو غلام کہا جاتا تھا، سیاہ فام اور حقیر سمجھا جاتا تھا، نسل اور خاندان کے اعتبار سے اس کی کوئی وقعت نہیں سمجھی جاتی تھی۔ اس کے مقابلے میں "ابو لہب" پر قرآن کریم میں لعنت نازل ہو رہی ہے کہ تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ روم کے رہنے والے "حضرت صہیب" تشریف لاتے ہیں، اور بڑا اونچا مقام پاتے ہیں۔ ایران کے رہنے والے حضرت سلمان فارسی نے آکر اتنا اونچا مقام پایا کہ ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ" یعنی سلمان فارسی ہمارے گھر والوں میں شامل ہیں۔ اس طرح آپ نے وطن کے، نسل کے، رنگ کے اور زبان کے بتوں کو توڑ دیا، اور یہ اعلان فرمادیا کہ ہم تو اس ایک اللہ کو ماننے والے ہیں جس نے سارے انسانوں کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا فرمایا۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ اور فرمایا کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے اس وقت مدینہ طیبہ میں اوس اور خزرج کے قبیلوں کے درمیان لڑائی اور جنگ کی آگ سلگ رہی تھی، باپ جب مرتا تو بیٹے کو وصیت کر جاتا کہ بیٹا! اور سب کام کرنا، لیکن میرے دشمن سے انتقام ضرور لینا، زمانہ جاہلیت میں ایک لڑائی ہوئی ہے۔ جس کو "حرب بسوس" کہا جاتا ہے، چالیس سال تک یہ لڑائی جاری رہی۔ اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ایک شخص کی مرغی کا بچہ دوسرے شخص کے کھیت میں چلا گیا۔ کھیت کے مالک نے غصہ میں آکر مرغی کے بچے کو مار دیا، مرغی کا مالک نکل آیا۔ جس سے زبانی تو تکار شروع ہوئی۔ اور پھر ہاتا پائی تک نوبت آگئی۔ اس کے نتیجے میں تلواریں نکل آئیں۔ اس کا قبیلہ ایک طرف اور دوسرے کا قبیلہ ایک طرف، دونوں قبیلوں کے درمیان لڑائی شروع ہوئی، اور ایک مرغی کے بچے پر چالیس سال تک متواتر یہ لڑائی جاری رہی۔ لیکن حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم نے تشریف لانے کے بعد ان کو ایمان کی اور کلمہ لاالہ الا اللہ کی لڑی میں پرودیا کہ ان کے درمیان عداوت کی آگ ٹھنڈی ہوگئی۔ اور بعد میں ان کو دیکھ کر یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ وہی لوگ ہیں جو آپس میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوتے تھے۔ اور ان کے درمیان بھائی چارہ پیدا فرمادیا۔ قرآن کریم نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا﴾

(سورۃ آل عمران: ۱۰۳)

یعنی اس وقت کو یاد کرو جب تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو آپس میں بھائی بھائی بنادیا۔ اب ایسا نہ ہو کہ یہ بھائی بھائی کا رشتہ ختم ہوجائے۔ اور پھر دوبارہ اسی جاہلیت کے طریقے کی طرف لوٹ جاؤ۔

آج ہم یہ اصول بھول گئے

بہرحال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے ذریعہ سب سے پہلے یہ اصول بتادیا کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ خواہ وہ کوئی زبان بولتا ہو۔ خواہ وہ کسی بھی قبیلے سے کسی بھی قوم سے اس کا تعلق ہو۔ لہٰذا اس کے ساتھ بھائی جیسا معاملہ کرو۔ یہ نہ سوچو کہ چونکہ یہ دوسری نسل کا، دوسری قوم کا، یا دوسرے وطن کا آدمی ہے، لہٰذا یہ میرا نہیں ہے، میرا وہ ہے جو میرے وطن میں پیدا ہوا ہو، یہ تصور ذہن سے نکالو، اور ہر مسلمان کو اپنا بھائی سمجھو۔ پوری تاریخ اسلام اس بات کی گواہ ہے کہ جب کبھی مسلمانوں کو شکست یا زوال کا سامنا کرنا پڑا ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ مسلمان یہ اصول بھول گئے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ اور کسی نے درمیان میں پھوٹ ڈال دی کہ یہ تو فلاں قوم کا ہے۔ وہ فلاں نسل کا ہے، بس لڑائی شروع ہوگئی اور اس کے نتیجے میں مسلمان تباہ و برباد ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ

اس اصول کو ہمارے دلوں میں بٹھادے۔ آمین۔ ہم زبان سے تو کہتے ہیں کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے تو کیا ہم اس مسلمان کے ساتھ بھائیوں جیسا برتاؤ کرتے ہیں؟ ہر مسلمان اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لے۔ اور اپنا جائزہ لے۔ اگر ایسا برتاؤ نہیں کرتے تو پھر آج کے بعد یہ تہیہ کرلیں کہ ہم ہر مسلمان کے ساتھ اپنے بھائی جیسا سلوک کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یہ بات ہمارے اندر پیدا فرمادے۔ آمین۔

پھر حدیث کے اگلے جملے میں بھائی سمجھنے کی پہلی علامت یہ بیان فرمائی کہ لَایَظْلِمُہٗ یعنی مسلمان چونکہ مسلمان کا بھائی ہے۔ لہٰذا وہ کبھی دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کرے گا۔ اور اس کی جان، اس کے مال، اس کی عزت اور آبرو پر کوئی حق تلفی نہیں کرے گا۔ اس کے حقوق ضائع نہیں کرے گا۔

مسلمان دوسرے مسلمان کا مددگار ہوتا ہے

آگے فرمایا کہ وَلَایُسْلِمُہٗ یعنی صرف یہ نہیں کہ اس پر ظلم نہیں کرے گا۔ بلکہ اس کو بے یارومددگار بھی نہیں چھوڑے گا۔ اگر مسلمان کسی مشکل میں مبتلا ہے۔ یا کسی پریشانی کے اندر مبتلا ہے۔ اور اس کو تمہاری مدد کی ضرورت ہے تو کوئی مسلمان اس کو بے یارومددگار نہیں چھوڑے گا۔ وہ یہ نہیں سوچے گا کہ جو کچھ پیش آرہا ہے وہ اس کو پیش آرہا ہے۔ میرا اس سے کیا تعلق؟ میرا تو کچھ نہیں بگڑ رہا ہے۔ اور یہ سوچ کر الگ ہوجائے۔ یہ کام مسلمان کا نہیں ہے۔ بلکہ مسلمان کے فرائض میں یہ بات داخل ہے کہ اگر وہ کسی دوسرے مسلمان پر مصیبت ٹوٹتے ہوئے دیکھ رہا ہے، یا کسی کو مشکل اور پریشانی میں گرفتار پارہا ہے۔ تو دوسرے مسلمان کو چاہئے کہ حتی الامکان اس کی پریشانی کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ اور یہ نہ سوچے کہ اگر میں اس کے کام میں لگ گیا تو میرا وقت ضائع ہوجائے گا۔ یا میں پھنس جاؤں گا۔

موجودہ دور کا ایک عبرت آموز واقعہ

جس دور سے ہم گذر رہے ہیں۔ یہ دور ایسا آگیا ہے کہ اس میں انسانیت کی قدریں بدل گئیں۔ انسان انسان نہ رہا۔ ایک وقت وہ تھا کہ اگر کسی انسان کو چلتے ہوئے ٹھوکر بھی لگ جاتی اور وہ گر پڑتا تو دوسرا انسان اس کو اٹھانے کے لئے اور کھڑا کرنے کے لئے اور سہارا دینے کے لئے آگے بڑھتا۔ اگر سڑک پر کوئی حادثہ پیش آجاتا تو ہر انسان آگے بڑھ کر اس کی مدد کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ لیکن آج ہمارے اس دور میں جو صورت ہوچکی ہے۔ اس کو میں اپنے سامنے ہونے والے ایک واقعہ کے ذریعے بیان کرتا ہوں کہ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ ایک گاڑی ایک شخص کو ٹکر مارتے ہوئے چلی گئی۔ اب وہ شخص ٹکر کھاکر چاروں شانے چت سڑک پر گرگیا، اس واقعہ کے بعد کم از کم بیس، پچیس گاڑیاں وہاں سے گذر گئیں۔ ہر گاڑی والا جھانک کر اس گرے ہوئے شخص کو دیکھتا۔ اور آگے روانہ ہوجاتا۔ کسی اللہ کے بندے کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ گاڑی سے اتر کر اس کی مدد کرتا، اس کے باوجود آج کے لوگوں کو اپنے بارے میں مہذب اور شائستہ ہونے کا دعویٰ ہے۔ اسلام تو بہت آگے کی چیز ہے۔ لیکن ایسے موقع پر ایک انسانیت کا تقاضہ یہ ہے کہ آدمی اتر کر دیکھ تو لے کہ اس کو کیا تکلیف پہنچی ہے۔ اور اس کی جتنی مدد کرسکتا ہے کردے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمادیا کہ ایک مسلمان یہ کام نہیں کرسکتا کہ وہ دوسرے مسلمان کو اس طرح بے یارو مددگار چھوڑ کر چلا جائے۔ بلکہ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ اگر وہ دوسرے مسلمان کو کسی مصیبت میں گرفتار پائے یا کسی پریشانی یا مشکل میں دیکھے تو حتی الامکان اس کی اس پریشانی اور مصیبت کو دور کرنے کی کوشش کرے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا زندگی بھر یہ معمول رہا کہ جب بھی کسی شخص کے بارے میں یہ معلوم ہوتا کہ اس کو فلاں چیز کی ضرورت ہے۔ یا یہ مشکل میں گرفتار ہے تو آپ بے چین ہوجاتے۔ اور جب تک اپنی استطاعت کے مطابق اس کی مدد کی کوشش نہ فرمالیتے، آپ کو چین نہ آتا تھا۔ صرف صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کفار سے معاہدہ کرلیا۔ اور اس معاہدہ کے نتیجے میں آپ ان مسلمانوں کی مدد نہ کرنے پر اور ان کو واپس کرنے پر مجبور تھے جو مسلمان مکہ مکرمہ سے بھاگ کر مدینہ طیبہ آجاتے۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ میں واپس کرنے پر مجبور ہوں۔ اس واقعہ کے علاوہ شاید کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے کسی مسلمان کو مشکل اور تکلیف میں دیکھ کر اس کی مدد نہ فرمائی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

خلقِ خُدا سے محبّت کیجئے

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب : خلقِ خُدا سے محبت کیجئے۔

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ہشتم

صفحات : ۳۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خلق خدا سے محبت کیجئے

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، ونشھدان سیدنا وسندنا ونبینا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔

اما بعد!

﴿عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ کُرْبَۃً مِنْ کُرَبِ الدُّنْیَا نَفَّسَ اللّٰہُ عَنْہُ کُرْبَۃً مِنْ کُرَبِ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ، وَمَنْ یَسَّرَ عَلٰی مُعْسِرٍ یَسَّرَ اللّٰہُ عَلَیْہِ فِیْ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِماً سَتَرَہُ اللّٰہُ فِیْ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ، وَ اللّٰہُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ اَخِیْہِ، وَمَنْ سَلَکَ طَرِیْقاً یَلْتَمِسُ فِیْہِ عِلْماً سَھَّلَ اللّٰہُ بِہٖ طَرِیْقاً اِلَی الْجَنَّۃِ وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِیْ بَیْتٍ مِنْ بُیُوْتِ اللّٰہِ تَعَالٰی یَتْلُوْنَ کِتَابَ اللّٰہِ یَتَدَارَسُوْنَہٗ بَیْنَھُمْ، اِلاَّ نَزَلَتْ عَلَیْھِمُ السَّکِیْنَۃُ وَغَشِیَتْھُمُ الرَّحْمَۃُ، وَحَفَّتْھُمُ الْمَلَائِکَۃُ، وَذَکَرَھُمُ اللّٰہُ فِیْمَنْ عِنْدَہٗ، وَمَنْ بَطَّأَبِہٖ عَمَلُہٗ لَمْ یُسْرِعْ بِہٖ نَسَبُہٗ﴾ (صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن)

جوامع الکلم کیا ہیں؟

اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ ہیں، اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ بہت سے جملے روایت فرمائے ہیں۔ ان میں سے ہر جملہ اپنے معنی اور مفہوم کے لحاظ سے بڑا جامع جملہ ہے، ایک اور روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اُوْتِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ" مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے کلمات عطا کئے گئے ہیں جو جامع ہیں۔ یعنی جن کے الفاظ تو تھوڑے ہیں۔ اور بولنے میں مختصر ہیں۔ لیکن اپنے معنی اور مفہوم کے اعتبار سے اور عمل کے اعتبار سے وہ بڑے جامع کلمات ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے ارشادات جو چھوٹے چھوٹے جملوں پر مشتمل ہیں۔ اور معنی کے اعتبار سے بڑے حاوی ہیں۔ ان کو "جوامع الکلم" کہا جاتا ہے۔ اس حدیث میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے بہت سے "جوامع الکلم" روایت فرمائے ہیں جو مختلف موضوعات سے متعلق ہیں۔

کسی کی پریشانی دور کرنے پر اجر و ثواب

پہلا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی مؤمن کی دنیا کی بے چینیوں میں سے کوئی بے چینی دور کرے، مثلاً وہ مؤمن کسی پریشانی میں گھرا ہوا ہے۔ یا کسی مشکل میں مبتلا ہے، اور کوئی مسلمان اس کی اس پریشانی اور مشکل کو کسی عمل کے ذریعہ، یا کسی مدد کے ذریعے دور کردے تو اس کا یہ عمل اتنے بڑے اجر و ثواب کا کام ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں قیامت کی سختیوں اور بے چینیوں میں سے ایک بے چینی کو اس سے دور فرمادیں گے۔

تنگدست کو مہلت دینے کی فضیلت

دوسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی تنگدست آدمی کے لئے کوئی آسانی پیدا کردے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے دنیا و آخرت دونوں میں آسانی پیدا فرمادیں گے۔ مثلاً ایک شخص مقروض ہے اور اس نے اپنی کسی ضرورت کی خاطر قرض لیا، اور کسی خاص وقت پر واپس کرنے کا وعدہ کرلیا۔ لیکن جب قرض واپس کرنے کا وقت آیا تو قرض واپس کرنے کے قابل نہیں ہے بلکہ تنگدست ہے۔ اب وہ قرض واپس کرنا چاہتا ہے، لیکن تنگدستی کی وجہ سے نہیں دے سکتا، اب اگرچہ قرض لینے والے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ یہ مطالبہ کرے کہ میرا قرض مجھے واپس کرو۔ لیکن اگر یہ شخص اس کی تنگدستی کو دیکھتے ہوئے اس کو مہلت دیدے۔ اور اس سے یہ کہدے کہ اچھا جب تمہارے پاس پیسے آجائیں اس وقت دیدینا۔ ایسے شخص کے لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں آسانی پیدا فرمائیں گے۔ اسی کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا:

﴿وَإِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ﴾

(سورۃ البقرۃ:۲۸۰)

یعنی تمہارا مقروض شخص اگر تنگدست ہے تو پھر ایک مؤمن کا کام یہ ہے کہ اس کو اس وقت تک مہلت دے جب تک اس کا ہاتھ کھل جائے، اور اس کی تنگدستی دور ہوجائے، اور اس میں قرض کی ادائے گی کی طاقت پیدا ہوجائے۔

نرم خوئی اللہ کو پسند ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ کو نرم خوئی بہت پسند ہے، اللہ کے بندوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت محبوب عمل ہے۔ جس شخص نے قرض کے

طور پر پیسے دیے ہیں۔ اس کو قانونی طور پر ہر وقت یہ حق حاصل ہے کہ وہ مطالبہ کرکے اپنا قرض وصول کرلے۔ یہاں تک کہ قانونی طور پر اس کو قید بھی کرا سکتا ہے۔ لیکن اسلام کا ایک مسلمان سے یہ مطالبہ ہے کہ صرف پیسوں ہی کو نہ دیکھو کہ کتنا پیسہ چلا گیا۔ اور کتنا پیسہ آگیا۔ بلکہ یہ دیکھو کہ کسی اللہ کے بندے کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا یہ اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب ہے جس کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ قیامت کے روز نرمی کا معاملہ فرمائیں گے۔

دوسرے مسلمان کی حاجت پوری کرنے کی فضیلت

ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ﴾

(ابوداؤد، کتاب الادب، باب المؤاخاۃ)

جو شخص جتنی دیر اپنے بھائی کے کام بنانے اور حاجت پوری کرنے میں لگا رہے گا اللہ تعالیٰ اس کے کام بناتے رہیں گے۔ اس کی حاجت پوری کرتے رہیں گے۔ تم میرے بندوں کے کام میں لگے رہو۔ میں تمہارے کام میں لگا ہوا ہوں ؎

کار ساز ما بساز کار ما
فکر ما درکار ما آزار ما

ایک جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ:

﴿مَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ (حوالہ بالا)

"اگر کسی نے کسی مسلمان کی مصیبت کو دور کردیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی مصیبت اور پریشانی کو دور فرمائیں گے"۔

مخلوق پر رحم کرو

درحقیقت یہ دونوں کام یعنی دوسروں کی حاجت پوری کرنا۔ اور دوسروں کی مصیبت اور پریشانی کو دور کرنا اسی وقت ہو سکتا ہے جب دل میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی طرف سے رحم ہو اور ان کی محبت ہو۔ اگر یہی دونوں کام دکھاوے کے لئے کر لیے تو ان کاموں کی کوئی قیمت نہیں۔ لیکن اگر یہ سوچا کہ یہ میرے اللہ کے بندے ہیں۔ اس کی مخلوق ہیں۔ میں ان کے ساتھ کوئی بھلائی اور اچھائی کروں گا تو اس پر مجھے اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرمائیں گے۔ تب یہ کام قیمتی بن جائیں گے۔ اللہ کی محبت کا یہ حق ہے کہ اس کے بندوں سے محبت کی جائے، اگر بندوں سے محبت نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت نہیں۔ ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُہُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ﴾

(ابوداؤد، کتاب الادب، باب الرحمۃ)

جو دوسروں پر رحم کرنے والے ہیں، رحمٰن ان پر رحم کرتا ہے، زمین والوں پر تم رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ لہٰذا جب تک اللہ کی مخلوق کے لئے تمہارے دل میں رحم نہیں ہوگا۔ اس وقت تک تم مسلمان کہلانے کے مستحق نہیں۔ تم اللہ کی رحمت کے امیدوار کیسے ہوگے۔ جب اللہ کی مخلوق پر رحم نہیں کرتے، ایمان کا ایک تقاضہ یہ ہے کہ اللہ کے بندوں اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ محبت کرو۔

مجنوں کو لیلیٰ کے شہر کے درودیوار سے محبت

جب کسی محبوب سے محبت ہو جاتی ہے تو پھر اس محبوب کی ہر چیز سے محبت ہوتی

ہے۔ مجنوں لیلیٰ کی محبت میں کہتا ہے کہ:

اَمُرُّ عَلَى الدِّيَارِ دِيَارِ لَيْلٰى
اُقَبِّلُ ذَا الْجِدَارِ وَذَا الْجِدَارِ

جب میں لیلیٰ کے وطن سے گزرتا ہوں جہاں وہ رہتی ہے تو میں کبھی اس دیوار کو پیار کرتا ہوں، اور کبھی اس دیوار کو پیار کرتا ہوں۔ کیوں؟

وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِىْ
وَلٰكِنْ حُبُّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَارَ

یعنی ان دیواروں سے مجھے کیا تعلق؟ میں ان کو کیوں پیار کروں، لیکن چونکہ یہ دیواریں میرے محبوب کے شہر کی دیواریں ہیں، اس وجہ سے مجھے ان دیواروں سے محبت ہے، اور جب میں ان کے پاس سے گزرتا ہوں تو ان دیواروں کو چومتا پھرتا ہوں۔ جب ایک مجنوں کو لیلی کے شہر کی دیواروں سے عشق ہوجائے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت ہو، لیکن اللہ کی پیدا کی ہوئی مخلوق سے محبت نہ ہو۔ اللہ کے پیدا کئے ہوئے بندوں سے تعلق نہ ہو؟ ان پر رحم نہ ہو؟ یہ کیسی محبت ہے؟

کیا اللہ کی محبت لیلیٰ کی محبت سے کم ہوجائے؟

مثنوی شریف میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجنوں کو تو لیلیٰ کے شہر کے کتے سے بھی محبت تھی، اس لئے کہ یہ میرے محبوب کے شہر کا کتا ہے، مجھے اس سے بھی محبت ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ:

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود
گوئے گشت بہر او اولیٰ بود

ارے مولیٰ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے بھی کم ہوگیا۔ جب ایک ناپائیدار اور فنا ہوجانے والے وجود سے اتنی محبت ہوجاتی ہے کہ اس کے کتے سے محبت ہونے لگی

تو اللہ تبارک و تعالیٰ جو مالک الملک ہیں اور سارے محبوبوں کے محبوب ہیں۔ اس کی محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کی ساری مخلوق سے بھی محبت ہو جائے۔ چاہے وہ حیوان ہی کیوں ہو۔ اس لئے کہ وہ میرے اللہ کی مخلوق ہے۔ اسی وجہ سے شریعت نے حیوانات کے بھی حقوق رکھے ہیں کہ ان پر بھی ترس کا معاملہ کرو۔ اور ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہونے پائے۔

ایک کتے کو پانی پلانے کا واقعہ

بخاری شریف میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک طوائف اور فاحشہ عورت تھی۔ ساری زندگی طوائفی کا کام کیا۔ ایک مرتبہ وہ کہیں سے گزر رہی تھی راستے میں اس نے دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی شدت کی وجہ سے زمین کی مٹی چاٹ رہا ہے۔ قریب میں ایک کنواں تھا۔ اس عورت نے اپنے پاؤں سے چمڑے کا موزہ اتارا، اور اس موزے میں کنویں سے پانی نکالا، اور اس کتے کو پلادیا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ عمل اتنا پسند آیا کہ اس کی مغفرت فرمادی کہ میری مخلوق کے ساتھ تم نے محبت اور رحم کا معاملہ کیا، تو ہم تمہارے ساتھ رحم کا معاملہ کرنے کے زیادہ حق دار ہیں ــــ لہٰذا اللہ کی مخلوق کے ساتھ رحم کا معاملہ کرنا چاہئے، چاہے وہ حیوان ہی کیوں نہ ہو۔

مخلوق پر رحم کا ایک واقعہ

میرے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر رحم کا عجیب حال عطا فرمایا تھا کہ کبھی کسی جانور کو مارنا تو دور کی بات ہے۔ کسی جانور کو اس کی جگہ سے ہٹانے کے لئے بھی ہاتھ نہیں اٹھاتا تھا۔ یہ سوچ کر کہ یہ اللہ کی مخلوق ہے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ پاؤں پر زخم ہوگیا۔ اس زخم پر مکھیاں آکر بیٹھنے لگیں، ظاہر کہ زخم پر مکھیوں کے بیٹھنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن حضرت والا ان مکھیوں کو اڑاتے نہیں تھے۔ بلکہ اپنے کام میں لگے رہتے تھے۔ اس وقت ایک

صاحب آپ کے پاس آگئے۔ انہوں نے جب یہ صورت دیکھی تو عرض کیا کہ حضرت! اجازت دیں تو میں ان مکھیوں کو اڑا دوں؟ جواب میں حضرت نے فرمایا کہ بھائی! یہ مکھیاں اپنا کام کررہی ہیں۔ مجھے اپنا کام کرنے دو ـــــ وجہ اس کی یہ تھی کہ دل میں یہ خیال جما ہوا تھا کہ یہ میرے اللہ کی مخلوق ہے۔ ان کو یہاں سے اڑاکر کیوں پریشان کروں؟ بہرحال، اللہ تعالیٰ کی محبت صحیح معنی میں اس وقت ہوگی جب اللہ کی مخلوق سے بھی محبت ہوجائے۔ اس پر بھی رحم کرے۔

ایک مکھی پر شفقت کا عجیب واقعہ

میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب قدس اللہ سرہ سے بارہا یہ واقعہ سنا کہ ایک بزرگ تھے جو بہت بڑے عالم، فاضل، محدث اور مفسر تھے۔ ساری عمر درس و تدریس اور تالیف و تصنیف میں گزری، اور علوم کے دریا بہادیئے۔ جب ان کا انتقال ہوگیا تو خواب میں کسی نے ان کو دیکھا تو ان سے پوچھا کہ حضرت! آپ کے ساتھ کیسا معاملہ ہوا؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ مجھ پر اپنا فضل فرمایا۔ لیکن معاملہ بڑا عجیب ہوا، وہ یہ کہ ہمارے ذھن میں یہ تھا کہ ہم نے الحمد للہ زندگی میں دین کی بڑی خدمت کی ہے۔ درس و تدریس کی خدمت انجام دی، وعظ اور تقریریں کیں۔ تالیفات اور تصنیفات کیں۔ دین کی تبلیغ کی، حساب و کتاب کے وقت ان خدمات کا ذکر سامنے آئے گا۔ اور ان خدمات کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم فرمائیں گے۔ لیکن ہوا یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تمہیں بخشتے ہیں، لیکن معلوم بھی ہے کہ کس وجہ سے بخش رہے ہیں؟ ذہن میں یہ آیا کہ ہم نے دین کی جو خدمات انجام دیں تھیں۔ ان کی بدولت اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں۔ ہم تمہیں ایک اور وجہ سے بخشتے ہیں۔ وہ یہ کہ ایک دن تم کچھ لکھ رہے تھے ـــــ اس زمانے میں لکڑی کے قلم ہوتے تھے۔ اس قلم کو روشنائی میں ڈبو کر پھر لکھا جاتا تھا ـــــ تم نے لکھنے کے لئے اپنا

قلم روشنائی میں ڈبویا۔ اس وقت ایک مکھی اس قلم پر بیٹھ گئی۔ اور وہ مکھی قلم کی سیاہی چوسنے لگی، تم اس مکھی کو دیکھ کر کچھ دیر کے لئے رک گئے۔ اور یہ سوچا کہ یہ مکھی پیاسی ہے، اس کو روشنائی پی لینے دو، میں بعد میں لکھ لوں گا۔ تم نے یہ اس وقت قلم کو روکا تھا، وہ خالصۃً میری محبت اور میری مخلوق کی محبت میں اخلاص کے ساتھ روکا تھا۔ اس وقت تمہارے دل میں کوئی اور جذبہ نہیں تھا۔ جاؤ، اس عمل کے بدلے میں آج ہم نے تمہاری مغفرت کردی۔

خدمت خلق ہی کا نام تصوف ہے

بہر حال، یہ بڑا نازک راستہ ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ محبت نہ ہو، اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا دعوی سچا نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ تصوف کے بارے میں فرماتے ہیں:

زتسبیح و سجادہ و دلق نیست
طریقت بجز خدمت خلق نہیں

یعنی لوگوں نے تصوف اس کا نام رکھ لیا ہے کہ ہاتھ میں تسبیح ہو۔ مصلی بچھا ہوا ہو۔ گدڑی ہو۔ درویشانہ لباس پہنا ہوا ہو۔ ان چیزوں کا نام تصوف اور طریقت نہیں ہے۔ بلکہ تصوف اور طریقت اس کے علاوہ کچھ نہیں کر مخلوق کی خدمت ہو —— اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں ہمارے ساتھ محبت کا دعوی ہے تو پھر ہماری مخلوق کے ساتھ محبت کرو۔ ان کی خدمت کرو۔

اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق سے محبت ہے

ارے، اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے ساتھ بڑا پیار ہے۔ آپ اس کا تجربہ کرلیں کہ کسی نے اپنے ہاتھوں سے محنت کرکے کوئی چیز بنائی، وہ چیز پتھر ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن

اس بنانے والے کو اس بنائے ہوئے پتھر سے محبت ہوجاتی ہے کہ اس پتھر کے بنانے میں وقت لگایا ہے۔ میں نے محنت کی ہے۔ یہ میری دولت ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بنایا اور ان کو پیدا کیا ہے۔ اس لئے ان کو اپنی مخلوق سے محبت ہے، لہٰذا اگر ان سے محبت کا دعویٰ ہے تو ان کی مخلوق سے بھی محبت کرنی ہوگی۔

حضرت نوح علیہ السلام کا ایک عجیب واقعہ

جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان آچکا، ساری قوم اس طوفان کے نتیجے میں ہلاک ہوگئی تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ اب تمہارا کام یہ ہے کہ تم مٹی کے برتن بناؤ، چنانچہ حضرت نوح علیہ السام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں مٹی کے برتن بنانا شروع کردئے۔ اور دن رات اس میں لگے رہے۔ جب کئی دن گزرگئے۔ اور برتنوں کا ڈھیر لگ گیا۔ تو دوسرا حکم یہ دیا کہ اب سب برتنوں کو ایک ایک کرکے توڑو۔ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا اللہ! میں نے بڑی محنت سے اور آپ کے حکم پر بنائے تھے اب آپ ان کو توڑنے کا حکم دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمارا حکم یہ ہے کہ اب ان کو توڑ دو۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو توڑ دیا۔ لیکن دل دکھا کہ اتنی محنت سے بنائے اور ان کو تڑوادیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نوح! تم نے اپنے ہاتھوں سے یہ برتن بنائے، اور میرے حکم سے بنائے، ان برتنوں سے تمہیں اتنی محبت ہوگئی کہ جب میں نے تمہیں ان کو توڑنے کا حکم دیا تو تم سے توڑا نہیں جارہا تھا۔ دل یہ چاہ رہا تھا کہ یہ برتن جو میری محنت اور میرے ہاتھ سے بنے ہوئے ہیں، کسی طرح بچ جائیں تو بہتر ہے اس لئے کہ تمہیں ان برتنوں سے محبت ہوگئی تھی۔ لیکن تم نے ہمیں نہیں دیکھا کہ ساری مخلوق ہم نے اپنے ہاتھ سے بنائی۔ اور تم نے ایک مرتبہ کہدیا کہ:

﴿رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْکَافِرِیْنَ دَیَّاراً﴾
(سورۃ نوح: ۲۶)

"اے اللہ! زمین میں بسنے والے سب کافروں کو ہلاک کردے، اور ان میں سے کوئی باقی نہ رہے — تمہارے اس کہنے پر ہم نے اپنی مخلوق کو ہلاک کردیا"۔

اشارہ اس بات کی طرف فرمایا کہ جس مٹی سے تم برتن بنارہے تھے، باوجودیکہ وہ مٹی تمہاری پیدا کی ہوئی نہیں تھی۔ اور اپنی خواہش سے وہ برتن نہیں بنارہے تھے۔ بلکہ میرے حکم سے بنارہے تھے۔ پھر بھی تمہیں ان سے محبت ہوگئی تھی تو کیا ہمیں اپنی مخلوق سے محبت نہیں ہوگی؟ جب محبت ہے تو پھر تمہیں بھی میری مخلوق کے ساتھ محبت کرنی پڑے گی۔ اگر تمہیں میرے ساتھ محبت ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، اور اس سے محبت کی دعائیں مانگتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں اپنی محبت عطا فرما۔ اس وقت مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یوں فرمارہے ہیں کہ تم مجھ سے محبت کرنا چاہتے ہو؟ حالانکہ تم نے مجھے دیکھا تو ہے نہیں کہ براہ راست تم مجھ سے محبت کرسکو، اور مجھ سے اسی طرح کا تعلق قائم کرسکو جیسے کسی چیز کو دیکھتے ہوئے کیا جاسکتا ہے، لیکن اگر تمہیں مجھ سے تعلق قائم کرنا ہے تو میں نے دنیا میں اپنی محبت کا مظہران بندوں کو بنایا ہے۔ لہٰذا تم میرے بندوں سے محبت کرو۔ اور میرے بندوں پر رحم کھاؤ۔ اور ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ، اس سے میری محبت پیدا ہوگی۔ اور مجھ سے محبت کرنے کا طریقہ بھی یہی ہے — لہٰذا یہ سمجھنا کہ ہم تو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔ یہ بندے کیا چیز ہیں؟ یہ مخلوق کیا چیز

ہیں؟ یہ تو حقیر ہیں۔ اور پھر ان مخلوق کی طرف حقارت کی نگاہ ڈالنا، ان کو برا سمجھنا۔ اور ان کو کمتر جاننا، یہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ سے جو محبت ہے، وہ جھوٹی محبت ہے، اس لئے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے محبت ہوگی، اس کو اللہ کی مخلوق سے ضرور محبت ہوگی۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے کسی بھائی کے کام میں اور اس کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہوا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے کام بنانے میں لگے رہتے ہیں۔ اور جو شخص کسی مسلمان بھائی کی بے چینی کو دور کرے، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی بے چینی کو دور فرمائیں گے۔

اولیاء کرام کی حالت

جتنے اولیاء اکرام رحمہم اللہ تعالیٰ گزرے ہیں، ان سب کا حال یہ تھا کہ وہ اگر مخلوق کو برے حال میں دیکھتے، یا فسق و فجور میں اور گناہوں کے اندر مبتلا دیکھتے تو، وہ اولیاء ان گناہوں سے تو نفرت کرتے تھے۔ اس لئے کہ گناہوں سے نفرت کرنا واجب ہے۔ ان کے فسق و فجور سے اور ان کے اعمال سے نفرت کرنا واجب ہے، لیکن دل میں اس آدمی سے نفرت نہیں ہوتی تھی، اس کی حقارت دل میں نہیں ہوتی تھی۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ کا واقعہ

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ دریائے دجلہ کے کنار چہل قدمی کرتے ہوئے جارہے تھے، قریب سے دریا میں ایک کشتی گزری۔ اس کشتی میں اوباش قسم کے نوجوان بیٹھے ہوئے تھے۔ اور گاتے بجاتے ہوئے جارہے تھے۔ اور جب گانا بجانا ہورہا ہو، اور ہنسی مذاق کی محفل ہو۔ اس موقع پر اگر کوئی مُلّا پاس سے گزرے تو اس مُلّا کا مذاق اڑانا بھی تفریح کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ان اوباش لوگوں نے

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا مذاق اڑایا۔ اور آپ پر کچھ فقرے کسے۔ حضرت کے ساتھ ایک صاحب اور تھے۔ انہوں نے یہ صورت حال دیکھ کر فرمایا کہ حضرت! آپ ان کے حق میں بددعا فرمادیں، کیونکہ یہ لوگ اتنے گستاخ ہیں کہ ایک طرف تو خود فسق و فجور اور گناہوں میں مبتلا ہیں۔ اور دوسری طرف اللہ والوں کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، اور فرمایا اے اللہ، آپ نے ان نوجوانوں کو جس طرح یہاں دنیا میں خوشیاں عطا فرمائی ہیں ان کے اعمال ایسے کردیجئے کہ وہاں آخرت میں بھی ان کو خوشیاں نصیب ہوں ـــــ دیکھئے: ان کی ذات سے نفرت نہیں فرمائی، اس لئے کہ یہ تو میرے اللہ کی مخلوق ہے۔

حضور ﷺ کی اپنی اُمّت پر شفقت

حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام دنیا کے لئے رحمۃ للعالمین بناکر بھیجے گئے، جب آپ پر کفار کی طرف سے اینٹیں برسائی جارہی تھیں، آپ کو پتھر مارے جارہے تھے، آپ کے پاؤں زخم سے لہولہان تھے، لیکن اس وقت بھی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے کہ:

﴿اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾

"اے اللہ، میری قوم کو ہدایت عطا فرما، ان کو علم نہیں ہے، یہ مجھے جانتے نہیں ہیں، یہ نادان ہیں، اور نادانی میں یہ حرکت کررہے ہیں، اے اللہ، ان کو ہدایت عطا فرما"۔

زبان پر یہ الفاظ اس لئے جاری ہوئے کہ کفار کے ان اعمال سے تو نفرت اور بغض ہے۔ لیکن ان کی ذات سے نفرت نہیں، اور ذات بحیثیت ذات کے میرے اللہ کی مخلوق ہے۔ اور میرے اللہ کی مخلوق سے مجھے محبت ہے۔

گناہ گار سے نفرت مت کرو

یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ فسق و فجور سے اور گناہوں سے نفرت نہ کرنا بھی گناہ ہے۔ گناہوں سے ضرور نفرت کرنی چاہئے۔ اور ان کو برا سمجھنا چاہئے۔ لیکن جو شخص ان گناہوں کے اندر مبتلا ہے۔ اس کی ذات کی حقارت دل میں نہ آنی چاہئے۔ اس سے نفرت نہ ہو۔ بلکہ اس پر ترس کھانا چاہئے۔ جس طرح ایک شخص بیمار ہوجائے اور علاج کے لئے ڈاکٹر کے پاس جائے تو اب ڈاکٹر کا یہ کام نہیں ہے کہ اس پر ناراض ہوجائے کہ تم کیوں بیمار پڑے؟ بلکہ وہ ڈاکٹر اس بیمار کے اوپر ترس کھاتا ہے کہ بیچارہ اس بیماری میں مبتلا ہوگیا، اور اس کا علاج کرتا ہے۔ اور اس کے لئے دعا کرتا ہے کہ یا اللہ! اس کی بیماری کو دور فرمادے۔ اسی طرح گناہ گار، فاسق و فاجر کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہونا چاہئے کہ ان کے فسق و فجور سے بغض اور نفرت ہو۔ لیکن ان کی ذات سے بغض اور نفرت نہ ہو۔ بلکہ اس کی ذات کے ساتھ اس لحاظ سے محبت ہو کہ یہ میرے اللہ کی مخلوق ہے۔ اور اس کے لئے دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کو راہ راست پر لے آئے۔

ایک تاجر کی مغفرت کا عجیب قصہ

ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوا ــــ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز جب حساب کتاب ہوگا تو اس وقت وہ پیش ہوگا، لیکن اس کا کوئی نمونہ ہوسکتا ہے کہ پہلے بھی کسی وقت دکھادیا جاتا ہو۔ بہرحال، جب وہ پیش ہوا تو ــــ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ اس کا اعمال نامہ دیکھو کہ اس نے کیا کیا اعمال کئے ہیں، جب فرشتوں نے دیکھا تو یہ معلوم ہوا کہ اس کا اعمال نامہ نیکیوں سے تقریباً خالی ہے۔ نہ نماز ہے نہ روزہ ہے۔ نہ کوئی اور عبادت

ہے، بس دن رات تجارت کرتا رہتا تھا۔۔۔ اللہ تعالیٰ تمام بندوں کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں۔ لیکن دوسروں کے سامنے ظاہر کرانے کے لئے فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ ذرا اچھی طرح دیکھو کہ کوئی اور نیک عمل اعمال نامے ہے یا نہیں؟ اس وقت فرشتے فرمائیں گے کہ ہاں! اس کا ایک نیک عمل ہے، وہ یہ ہے کہ شخص اگرچہ کوئی خاص نیک عمل تو نہیں کرتا تھا، لیکن یہ تجارت کرتا تھا۔ اور اپنے غلاموں کو تجارت کا سامان دے کر بھیجتا کہ جاکر یہ سامان بیچ کر اس کے پیسے لاکر دیں۔ اس شخص نے اپنے غلاموں کو یہ تاکید کر رکھی تھی کہ جب کسی کو کوئی سامان فروخت کرو۔ اور تم یہ دیکھو کہ وہ شخص تنگدست اور مفلس ہے تو اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا، اگر اس کو ادھار دیا ہے تو اس سے ادھار وصول کرنے میں بہت سختی سے کام مت لینا، اور کبھی کسی کو معاف بھی کردیا کرنا، چنانچہ ساری عمر تجارت کے اندر اس کا یہ معمول رہا کہ جب کسی تنگدست سے معاملہ کیا تو یہ یا تو اس کو مہلت دیدی۔ اگر موقع ہوا تو اس کو معاف ہی کردیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اچھا یہ میرے بندوں کو معاف کرتا تھا۔ تو میں اس بات کا زیادہ مستحق ہوں کہ اس کو معاف کروں، چنانچہ پھر فرشتوں کو حکم دیں گے کہ اس سے درگزر کا معاملہ کرو۔ اور اس کو جنت میں بھیج دو۔۔۔ بہرحال، بندوں کے ساتھ معافی کا معاملہ کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

یہ رحمت کا معاملہ تھا۔ قانون کا نہیں

لیکن ایک بات یاد رکھئے کہ یہ اوپر کا معاملہ یہ رحمت کا معاملہ ہے، یہ کوئی قانون نہیں ہے۔ لہٰذا کوئی شخص یہ نہ سوچے کہ یہ اچھا نسخہ ہاتھ آگیا کہ نہ نماز پڑھو، نہ روزہ رکھو، نہ زکوۃ دو، نہ دوسرے فرائض انجام دو، نہ گناہوں سے بچو، بس میں بھی اسی طرح لوگوں کو معاف کردیا کروں گا تو قیامت کے روز میری بھی معافی ہوجائے گی۔ یہ درست نہیں۔ اسلئے کہ یہ معاملہ رحمت کا ہے۔ اور اللہ کی رحمت کسی

قاعدے اور قانون کی پابند نہیں ہوتی۔ وہ جس کو چاہیں۔ اپنی رحمت سے بخش دیں۔ لیکن قانون یہ ہے کہ فرائض کی ادائیگی ضرور کرنی ہے، گناہوں سے بچنا ضروری ہے، اگر کوئی شخص فرائض کی ادائیگی نہیں کرتا، یا گناہوں سے نہیں بچتا، تو محض کسی ایک عمل کی بنیاد پر تکیہ کرکے بیٹھ جائے کہ بس اس ایک عمل کے ذریعہ میری چھٹی ہوجائے گی۔ یہ بات درست نہیں۔ اسلئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون نہیں ہے۔ جس شخص کی صرف ایک عمل کی بنیاد پر بخشش ہوگئی۔ معلوم نہیں اس نے وہ عمل کس جذبہ کے ساتھ کیا ہوگا۔ اور اس کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آگئی، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کردیا۔ ہمارے اور آپ کے لئے یہ کوئی ہمیشہ کا دستور العمل نہیں ہے۔

ایک بچے کا بادشاہ کو گالی دینا

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کے واقعات کی صحیح حقیقت سمجھانے کے لئے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ نظام حیدر آباد دکن کے ایک نواب صاحب تھے، ان کے وزیر نے ایک مرتبہ ان کی دعوت کردی، اور ان کو اپنے گھر بلایا، جب نواب صاحب گھر میں داخل ہوئے تو وزیر صاحب کا بچہ وہاں پر کھیل رہا تھا۔ نواب صاحب کو بچوں سے چھیڑ خوانی کرنے کی عادت تھی۔ انہوں نے وزیر کے بچے کو چھیڑنے کے لئے اس کا کان پکڑ لیا۔ وہ بہت تیز طرار تھا۔ وہ کیا جانے کہ نواب کون ہے، اور بادشاہ کون ہے۔ بچے نے پلٹ کر نواب صاحب کو گالی دیدی۔ جب وزیر صاحب نے بچے کے منہ سے نواب صاحب کے لئے گالی سنی تو ان کی جان نکل گئی کہ میرے بچے نے نواب صاحب کو گالی دیدی۔ اور نواب صاحب کی تو زبان قانون ہوتی ہے۔ اب پتہ نہیں بچے کا کیا حشر کرے گا، اس لئے وزیر نے اپنی وفاداری جتانے کے لئے تلوار نکال لی، اور کہا کہ میں ابھی اس کا سر قلم کرتا ہوں، اس نے نواب صاحب کی شان میں گستاخی کی ہے۔ نواب صاحب نے روکا کہ نہیں۔ چھوڑو، یہ بچہ ہی تو ہے، باقی یہ

بچہ ذہین لگتا ہے۔ اور اس میں اتنی خود داری ہے کہ اگر کوئی شخص اس کا کان مڑوڑدے تو یہ بچہ فوراً اس کے آگے ہتھیار ڈالنے والا نہیں ہے۔ بلکہ بڑا ذہین اور خود دار ہے۔ اپنا بدلہ خود لینے والا ہے۔ اور اپنے اوپر اعتماد رکھنے والا ہے۔ ایسا کرو کہ اس کا ماھانہ وظیفہ جاری کردو۔ چنانچہ اس کا وظیفہ جاری ہوا۔ اس وظیفہ کا نام تھا "وظیفہ دشنام" یعنی گالی دینے کا وظیفہ ـــــ حضرت حکیم الأمت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب تم بھی یہ سوچ کر کہ گالی دینے سے وظیفہ جاری ہوتا ہے لہٰذا تم بھی جاکر نواب صاحب کو گالی دے آؤ۔ ظاہر ہے کہ کوئی بھی ایسا نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ خاص طور پر اس بچے کے خاص حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بادشاہ کی سخاوت کا ایک مظاہرہ تھا کہ گالی دینے کے باوجود بچے کو نواز دیا۔ لیکن یہ کوئی عام قانون نہیں تھا کہ جو کوئی نواب صاحب کو گالی دے گا تو اس کو وظیفہ ملے گا۔ بلکہ اب کوئی گالی دے گا تو پٹائی ہوگی۔ جیل میں بند کردیا جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ سر قلم کردیا جائے۔

یہی معاملہ اللہ تعالیٰ کی نکتہ نوازی کا ہے کہ کسی کو کسی نکتے سے نواز دیا، اور کسی کو کسی نکتے سے نواز دیا، کسی کا کوئی عمل قبول فرمالیا۔ اور کسی کا کوئی عمل قبول فرمالیا، ان کی رحمت کسی قید کسی شرط اور کسی قانون کی پابند نہیں۔ "وَسِعَتْ رَحْمَتِیْ كُلَّ شَیْءٍ" میری رحمت تو ہر چیز پر وسیع ہے۔ اس لئے کسی کے ساتھ ناانصافی کبھی نہیں ہوتی، لیکن بعض اوقات کسی کو کسی عمل پر نواز دیا جاتا ہے۔ جب وہ عمل اللہ تعالیٰ کو پسند آجائے۔

کسی نیک کام کو حقیر مت سمجھو

اس سے یہ نتیجہ تو ضرور نکالا جاتا ہے کہ کوئی نیکی کا کام حقیر نہیں ہوتا، کیا پتہ کہ اللہ تعالیٰ کس نیک کام کو قبول فرمالیں۔ اور اس سے بیڑہ پار ہوجائے، اس لئے کسی نیکی کے کام کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے، لیکن یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں ہے کہ چونکہ

یہ واقعات سننے میں آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں نیک کام پر بخش دیا۔ لہٰذا اب نہ تو نماز پڑھنے کی ضرورت ہے اور نہ فرائض ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ بس آدمی اللہ کی رحمت پر تکیہ کرکے بیٹھ جائے۔ چنانچہ یہ حدیث آپ نے سنی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عاجز شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے چھوڑ دے۔ اور جو دل میں آرہا ہے۔ وہ کام کررہا ہے۔ یہ نہیں دیکھ رہا ہے کہ یہ کام حلال ہے یا حرام ہے۔ جائز ہے یا ناجائز۔ لیکن اللہ تعالیٰ پر تمنا اور آرزو لگائے بیٹھا ہے کہ اللہ میاں تو بڑے غفور رحیم ہے، سب معاف فرمادیں گے۔ بہرحال، ان واقعات سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں۔

بندوں پر نرمی کرنے پر مغفرت کا ایک اور واقعہ

اسی طرح ایک اور حدیث میں جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں، ان میں ایک شخص ایسا تھا کہ جب وہ کوئی چیز فروخت کرتا، تو اس میں نرمی سے کام لیتا، یہ نہیں کہ پیسے پیسے پر لڑ رہا ہے۔ بلکہ گاہک کو ایک قیمت بتادی، اب گاہک کہہ رہا ہے کہ تھوڑی سے کمی کردو تو اس نے یہ سوچ کر چلو تھوڑا منافع کم سہی، چلو اس کو دے دو۔ اسی طرح جب وہ کوئی چیز خریدتا، تب بھی نرمی کا معاملہ کرتا، جب دوکاندار نے چیز کی قیمت بتادی، اس نے بس ایک مرتبہ اس سے کہدیا کہ بھائی تھوڑی سی کم کردو۔ یہ نہیں کہ قیمت کم کرانے کے لئے اس سے لڑ رہا ہے۔ اور اس سے زبردستی کم کرارہا ہے۔ بلکہ ایک آدھ مرتبہ کہدینے کے بعد قیمت ادا کرکے چیز لے لی۔ اسی طرح جب دوسرے سے اپنا حق وصول کرنے کا وقت آتا، مثلاً کسی سے پیسے وصول کرنے ہیں، یا قرض وصول کرنا ہے۔ تب بھی نرمی کا معاملہ کرتا، اور اس سے کہتا کہ چلو ابھی پیسے نہیں ہیں تو بعد میں ادا کردینا۔ تمہیں مہلت دیتا ہوں۔ جب آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی پیشی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چونکہ یہ میرے بندوں کے ساتھ نرمی کا

معاملہ کرتا تھا۔ اس لئے میں بھی اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتا ہوں۔ اور پھر اس کی مغفرت فرمادی۔ بہرحال، اللہ تعالیٰ کو بندوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا، اور تنگدست کے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا بہت ہی زیادہ پسند ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی کا یہ معمول تھا کہ جب بھی کسی کے ساتھ بیع و شراء کا معاملہ فرماتے تو اپنے ذمے جتنا واجب ہوتا اس سے زیادہ ہی دیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں سونے چاندی کے سکے رائج تھے۔ اور وہ سکے بھی مختلف مالیتوں کے ہوتے تھے۔ اس لئے ان کی گنتی کے بجائے ان کا وزن دیکھا جاتا تھا کہ کتنے وزن کا ہے۔ اس کے ذریعہ قیمت ادا کی جاتی تھی۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چیز بازار سے خریدی۔ دراھم کے ذریعہ جب اس کی قیمت ادا فرمانے لگے تو آپ نے وزن کرنے والے سے فرمایا: "زِنْ وَارْجِحْ" جھکتا ہوا تولو۔ یعنی میرے ذمے جتنے درھم واجب ہیں۔ اس سے کچھ زیادہ دیدو ـــــ اور ایک روایت میں آپ نے ارشاد فرمایا: خِيَارُكُمْ اَحْسَنُكُمْ قَضَاءً تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو جب دوسرے کا حق ادا کریں تو اچھی طرح ادا کریں۔ یعنی کچھ زیادہ ہی ادا کریں۔ کم نہ کریں۔ مثلاً آپ کے ذمے سو روپے قرض تھے۔ آپ نے سو کے بجائے ایک سو دس ادا کردیئے۔ اور یہ کہ دیتے وقت پریشان نہ کریں، چکر نہ کٹوائیں۔ ٹال مٹول نہ کریں۔ یہ سب باتیں اچھی طرح ادا کرنے اور حسن سلوک کے ساتھ ادا کرنے میں داخل ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، جو فقہ کے اندر ہمارے مقتدا ہیں۔ جن کی فقہ پر ہم عمل کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے شاگردوں کے نام ایک وصیت نامہ لکھا

ہے۔ اس وصیت نامہ میں لکھتے ہیں کہ: "جب کسی کے ساتھ بیع و شراء کا معاملہ ہو تو اس کو اس کے حق سے کچھ زیادہ ہی دیدیا کرو۔ کم نہ کیا کرو" یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ ہم لوگوں نے صرف چند خاص خاص سنتیں یاد کرلی ہیں۔ اور اس پر عمل کرلیتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا حصہ ہے۔ ہمیں ان پر بھی عمل کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ اس حدیث میں اسی سنت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ:

﴿وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾

"یعنی جو شخص کسی تنگ دست کے ساتھ آسانی کا معاملہ کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت دونوں میں اس کے ساتھ آسانی کا معاملہ فرمائیں گے"۔

اصل آسانی تو آخرت کی آسانی ہے۔ لیکن تجربہ یہ ہے کہ ایسا شخص دنیا میں بھی پریشان نہیں ہوتا،"۔

پیسے جوڑ جوڑ کر رکھنے والوں کے لئے بددعا

ایک حدیث میں ہے کہ ایک فرشتہ روزانہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہے کہ:

﴿اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا وَّاَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا﴾

"اے اللہ، جو شخص پیسوں کو جوڑ جوڑ کر رکھتا ہو۔ یعنی ہر وقت گنتا رہتا ہے کہ اب کتنے ہوگئے۔ اور اب کتنے ہوگئے۔ اور خرچ کرتے ہوئے جان نکل رہی ہے، اے اللہ، اس کے مال پر ہلاکت ڈال دے"۔

چنانچہ اس دعا کے نتیجہ میں اس کے مال پر اس طرح ہلاکت پڑتی ہے کہ کبھی اس کے پیسے چوری ہوگئے۔ کبھی ڈاکہ پڑگیا۔ کبھی کوئی نقصان ہوگیا۔ اور کچھ نہ ہو تو بے برکتی ضرور ہوجاتی ہے، وہ پیسے اگرچہ گنتی میں تو زیادہ ہوگئے۔ لیکن ان پیسوں سے جو فائدہ حاصل ہونا چاہئے تھا۔ اور ان پیسوں میں جو برکت ہونی چاہئے تھی وہ فائدہ اور برکت حاصل نہ ہوئی۔ مثلاً پیسے تو زیادہ ہوگئے۔ لیکن گھر میں سے بیماری ہوگئیں، اور اب وہ پیسے ہسپتال اور ڈاکٹر کے نذر ہو رہے ہیں۔ بتائیے یہ کیسی برکت ہوئی؟ یا پیسے تو بہت جمع ہوگئے۔ لیکن گھر کے اندر ناچاقی ہوگئی اور اس کے نتیجے میں زندگی کا لطف جاتا رہا۔

پیسے خرچ کرنے والوں کے لئے دعا

پیسے خرچ کرنے والوں کے لئے فرشتہ یہ دعا کرتا ہے "وَاَعْطِ مُنْفِقاً خَلَفاً" اے اللہ، جو شخص اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہو۔ صدقہ خیرات کرتا ہو۔ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہو، کسی کو پیسے دے رہا ہے۔ کسی کو پیسے معاف کررہا ہے۔ اے اللہ، ایسے خرچ کرنے والے کو خرچ کا بدل دنیا میں ہی عطا فرما۔ بہرحال، جو شخص اس طرح لوگوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنے والا ہو، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسروں کے مقابل میں اس کے پیسے زیادہ خرچ ہو رہے ہیں، لیکن جو پیسہ خرچ ہو رہا ہے، وہ حقیقت میں جا نہیں رہا ہے، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت لا رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کو بدل عطا فرمادیتے ہیں، آج تک کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا گیا جو صرف اس وجہ سے مفلس ہوگیا کہ وہ صدقہ خیرات زیادہ کرتا تھا۔ یا لوگوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنے کی وجہ سے مفلس ہوگیا ہو۔ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اس کو بدل ضرور عطا فرماتے ہیں۔ اسی لئے حدیث میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اس کے لئے آسانی پیدا فرماتے ہیں۔ اور آخرت میں بھی آسانی پیدا فرمائیں گے۔

دوسروں کی پردہ پوشی کرنا

تیسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا: "وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِماً، سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" جو شخص کسی مسلمان کی پردہ وشی کرے، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔ مثلاً کسی مسلمان کا کوئی عیب یا غلطی سامنے آگئی کہ اس نے فلاں کام غلط اور ناجائز کیا ہے، اب ہر جگہ اس کے بارے میں چرچا کرتے پھرو کہ وہ تو یہ کام کررہا تھا۔ اس کے بجائے اس کی پردہ پوشی کرو۔ اس کو چھپادو، کسی اور کو مت بتاؤ۔ یہ طریقہ اس وقت اختیار کرنا چاہئے کہ جب اس کے عمل سے کسی دوسرے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔ لیکن اگر اس کا ایسا عمل سامنے آیا، جس سے دوسرے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، مثلاً کسی کے قتل کرنے کی سازش کی جارہی ہے۔ اس وقت پردہ پوشی کرنا جائز نہیں، بلکہ دوسروں کو بتانا ضروری ہے۔ لیکن اگر اس کے عمل سے دوسرے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو تو پھر حکم یہ ہے کہ اس کی پردہ پوشی کرو۔ اور اس کے لئے دعا کرو کہ یا اللہ! یہ شخص اس گناہ کے اندر مبتلا ہوگیا ہے۔ آپ اپنی رحمت سے اس کو اس گناہ سے نکال دیجئے۔

بہرحال، دوسروں کے عیب نہ تو تلاش کرو، اور نہ اس کو پھیلانے کو کوشش کرو۔ آج کل اس بارے میں بڑی کوتاہی ہورہی ہے، ایک آدمی کے بارے میں آپ کو پتہ چل گیا کہ وہ فلاں کام کرتا ہے، اب آپ کے پیٹ میں یہ بات نہیں رکتی، اور دوسروں سے کہے بغیر آپ کو چین نہیں آتا۔ دوسروں کو بتانا ضروری سمجھتے ہیں۔ حالانکہ بلاوجہ دوسروں کے عیب تلاش کرنا ان کو پھیلانا گناہ ہے۔

دوسروں کو گناہ پر عار دلانا

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿مَنْ عَيَّرَ اَخَاهُ بِذَنْبٍ قَدْ تَابَ مِنْهُ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى يَعْمَلَهُ﴾ (ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب نمبر ۵۴)

اگر کوئی شخص اپنے بھائی کو ایسے گناہ پر عار دلائے جس گناہ سے وہ توبہ کرچکا تھا، تو یہ شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک خود اس گناہ میں مبتلا نہیں ہو جائے گا ــــ اگر ایک شخص سے کوئی گناہ ہوگیا، پھر اس نے اس گناہ سے توبہ کرلی۔ اب آپ اس کو بار بار اس گناہ پر عار دلا رہے ہیں کہ تو تو وہی ہے جس نے یہ حرکت کی تھی ــــ اللہ تعالیٰ کو یہ بات بہت ناپسند ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے گناہ پر پردہ ڈال دیا۔ اور اس کے گناہ کو معاف کردیا، میں نے اس کے نامہ اعمال سے اس گناہ کو مٹادیا، اب تو کون ہے اس گناہ پر اعتراض کرنے والا، اور اس گناہ پر عار دلانے والا؟ اگر تو عار دلائے گا تو ہم تمہیں اس گناہ کے اندر مبتلا کردیں گے۔ اس لئے کسی مسلمان کی عیب جوئی کرنا، یا کسی مسلمان کے عیب کو بیان کرنا، اس کی تشہیر کرنا بڑا سخت گناہ کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس دنیا کے اندر داروغہ بناکر نہیں بھیجا کہ دوسروں کے عیوب کو اچھالتے پھرو۔ بلکہ تمہیں تو بندہ بناکر بھیجا ہے۔

اپنی فکر کریں

اس لئے تم اپنی فکر کرو، اپنے عیوب کو دیکھو، اپنے گریباں میں منہ ڈال کر دیکھو۔ اللہ تعالیٰ جس شخص کو اپنے عیوب کی فکر عطا فرمادیتے ہیں۔ اس کو دوسروں کے عیوب نظر ہی نہیں آتے، دوسروں کے عیوب اسی کو نظر آتے ہیں جو اپنے عیوب سے بے پرواہ ہو۔ جو اپنی اصلاح سے غافل ہو۔ جو شخص خود بیمار ہو۔ وہ دوسروں کے نزلہ و زکام کی کہاں فکر کرے گا۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو وہ احمق اور بیوقوف ہے۔ اس لئے دوسروں کے عیوب کے پیچھے پڑنا، تجسس کرنا، ان کی تشہیر کرنا بڑا سخت جرم ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمایا۔ لہٰذا ایک مسلمان کا شیوہ نہیں ہے کہ وہ یہ کام کرے۔ مسلمان کو ان

تمام برائیوں سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ اس کے بغیر وہ صحیح معنی میں مسلمان نہیں بن سکتا۔

علم دین سیکھنے کی فضیلت اور اس پر بشارت

چوتھا جملہ یہ ارشاد فرمایا:

﴿وَمَنْ سَلَكَ طَرِيْقاً يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْماً سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ بِهٖ طَرِيْقاً اِلَى الْجَنَّةِ﴾

اس جملے میں ہم سب کے لئے بڑی خوشخبری اور بشارت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس مصداق بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ فرمایا کہ جو شخص کوئی فاصلہ طے کرے یا کوئی راستہ چلے، اور راستہ چلنے اور فاصل طے کرنے سے اس کا مقصد یہ ہو کہ دین کی کوئی بات معلوم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس چلنے کی بدولت اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرمادیں گے۔ دین کی ایک بات معلوم کرنے کی خاطر جو سفر کیا جائے گا۔ مثلاً کوئی معاملہ پیش آیا، اور آپ کو اس کے بارے میں مسئلہ معلوم نہیں ہے، اب آپ مسئلہ معلوم کرنے کے لئے کسی کے پاس جارہے ہیں کہ مجھے اس بارے میں کیا کرنا چاہئے؟ اب مفتی کے پاس جو چل کر گئے تو اس سے آپ کو یہ فضیلت حاصل ہو گئی۔

یہ علم ہمارے اسلاف نے محنت سے جمع کر دیا

ہم لوگ علم حاصل کرنے کے لئے وہ محنت کہاں کرسکتے ہیں جو محنت ہمارے اسلاف کر گئے۔ آج ہم لوگ آرام سے بیٹھ کر کتاب کھول کر یہ حدیث پڑھ رہے ہیں، اور اس پر وعظ کر رہے ہیں۔ ہمارے اسلاف نے فاقے کرکے، روکھی سوکھی کھاکر، موٹا جھوٹا پہن کر، مشقت اٹھاکر، قربانیاں دے کر یہ علم ہمارے لئے اس شکل

میں تیار کرکے چلے گئے۔ اگر وہ لوگ اس طرح محنت نہ کرتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات اس طرح ہمارے پاس محفوظ نہ ہوتے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا محفوظ کرکے چلے گئے۔ قیام قیامت تک آنے والوں کے لئے لائحہ عمل بتاگئے۔ ایک مشعل راہ بتاگئے۔

ایک حدیث کے لئے طویل سفر کرنے کا واقعہ

بخاری شریف میں ایک روایت ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے قریبی صحابی تھے، اور انصاری تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وصال کے بعد ایک دن بیٹھے ہوئے تھے، ان کو معلوم ہوا کہ تہجد کی نماز کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث ایسی ہے، جو میں نے نہیں سنی، بلکہ ایک دوسرے صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سنی ہے۔ جو اس وقت شام کے شہر دمشق میں مقیم ہیں۔ ان کے دل میں خیال آیا کہ یہ حدیث بالواسطہ اپنے پاس کیوں رکھوں۔ بلکہ جن صحابی نے یہ حدیث حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ میں ان سے براہ راست کیوں نہ حاصل کرلوں۔ اب انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ وہ صحابی کہاں ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ شام کے شہر دمشق میں مقیم ہیں —— (جبکہ خود مدینہ منورہ میں مقیم تھے) اور مدینہ منورہ طیبہ سے دمشق کا فاصلہ تقریباً پندرہ سو کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ میں نے خود اس راستے پر سفر کیا ہے وہ پورا راستہ لق و دق صحرا ہے۔ نہ اس میں کوئی ٹیلہ ہے، نہ کوئی درخت ہے، نہ پانی ہے —— چنانچہ اسی وقت حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اونٹ منگوایا، اور اس پر سوار ہوکر روانہ ہوگئے، اور پندرہ سو کلومیٹر کا فاصلہ طے کرکے دمشق پہنچ گئے۔ وہاں جاکر ان کے گھر کا پتہ لگایا۔ دروازے پر پہنچ کر دستک دی۔ ان صحابی نے دروازہ کھولا۔ اور پوچھا کیسے آنا ہوا؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ تہجد کی فضیلت پر آپ نے ایک حدیث حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ

راست سنی ہے میں وہ حدیث آپ کی زبان سے سننے کے لئے آیا ہوں۔ ان صحابی نے پوچھا کہ آپ مدینہ طیبہ سے صرف اسی کام کے لئے آئے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں! صرف اسی کام کے لئے آیا ہوں۔ ان صحابی نے کہا کہ وہ حدیث تو میں بعد میں سناؤں گا، لیکن پہلے ایک اور حدیث سن لو جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ پھر یہی حدیث سنائی کہ جو شخص کوئی راستہ قطع کرے۔ جس کے ذریعہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کا علم حاصل کرنا چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرمادیتے ہیں۔ پہلے یہ حدیث سنائی اور پھر تہجد کی فضیلت والی حدیث سنائی۔ حدیث سنانے کے بعد ان صحابی نے فرمایا کہ اب تھوڑی دیر اندر بیٹھیں۔ اور کھانا کھائیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں۔ میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ اس لئے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ پورا سفر صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی خاطر ہو۔ اس سفر میں کسی اور کام کا ذرہ برابر بھی دخل نہ ہو، اب میں کوئی اور کام کرنا نہیں چاہتا۔ یہ حدیث مجھے مل گئی۔ اور میرا مقصد حاصل ہوگیا۔ میں مدینہ طیبہ واپس جارہا ہوں۔ "السلام علیکم"

یہاں آتے وقت سیکھنے کی نیت کرلیا کریں

دیکھئے: ایک حدیث کی خاطر اتنا لمبا سفر کیا۔ اور یہ میں نے آپ کو صرف ایک مثال بتائی۔ ورنہ صحابہ کرام کے حالات اور تابعین اور تبع تابعین کے حالات اٹھا کر دیکھئے تو یہ نظر آئے گا کہ ان میں سے ایک ایک نے دین کا علم حاصل کرنے کی خاطر اور احادیث جمع کرنے کی خاطر لمبے لمبے سفر کئے۔ آج احادیث کا یہ مجموعہ پکی پکائی روٹی کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ ان اللہ کے بندوں نے اپنے مال قربان کئے۔ اور اپنی جانیں قربان کیں۔ اور مشقتیں اٹھائیں۔ تب جاکر یہ علم ہم تک پہنچا ہے۔ یہ محنت وہ حضرات کرگئے۔ اگر ہمارے ذمے یہ کام ہوتا تو یہ دین کا علم ضائع ہوچکا ہوتا، یہ تو اللہ تعالیٰ کا کرم تھا کہ اس نے اس کام کے لئے وہ قوم پیدا کردی تھی کہ

آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے دین کو محفوظ کردیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ یہ دین محفوظ ہے، کتابیں چھپی ہوئی ہے۔ اور ہر دور میں دین کو پڑھنے پڑھانے والے، جاننے والے ہر جگہ موجود رہے ہیں۔ بس اب تمہارا اتنا کام ہے کہ ان کے پاس جاکر علم سیکھ لو، اور مسئلہ معلوم کرلو ـــــ بہرحال، اس حدیث میں علم سیکھنے والے کے لئے یہ عظیم بشارت بیان فرمائی۔ ہم لوگ جو یہاں جمع ہوتے ہیں، اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ دین کی بات سنیں اور سنائیں۔ اور دین کا علم حاصل کریں، اس لئے گھر سے چلتے وقت اس حدیث کو ذہن میں لے آیا کریں کہ ہم دین کا علم حاصل کرنے جارہے ہیں، اللہ تعالیٰ اس حدیث کی بشارت ہم سب کو عطا فرمائے، آمین۔

اللہ کے گھر میں جمع ہونے والوں کیلئے عظیم بشارت

حدیث کے اگلے جملے میں ایک اور بشارت بیان فرمائی، فرمایا کہ کوئی جماعت کسی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر یعنی مسجد میں جمع ہوکر بیٹھ جائے، اللہ کی کتاب کی تلاوت کے لئے، یا اللہ کی کتاب کے درس و تدریس کے لئے، یعنی اللہ کے دین کا باتوں کو سننے سنانے کے لئے بیٹھ جائے تو جس وقت وہ لوگ اس مقصد کے لئے جمع ہوتے ہیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر سکینت نازل ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے۔ اور چاروں طرف سے ملائکہ اس مجلس اور مجمع کو گھیر لیتے ہیں ـــــ ملائکہ کے گھیرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کی طرف متوجہ ہے، اور وہ ملائکہ رحمت ہیں۔ وہ ان بندوں کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اور ان کے لئے استغفار اور التجاء کرتے ہیں کہ یا اللہ! یہ لوگ آپ کے دین کے خاطر جمع ہوئے ہیں۔ یا اللہ! آپ اپنی رحمت سے ان کی مغفرت فرمادیجئے۔ ان پر رحمتیں نازل فرمایئے۔ ان کے گناہ معاف فرمایئے۔ ان کو دین کی توفیق عطا فرمایئے۔

تم اللہ کاذکر کرو، اللہ تمہارا تذکرہ کریں

اگلا جملہ یہ ارشاد فرمایا: وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی محفل میں ان اہل مجلس کاذکر فرماتے ہیں کہ یہ میرے بندے اپنے سارے کام چھوڑ کر صرف میری خاطر اور میرا ذکر کرنے کے لئے، میرا ذکر سننے کے لئے، میرے دین کی باتیں سننے کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اور اپنے اردگرد کے ملائکہ کے سامنے اس محفل کا تذکرہ فرماتے ہیں۔ یہ کوئی معمولی بات ہے۔ ارے یہ بہت بڑی بات ہے۔

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

یہ کوئی معمولی بات ہے کہ محبوب حقیقی ہمارا ذکر کرے۔ ارے یہ کام تو ہمارا تھا کہ ہم ان کاذکر کرتے، ہمیں پہلے حکم دیا کہ "فَاذْكُرُونِيْ" تم میرا ذکر کرو، لیکن ساتھ ہی اس ذکر کا صلہ اور بدلہ بھی عطا فرمادیا کہ "أَذْكُرْكُمْ" تم میرا ذکر کروگے میں تمہارا ذکر کروں گا۔ تم مجھے یاد کروگے میں تمہیں یاد کروں گا۔ حالانکہ ہمارا ذکر کیا حقیقت رکھتا ہے۔ ذکر کرلیں تو کیا۔ نہ کریں تو کیا، ہمارے ذکر کرنے سے ان کی عظمت اور جلال میں ذرہ برابر بھی اضافہ نہیں ہوتا، اور اگر ہم ان کاذکر چھوڑ دیں۔ بلکہ ساری دنیا ان کا ذکر کرنا چھوڑ دے تو بھی ان کی عظمت اور جلال میں ذرہ برابر کمی نہیں آئے گی۔ ہماری مثال تو ایک تنکے جیسی ہے۔ ایک تنکے نے اللہ تعالیٰ کاذکر کرلیا تو کیا کمال کیا۔ لیکن وہ بندے کاذکر کریں، یہ معمولی بات نہیں۔

حضرت اُبیّ بن کعب سے قرآن پاک سنانے کی فرمائش

حضرت اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ ہر صحابی میں اللہ تعالیٰ نے الگ الگ خصوصیات رکھی تھیں۔ حضرت اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کی خصوصیت یہ تھی کہ قرآن کریم بہترین پڑھا کرتے تھے۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ

وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا: اَقْرَئُهُمْ اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ سارے صحابہ میں سب سے بہتر قرآن کریم پڑھنے والے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔ ایک دن حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل امین کے واسطے سے یہ پیغام بھیجا ہے کہ تم اُبی بن کعب سے کہو کہ وہ تمہیں قرآن شریف سنائیں۔ جب حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو فوراً یہ سوال کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر فرمایا ہے کہ اُبی بن کعب سے ایسا کہو؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! تمہارا نام لے کر فرمایا ہے۔ بس اسی وقت حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ پر گریہ طاری ہوگیا، اور روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں، اور فرمایا کہ میں اس قابل کہاں کہ اللہ تعالیٰ میرا ذکر فرمائیں، اور میرا نام لیں۔

اللہ کے ذکر کرنے پر عظیم بشارت

بہرحال، اللہ تعالیٰ کسی بندے کا ذکر فرمائیں۔ یہ اتنی بڑی دولت اور نعمت ہے کہ ساری دنیا کی نعمتیں اور دولتیں ایک طرف، یہ نعمت ایک طرف، اس حدیث میں اسی عظیم نعمت کے بارے میں فرمایا کہ جب اللہ کا دین سیکھنے کی خاطر، اور دین کے پڑھنے پڑھانے کی خاطر لوگ کسی جگہ جمع ہوجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ کے مجمع میں ان کا ذکر فرماتے ہیں۔ ایک حدیث قدسی ہے ــــ "حدیث قدسی" اس کہتے ہیں جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل شانہ کا کلام نقل فرمائیں ــــ ایک حدیث قدسی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے فرمایا:

﴿مَنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ نَفْسِیْ ذَكَرْتُهٗ فِیْ نَفْسِیْ، وَمَنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ مَلَاٍ ذَكَرْتُهٗ فِیْ مَلَاٍ خَیْرٍ مِنْهُ﴾

"جو شخص میرا ذکر تنہائی میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر تنہائی میں کرتا ہوں، اور اس کو یاد کرتا ہوں۔ اور جو شخص میرا ذکر کسی مجمع میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر اس سے بہتر مجمع میں کرتا ہوں۔ یعنی وہ میرا ذکر انسانوں کے مجمع میں کرتا ہے۔ میں اس کا ذکر ملائکہ کے مجمع میں کرتا ہوں"۔

ذکر کی کتنی بڑی فضیلت بیان فرمادی۔ اس میں وہ سب لوگ داخل ہیں جو دین کی درس و تدریس کے لئے، یا دین کے افہام و تفہیم کے لئے کسی جگہ جمع ہوجائیں۔ وہ سب اس فضیلت کے اندر داخل ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کو اس کا مصداق بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ہم لوگ جو یہاں ہفتے میں ایک دن جمع ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور دین کی باتوں کا تذکرہ کرلیتے ہیں۔ یہ معمولی چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بڑی فضیلت اور ثواب اور اجر کی چیز ہے، بشرطیکہ دل میں اخلاص ہو۔ اور اللہ کے دین کی طلب ہو۔

اونچا خاندان ہونا نجات کے لئے کافی نہیں

اس حدیث میں آخری جملہ یہ ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ﴾

یہ جملہ بھی جوامع الکلم میں سے ہے، معنی اس کے یہ ہیں کہ جس شخص کے عمل نے اس کو پیچھے چھوڑ دیا، یا جو شخص اپنے عمل کی وجہ سے پیچھے رہ گیا، تو محض اس کا نسب اس کو آگے نہیں بڑھا سکتا ــــ مطلب یہ ہے کہ کسی کا عمل خراب ہے۔ اور اس خراب عمل کی وجہ سے جنت تک نہیں پہنچ سکا۔ بلکہ پیچھے رہ گیا۔ جبکہ دوسرے لوگ جلدی جلدی قدم بڑھا کر جنت میں پہنچ گئے، بقول کسی کے ـ

یارانِ تیز گام نے منزل کو جالیا
ہم محو نالۂ جرسِ کارواں رہے

وہ لوگ آگے چلے گئے۔ اور یہ اپنے عمل کی خرابی کی وجہ سے پیچھے رہ گیا۔ اور عمل کی اصلاح نہ کرپایا تو اب صرف نسب کی وجہ سے کہ چونکہ یہ فلاں خاندان سے تعلق رکھتا ہے، یا فلاں بزرگ کا یا فلاں عالم کا بیٹا ہے۔ محض اس بنیاد پر وہ جلدی نہیں پہنچ سکے گا۔ اشارہ اس طرف فرمادیا کہ محض اس پر بھروسہ اور تکیہ کرکے مت بیٹھ جاؤ کہ میں فلاں کا صاحب زادہ ہوں، فلاں خاندان سے تعلق رکھتا ہوں، بلکہ اپنا عمل صحیح کرنے کی فکر کرو۔ اگر یہ چیز کار آمد ہوتی تو حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا جہنم میں نہ جاتا۔ جبکہ حضرت نوح علیہ السلام اتنے بڑے جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ اور اپنے بیٹے کی مغفرت کے لئے دعا بھی فرما رہے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمادیا: اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ اس نے جو عمل کیا ہے وہ صالح عمل نہیں ہے، اس لئے اس کے حق میں آپ کی دعا قبول نہیں کی جائے گی۔ تو اصل چیز عمل ہے۔ البتہ عمل کے ساتھ اگر کسی بزرگ سے تعلق بھی ہوتا ہے تو ان بزرگ کے تعلق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کچھ سہارا فرمادیتے ہیں۔ لیکن اپنی طرف سے عمل اور توجہ اور فکر شرط ہے۔ اب اگر کسی کو توجہ فکر اور طلب ہی نہیں ہے۔ بلکہ غفلت کے اندر مبتلا ہے۔ تو محض اونچے خاندان سے تعلق کی وجہ سے آگے نہیں بڑھ سکے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا عمل درست کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

خلاصہ

آج کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کا تقاضہ بھی یہ ہے، اور اللہ تعالیٰ سے محبت کی لازمی شرط یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق سے محبت کرو۔ اور اللہ کی مخلوق پر شفقت اور رحم کرو، جب تک یہ چیز حاصل نہیں ہوگی اس وقت تک اللہ

تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ جھوٹا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں اپنی محبت اور اپنی مخلوق کی محبت پیدا فرمادے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

عُلماء کی توہین سے بچیں

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب : علماء کی توہین سے بچیں۔

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ہشتم

صفحات : ۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

علماء کی توہین سے بچیں

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیاٰت اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھدان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔ اما بعد!

﴿عن عمرو بن عوف المزنی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: اتقوا ذلۃ العالم ولا تقطعوہ وانتظروا فیئتہ﴾ (مسند الفردوس للدیلمی جلد ۱ صفحہ ۹۵۔ کنز العمال حدیث نمبر ۲۸۶۸۲)

یہ حدیث اگرچہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہے، لیکن معنی کے اعتبار سے تمام امت نے اس کو قبول کیا ہے، اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑا اہم نکتہ بیان فرمایا ہے۔ حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت عمرو بن عوف مدنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عالم کی لغزش سے بچو، اور اس سے قطع تعلق مت کرو، اور اس کے لوٹ آنے کا انتظار کرو ـــــ "عالم" سے مراد وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دین کا علم، قرآن کریم کا علم، حدیث کا علم، فقہ کا علم عطا فرمایا ہو، آپ کو یقین سے یہ معلوم ہے کہ فلاں

کام گناہ ہے، اور تم یہ دیکھ رہے ہو کہ ایک عالم اس گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے، اور اس غلطی کے اندر مبتلا ہے۔ پہلا کام تو تم یہ کرو کہ یہ ہرگز مت سوچو کہ جب اتنا بڑا عالم یہ گناہ کا کام کر رہا ہے تو لاؤ میں بھی کر لوں، بلکہ اس تم اس عالم کی اس غلطی اور اس گناہ سے بچو، اور اس کو دیکھ کر تم اس گناہ کے اندر مبتلا نہ ہو جاؤ۔

گناہ کے کاموں میں علماء کی اتباع مت کرو

اس حدیث کے پہلے جملے میں ان لوگوں کی اصلاح فرمادی جن لوگوں کو جب کسی گناہ سے روکا جاتا ہے، اور منع کیا جاتا ہے کہ فلاں کام ناجائز اور گناہ ہے، یہ کام مت کرو، تو وہ لوگ بات ماننے اور سننے کے بجائے فوراً مثالیں دینا شروع کر دیتے ہیں کہ فلاں عالم بھی تو یہ کام کرتے ہیں۔ فلاں عالم نے فلاں وقت میں یہ کام کیا تھا ــــ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے قدم پر ہی اس استدلال کی جڑ کاٹ دی کہ تمہیں اس عالم کی غلطی کی پیروی نہیں کرنی ہے، بلکہ تمہیں اس کی صرف اچھائی کی پیروی کرنی ہے، وہ اگر گناہ کا کام یا کوئی غلط کام کر رہا ہے تو تمہارے دل میں یہ جرأت پیدا نہ ہو کہ جب وہ عالم یہ کام کر رہا ہے تو ہم بھی کریں گے۔ ذرا سوچو کہ اگر وہ عالم جہنم کے راستے پر جا رہا ہے تو کیا تم بھی اس کے پیچھے جہنم کے راستے پر جاؤ گے؟ وہ اگر آگ میں کود رہا ہے تو کیا تم بھی کود جاؤ گے؟ ظاہر ہے کہ تم ایسا نہیں کرو گے، پھر کیا وجہ ہے کہ گناہ کے کام میں تم اس کی اتباع کر رہے ہو؟

عالم کا عمل معتبر ہونا ضروری نہیں

اس وجہ سے علماء کرام نے فرمایا ہے کہ وہ عالم جو سچا اور صحیح معنی میں عالم ہو۔ اس کا فتویٰ تو معتبر ہے، اس کا زبان سے بتایا ہوا مسئلہ تو معتبر ہے، اس کا عمل معتبر ہونا ضروری نہیں۔ اگر وہ کوئی غلط کام کر رہا ہے تو اس سے پوچھو کہ یہ کام جائز ہے یا نہیں؟ وہ عالم یہی جواب دے گا کہ یہ عمل جائز نہیں۔ اس لئے تم اس کے بتائے

ہوئے مسئلے کی اتباع کرو۔ اس کے عمل کی اتباع مت کرو۔ لٰہذا یہ کہنا کہ فلاں کام جب اتنے بڑے بڑے علماء کررہے ہیں تو لاؤں میں بھی یہ کام کرلوں، یہ استدلال درست نہیں۔ اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ اتنے بڑے بڑے لوگ آگ میں کود رہے ہیں۔ لاؤ میں بھی آگ میں کود جاؤں۔ جیسے یہ طرز استدلال غلط ہے۔ اسی طرح وہ طرز استدلال بھی غلط ہے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عالم کی لغزش سے بچو یعنی اس کی لغزش کی اتباع مت کرو۔

عالم سے بدگمان نہ ہونا چاہئے

بعض لوگ دوسری غلطی یہ کرتے ہیں کہ جب وہ کسی عالم کو کسی غلطی میں یا گناہ میں مبتلا دیکھتے ہیں تو بس فوراً اس سے قطع تعلق کرلیتے ہیں۔ اور اس سے بدگمان ہو کہ بیٹھ جاتے ہیں۔ اور بعض اوقات اس کو بدنام کرنا شروع کردیتے ہیں کہ یہ مولوی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اور پھر تمام علماء وکرام کی توہین شروع کردیتے ہیں کہ آج کل کے علماء تو ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اسی حدیث کے دوسرے جملے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی تردید فرمادی کہ اگر کوئی عالم گناہ کا کام کررہا ہے تو اس کی وجہ سے اس سے قطع تعلق بھی مت کرو، کیوں؟

علماء تمہاری طرح کے انسان ہی ہیں

اس لئے کہ عالم بھی تمہاری طرح کا انسان ہے، جو گوشت پوست تمہارے پاس ہے، وہ اس کے پاس بھی ہے۔ وہ کوئی آسمان سے اترا ہوا فرشتہ نہیں ہے، جو جذبات تمہارے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ وہ جذبات اس کے دل میں بھی پیدا ہوتے ہیں، نفس تمہارے پاس بھی ہے اس کے پاس بھی ہے۔ شیطان تمہارے پیچھے بھی لگا ہوا ہے، اس کے پیچھے بھی لگا ہوا ہے۔ نہ وہ گناہوں سے معصوم ہے، نہ وہ پیغمبر ہے۔ اور نہ وہ فرشتہ ہے، بلکہ وہ بھی اسی دنیا کا باشندہ ہے، اور جن حالات سے تم

گزرتے ہو۔ وہ بھی ان حالات سے گزرتا ہے۔ لہٰذا یہ تم نے کہاں سے سمجھ لیا کہ وہ گناہوں سے معصوم ہے، اور اس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوگا، اور اس سے کبھی غلطی نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ جب وہ انسان ہے تو بشری تقاضے سے کبھی اس سے غلطی بھی ہوگی۔ کبھی وہ گناہ بھی کرے گا۔ لہٰذا اس کے گناہ کرنے کی وجہ سے فوراً اس عالم سے برگشتہ ہو جانا اور اس کی طرف سے بدگمان ہو جانا صحیح نہیں۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فوراً اس سے قطع تعلق مت کرو، بلکہ اس کے واپس آنے کا انتظار کرو، اس لئے کہ اس کے پاس علم صحیح موجود ہے۔ اُمید ہے کہ وہ انشاء اللہ کسی وقت لوٹ آئے گا۔

علماء کے حق میں دعا کرو

اور اگر اس کے لئے دعا کرو کہ یا اللہ! فلاں شخص آپ کے دین کا حامل ہے اس کے ذریعہ ہمیں دین کا علم معلوم ہوتا ہے، یہ بے چارہ اس گناہ کی مصیبت میں پھنس گیا ہے، اے اللہ اس کو اپنی رحمت سے اس مصیبت سے نکال دیجئے۔ اس دعا کے کرنے سے تمہارا ڈبل فائدہ ہے۔ ایک دعا کرنے کا ثواب ملے گا۔ دوسرے ایک مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے کا ثواب۔ اور اگر تمہاری یہ دعا قبول ہوگئی تو تم اس عالم کی اصلاح کا سبب بن جاؤ گے۔ پھر اس کے نتیجے میں وہ عالم جتنے نیک کام کرے گا وہ سب تمہارے اعمال نامہ میں بھی لکھے جائیں گے۔ لہٰذا بلاوجہ دوسروں سے یہ کہہ کر کسی عالم کو بدنام کرنا کہ فلاں بڑے عالم بنے پھرتے ہیں وہ تو یہ حرکت کررہے تھے۔ اس سے کچھ حاصل نہیں۔ اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔

عالم بے عمل بھی قابل احترام ہے

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عالم کو تو خود چاہئے کہ وہ باعمل ہو، لیکن اگر کوئی عالم بے عمل بھی

ہے تو بھی وہ عالم اپنے علم کی وجہ سے تمہارے لئے قابل احترام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو علم دیا ہے، اس کا ایک مرتبہ ہے، اس مرتبہ کی وجہ سے وہ عالم قابل احترام بن گیا۔ جیسا کہ والدین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

﴿وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾ (سورۃ لقمان: ۱۵)

اگر والدین کافر اور مشرک بھی ہوں تو کفر اور شرک میں تو ان کی بات مت مانو، لیکن دنیا کے اندر ان کے ساتھ نیک سلوک کرو، اس لئے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ماں باپ ہونے کا جو شرف حاصل ہے۔ وہ بذات خود قابل تکریم اور قابل تعظیم ہے، تمہارے لئے ان کی اہانت جائز نہیں۔ اسی طرح اگر ایک عالم بے عمل بھی ہے تو اس کے حق میں دعا کرو کہ یا اللہ! اس کو نیک عمل کی توفیق دے دے۔ لیکن اس کی بد عملی کی وجہ سے اس کی توہین مت کرو۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ علماء سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے کہ نرا علم کوئی چیز نہیں ہوتی جب تک اس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ لیکن یہ بھی فرماتے کہ میرا معمول یہ ہے کہ جب میرے پاس کوئی عالم آتا ہے تو اگرچہ اس کے بارے میں مجھے معلوم ہو کہ یہ فلاں غلطی کے اندر مبتلا ہے۔ اس کے باوجود اس کے علم کی وجہ سے اس کا اکرام کرتا ہوں، اور اس کی عزت کرتا ہوں۔

علماء سے تعلق قائم رکھو

لہٰذا یہ پروپیگنڈہ کرنا اور علماء کو بدنام کرتے پھرنا کہ ارے میاں آج کل کے مولوی سب ایسے ہی ہوتے ہیں، آج کل کے علماء کا تو یہ حال ہے ـــــ یہ بھی موجودہ دور کا ایک فیشن بن گیا ہے۔ جو لوگ بے دین ہیں ان کا تو یہ طرز عمل ہے ہی، اس لئے کہ ان کو معلوم ہے کہ جب تک مولوی اور علماء کو بدنام نہیں کریں گے۔ اس

وقت تک ہم اس قوم کو گمراہ نہیں کرسکتے، جب علماء سے اس کا رشتہ توڑ دیں گے تو پھر یہ لوگ ہمارے رحم وکرم پر ہوں گے۔ ہم جس طرح چاہیں گے۔ ان کو گمراہ کرتے پھریں گے۔ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب گلہ بان سے بکریوں کا رشتہ توڑ دیا تو اب بھیڑیئے کے لئے آزادی ہوگئی کہ وہ جس طرح چاہے بکریوں کو پھاڑ کھائے۔ لہٰذا جو لوگ بے دین ہیں ان کا تو کام ہی یہ ہے کہ علماء کر بدنام کیا جائے، لیکن جو لوگ دیندار ہیں ان کا بھی یہ فیشن بنتا جارہا ہے کہ وہ بھی ہر وقت علماء کی توہین اور ان کی بے وقعتی کرتے پھرتے ہیں کہ ارے صاحب! علماء کا تو یہ حال ہے۔ ان لوگوں کی مجلسیں ان باتوں سے بھری ہوتی ہیں۔ حالانکہ ان باتوں سے کوئی فائدہ نہیں۔ سوائے اس کے کہ جب لوگوں کو علماء سے بدظن کردیا تو اب تمہیں شریعت کے احکام کون بتائے گا؟ اب تو شیطان ہی تمہیں شریعت کے مسائل بتائے گا کہ یہ حلال ہے، یہ حرام ہے، پھر تم اس کے پیچھے چلوگے، اور گمراہ ہوجاؤ گے۔ لہٰذا علماء اگرچہ بے عمل نظر آئیں۔ پھر بھی ان کی اس طرح توہین مت کیا کرو۔ بلکہ ان کے لئے دعا کرو، جب تم اس کے حق میں دعا کرو گے تو علم تو اس کے پاس موجود ہے۔ تمہاری دعا کی برکت سے انشاء اللہ ایک دن وہ ضرور صحیح راستے پر لوٹ آئے گا۔

ایک ڈاکو پیر بن گیا

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ اپنے مریدین سے فرمانے لگے تم کہاں میرے پیچھے لگ گئے۔ میرا حال تو اس پیر جیسا ہے جو حقیقت میں ایک ڈاکو تھا۔ اس ڈاکو نے جب یہ دیکھا کہ لوگ بڑی عقیدت اور محبت کے ساتھ پیروں کے پاس جاتے ہیں۔ ان کے پاس ہدیے تحفے لے جاتے ہیں۔ ان کا ہاتھ چومتے ہیں۔ یہ تو اچھا پیشہ ہے۔ میں خواہ مخواہ راتوں کو جاگ کر ڈاکے ڈالتا ہوں۔ پکڑے جانے اور جیل میں بند ہونے کا خطرہ الگ ہوتا ہے۔ مشقت اور تکلیف

علیحدہ ہوتی ہے۔ اس سے اچھا یہ ہے کہ میں پیر بن کر بیٹھ جاؤں۔ لوگ میرے پاس آئیں گے، میرے ہاتھ چومیں گے، میرے پاس ہدیے تحفے لائیں گے۔ چنانچہ یہ سوچ کر اس نے ڈاکہ ڈالنا چھوڑ دیا۔ اور ایک خانقاہ بنا کر بیٹھ گیا۔ لمبی تسبیح لے لی۔ لمبا کرتا پہن لیا۔ اور پیروں جیسا حلیہ بنالیا۔ اور ذکر اور تسبیح شروع کردی۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ کوئی اللہ والا بیٹھا ہے، اور بہت بڑا پیر معلوم ہوتا ہے۔ اب لوگ اس کے مرید بننا شروع ہوگئے۔ یہاں تک کہ مریدوں کی بہت بڑی تعداد ہوگئی۔ کوئی ہدیہ لارہا ہے، کوئی تحفہ لارہا ہے، خوب نذرانے آرہے ہیں۔ کوئی ہاتھ چوم رہا ہے، کوئی پاؤں چوم رہا ہے۔ ہر مرید کو مخصوص ذکر بتادیے کہ تم فلاں ذکر کرو، تم فلاں ذکر کرو، اب ذکر کی خاصیت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انسان کے درجات بلند فرماتے ہیں۔ چونکہ ان مریدوں نے اخلاص کے ساتھ ذکر کیا تھا۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے درجات بہت بلند فرمادیے۔ اور کشف وکرامات کا اونچا مقام حاصل ہوگیا۔

مریدین کی دعا کام آئی

ایک روز ان مریدین نے آپس میں گفتگو کی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تو اس مرتبہ تک پہنچا دیا۔ ہم ذرا یہ دیکھیں کہ ہمارا شیخ کس مرتبے کا ہے؟ چنانچہ انہوں نے مراقبہ کرکے کشف کے ذریعہ اپنے شیخ کا مرتبہ معلوم کرنا چاہا، لیکن جب مراقبہ کیا تو شیخ کا درجہ کہیں نظر ہی نہیں آیا، آپس میں مریدین نے مشورہ کیا کہ شاید ہمارا شیخ اتنے اونچے مقام پر پہنچا ہوا ہے کہ ہمیں اس کی ہوا تک نہیں لگی، آخرکار جاکر شیخ سے ذکر کیا کہ حضرت! ہم نے آپ کا مقام تلاش کرنا چاہا، مگر آپ تو اتنے اونچے مقام پر ہیں کہ ہم وہاں تک نہیں پہنچ پاتے، اس وقت شیخ نے اپنی حقیقت ظاہر کردی، اور روتے ہوئے اس نے کہا کہ میں تمہیں اپنا درجہ کیا بتاؤں۔ میں تو اصل میں ایک ڈاکو ہوں، اور میں نے دنیا کمانے کی خاطر یہ سارا دھندا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ذکر کی

بدولت تمہیں اونچے اونچے مقام عطا فرمادے، اور میں تو اسفل السافلین میں ہوں، تمہیں میرا مرتبہ کہاں ملے گا؟ میں تو ڈاکو اور چور ہوں، میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے، اس لئے تم اب میرے پاس سے بھاگ جاؤ، اور کسی دوسرے پیر کو تلاش کرو۔ جب شیخ کے بارے میں یہ باتیں سنیں تو ان سب مریدوں نے آپس میں مل کر اپنے شیخ کے لئے دعا کی کہ یا اللہ! یہ چور ہو یا ڈاکو ہو، لیکن یا اللہ! آپ نے ہمیں جو کچھ عطا فرمایا ہے، وہ اسی کے ذریعہ عطا فرمایا ہے، اے اللہ! اب آپ اس کی بھی اصلاح فرمادیجئے، اور اس کا درجہ بھی بلند کر دیجئے۔ چونکہ وہ مریدین مخلص تھے، اور اللہ والے تھے۔ ان کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اُس کو بھی بخش دیا، اور اس کو بھی بلند درجہ عطا فرمادیا۔

بہرحال: جب کسی عالم کے بارے میں کوئی غلط بات سنو تو اُس کو بدنام کرنے کے بجائے اس کے لئے دعا کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

غصے کو قابو میں کیجئے

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب : غصّے کو قابو میں کیجئے۔

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ہشتم

صفحات : ۳۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

غصے کو قابو میں کیجئے

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیّات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ، ونشھد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔

اما بعد!

﴿عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال: ان رجلا قال لرسول اللّٰہ علیہ وسلم اوصنی ولا تکثر علی قال: لا تغضب﴾

(جامع الاصول، الکتاب الثالث فی الغضب والغیظ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے کوئی نصیحت فرمایئے اور زیادہ لمبی نصیحت نہ فرمایئے۔ گویا کہ نصیحت کی بھی درخواست کی اور ساتھ میں یہ شرط لگادی کہ وہ نصیحت مختصر ہو۔ لمبی چوڑی نہ ہو اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اس شرط پر ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا کہ نصیحت بھی کروانا چاہتے ہو اور ساتھ میں یہ قید بھی لگا رہے ہو کہ مختصر کیجئے۔ اسی وجہ سے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے محدثین نے فرمایا کہ جو شخص نصیحت کا طلبگار ہو۔ وہ اگر

یہ کہے کہ مجھے مختصر سی نصیحت کردیجئے تو اس میں کوئی ادب کے خلاف بات نہیں۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ آدمی جلدی میں ہو اور اس نے آپ سے نصیحت کرنے کی فرمائش کی۔ اب اگر آپ نے اس کے سامنے لمبی تقریر شروع کردی تو وہ بیچارہ نصیحت کی فرمائش کر کے کس خطا میں پکڑا گیا۔ حالانکہ وہ جلدی میں تھا۔ اس کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ کوئی ادب کے خلاف بات نہیں چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ مختصر نصیحت فرمائی کہ:

"لا تغضب" "غصہ مت کرو"۔

اگر آدمی اس مختصر نصیحت پر عمل کرے تو شاید سیکڑوں، بلکہ ہزاروں گناہوں سے اس کی حفاظت ہوجائے۔

گناہوں کے دو محرک، غصہ اور شہوت

اس لئے کہ دنیا میں جتنے گناہ ہوتے ہیں۔ چاہے وہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے متعلق ہوں۔ اگر انسان غور کرے تو یہ نظر آئے گا کہ ان تمام گناہوں کے پیچھے دو جذبے کارفرما ہوتے ہیں۔ ایک غصہ، دوسرے شہوت، شہوت عربی زبان کا لفظ ہے جس کے اصل معنی ہیں "خواہش نفس" مثلاً دل کسی چیز کے کھانے کو چاہ رہا ہے۔ یہ کھانے کی شہوت ہے، یا کسی ناجائز کام کے ذریعہ انسان اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کرنا چاہ رہا ہے۔ یہ بھی شہوت ہے۔ انسان چوری کیوں کرتا ہے؟ اس لئے کہ اس کو یہ خواہش ہے کہ مال زیادہ مل جائے۔ ڈاکہ اس لئے ڈالتا ہے کہ مجھے زیادہ مال ایک دم مل جائے۔ بدنگاہی بھی انسان اس لئے کرتا ہے کہ اس کی نفسانی خواہش اس کو اس کام پر آمادہ کرتی ہے۔ لہٰذا بہت سے گناہ تو شہوت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور بہت سے گناہ غصہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ ابھی اس کی تفصیل عرض کرونگا، اس سے اندازہ ہوجائے گا کہ یہ غصہ کتنے بے شمار گناہوں کو جنم دیتا ہے۔ لہٰذا جب یہ فرمادیا کہ "غصہ مت کرو" اگر آدمی اس

نصیحت پر عمل کرلے تو اس کے نتیجے میں آدھے گناہ ختم ہو جائیں گے۔

اصلاح نفس کے لئے پہلا قدم

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مضمون یعنی غصہ ضبط کرنا سلوک و طریقت کا ایک باب عظیم ہے جو آدمی اللہ کے راستے پر چلنا چاہتا ہو اور اپنی اصلاح کرنا چاہتا ہو۔ اس کے لئے پہلا قدم یہ ہوگا کہ وہ اپنے غصہ کو قابو میں کرنے کی فکر کرے۔

"غصہ" ایک فطری چیز ہے

یوں تو اللہ تعالیٰ نے "غصہ" انسان کی فطرت میں رکھا ہے۔ کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس کے اندر غصے کا مادہ نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے حکمت کے تحت ہی یہ مادہ انسان کے اندر رکھا ہے۔ یہی مادہ ہے کہ اگر انسان اس پر کنٹرول کرلے اور اس کو قابو میں کرلے تو پھر یہی مادہ انسان کو بے شمار بلاؤں سے محفوظ رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اگر انسان کے اندر یہ مادہ نہ ہو تو پھر اگر کوئی دشمن حملہ کردے گا تو اس کو غصہ بھی نہیں آئے گا یا کوئی درندہ اس پر حملہ کردے گا تو اس کو غصہ ہی نہیں آئے گا اور اپنا دفاع بھی نہیں کرسکے گا۔ لہٰذا اپنے جائز دفاع کے لئے غصے کا استعمال کرنا جائز ہے، شریعت نے اس پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔ اس لئے کہ غصہ رکھا ہی اس لئے ہے کہ وہ انسان اپنی جان کا، اپنے مال کا دفاع کرسکے۔ اپنے بیوی بچوں کی طرف سے دفاع کرسکے۔ اپنے عزیز و اقارب کا دفاع کرسکے۔ یہ غصے کا جائز محل ہے۔

غصہ کے نتیجے میں ہونے والے گناہ

لیکن اگر یہی غصہ قابو میں نہ ہو تو اس کے نتیجے میں جو گناہ پیدا ہوتے ہیں۔ وہ

بے شمار ہیں، چنانچہ غصے ہی سے "تکبر" پیدا ہوتا ہے۔ غصے سے "حسد" پیدا ہوتا ہے۔ غصے سے "بغض" پیدا ہوتا ہے۔ غصے سے "عداوت" پیدا ہوتی ہے اور ان کے علاوہ نہ جانے کتنی خرابیاں ہیں جو اس غصے سے پیدا ہوتی ہیں۔ جب کہ یہ غصہ قابو میں نہ ہو اور انسان کے کنٹرول میں نہ ہو۔ مثلاً اگر غصہ قابو میں نہیں تھا اور وہ غصہ کسی انسان پر آگیا۔ اب اگر جس شخص پر غصہ آیا ہے وہ قابو میں ہے مثلاً وہ ماتحت ہے تو اس غصے کے نتیجے میں اس کو تکلیف پہنچائے گا، یا اس کو مارے گا، یا اس کو ڈانٹے گا۔ اس کو گالی دے گا، اس کو برا بھلا کہے گا، اس کا دل دکھائے گا، اور یہ سب کام گناہ ہیں جو غصے کے نتیجے میں اس سے سرزد ہوں گے۔ اس لئے کہ دوسرے کو ناحق مارنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اسی طرح اگر غصے کے نتیجے میں گالی دے دی تو حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا:

﴿سباب المسلم فسوق وقتاله كفر﴾

(صحیح بخاری، کتاب الادب، باب ما ینھی من السباب واللعن)

یعنی مسلمان کو گالی دینا بدترین فسق ہے اور اس کا قتل کرنا کفر ہے۔ اسی طرح اگر غصے کے نتیجے میں دوسرے کو طعن و تشنیع کردی۔ جس سے دوسرے انسان کا دل ٹوٹ گیا اور اس کی دل شکنی ہوئی تو یہ بھی بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ سب گناہ اس وقت ہوئے جب ایسے شخص پر غصہ آیا جو آپ کا ماتحت تھا۔

"بغض" غصہ سے پیدا ہوتا ہے

اور اگر ایسے شخص پر غصہ آگیا جو آپ کا ماتحت نہیں ہے اور وہ آپ کے قابو میں نہیں ہے تو غصہ کے نتیجے میں آپ اس کی غیبت کریں گے۔ مثلاً جس پر غصہ آیا وہ بڑا ہے اور صاحب اقتدار ہے۔ اس کے سامنے اس کو کچھ کہنے کی جرأت نہیں ہوتی، زبان نہیں کھلتی تو یہ ہوگا کہ اس کے سامنے تو خاموش رہیں گے، لیکن جب وہ نظروں سے اوجھل ہوگا تو اس کی برائیاں بیان کرنا شروع کردیں گے اور اس کی

غیبت کریں گے۔ اب یہ غیبت اسی غصے کے نتیجے میں ہو رہی ہے اور بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ انسان دوسرے کی کتنی بھی غیبت کرلے۔ مگر اس کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوتا، بلکہ غصہ کے نتیجے میں یہ دل چاہتا ہے کہ اس کا چہرہ نوچ لوں۔ اس کو تکلیف پہنچاؤں۔ مگر چونکہ وہ صاحب اقتدار اور بڑا ہے، اس لئے اس پر قابو نہیں چلتا۔ اس کے نتیجے میں دل کے اندر ایک گھٹن پیدا ہوگی۔ اس گھٹن کا نام "بغض" ہے۔ اب دل میں ہر وقت یہ خواہش ہوتی ہے کہ اگر موقع مل جائے تو کسی طرح اس کو تکلیف پہنچاؤں اور اگر خود بخود اس کو تکلیف پہنچ جائے تو خوشی ہوتی ہے کہ اچھا ہوا کہ تکلیف پہنچ گئی۔ یہ "بغض" ہے جو ایک مستقل گناہ ہے جو اسی غصے کے نتیجے میں پیدا ہوا۔

"حسد" غصہ سے پیدا ہوتا ہے

اور اگر جس شخص پر غصہ آرہا ہے اور اس کو تکلیف پہنچنے کے بجائے راحت اور خوشی حاصل ہوگئی۔ اس کو کہیں سے پیسے زیادہ مل گئے، یا اس کو کوئی بڑا منصب مل گیا تو اب دل میں یہ خواہش ہو رہی ہے کہ یہ منصب اس سے چھن جائے۔ یہ مال و دولت، یہ روپیہ پیسہ کسی طرح اس کے پاس سے ضائع ہوجائیں، ختم ہوجائیں۔ اس کا نام "حسد" ہے۔ یہ "حسد" بھی اسی غصے کے نتیجے میں پیدا ہو رہا ہے۔ بہرحال، جس شخص پر غصہ آرہا ہے، اگر اس پر قابو چل جائے تو بھی بے شمار گناہ اس کے ذریعہ صادر ہوجاتے ہیں، اور اگر قابو نہ چلے تو بھی بے شمار گناہ اس کے ذریعہ صادر ہوتے ہیں۔ یہ سب گناہ اس "غصے" کے قابو میں نہ رہنے کے نتیجے میں پیدا ہو رہے ہیں۔ اگر غصہ قابو میں ہوتا تو انسان ان سارے گناہوں سے محفوظ رہتا۔ اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ لا تغضب "غصہ نہ کرو"۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نیک مسلمانوں کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ﴾
(آل عمران: ۱۳۴)

یعنی نیک مسلمان وہ ہیں جو غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں سے غصے کو درگزر کرتے ہیں۔ اس لئے کہ غصہ پینے کے نتیجے میں یہ سارے گناہ سرزد نہیں ہونگے۔

غصہ کے نتیجے میں حقوق العباد ضائع ہوتے ہیں

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ گناہوں کے دو سرچشمے ہوتے ہیں۔ ایک غصہ، دوسرے شہوت۔ لیکن شہوت کے نتیجے میں جو گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ وہ بھی اگرچہ بڑے سنگین ہیں لیکن وہ گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ جس وقت بھی اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق دے دیں تو توبہ کے نتیجے میں انشاء اللہ وہ گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں اور اس کی توبہ قبول کرلی جاتی ہے اور اس کے اعمال نامے سے وہ گناہ مٹادیا جاتا ہے، لیکن غصے کے نتیجے میں جو گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ ان کا زیادہ تر تعلق حقوق العباد سے ہے۔ مثلاً غصے کے نتیجے میں کسی کو مارا، یا کسی کو ڈانٹا، یا کسی کی دل آزاری کی، یا کسی کو برا بھلا کہا۔ ان سب کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ اسی طرح غصے کے نتیجے میں اگر کسی کی غیبت کرلی، یا کسی سے "بغض" رکھا، یا کسی سے "حسد" پیدا ہوگیا۔ یہ سب حقوق العباد میں حق تلفی ہے۔ لہٰذا غصے کے نتیجے میں جتنے گناہ ہوتے ہیں۔ ان سب کا تعلق حقوق العباد سے ہے، اور حقوق العباد کو ضائع کرنا اتنا سنگین ہے، اگر بعد میں انسان ان سے باز بھی آجائے اور توبہ کرلے تب بھی اس کی توبہ کامل نہیں ہوگی جب تک کہ جس بندے کا حق ضائع کیا ہے، وہ معاف نہ کرے اس وقت تک وہ گناہ معاف نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ توبہ کرنے سے میں اپنا حق تو معاف کردوں گا، لیکن میرے بندوں کے جو حقوق تم نے پامال کئے ہیں وہ اس وقت تک معاف نہیں کرونگا جب تک ان بندوں سے معاف نہیں کرالوگے۔ اب تم کس کس سے معاف کراتے پھروگے؟ اس لئے حقوق العباد میں کوتاہی بہت سنگین ہے۔ اس لئے حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مختصر اور جامع نصیحت فرمائی کہ "لا تغضب" غصہ مت کرو۔

جب انسان اپنے غصے پر کنٹرول حاصل کرلیتا ہے اور اس کو قابو میں کرلیتا ہے تو اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ جب میرے بندے نے غصہ کو کنٹرول میں کرلیا تو اب میں بھی اس کے ساتھ غصے کا معاملہ نہیں کرونگا۔

غصہ نہ کرنے پر عظیم بدلہ

ایک حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے روز حساب کتاب کے لئے اللہ جل شانہ کے سامنے ایک شخص کو لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے سوال کریں گے کہ بتاؤ اس کے نامہ اعمال میں کیا کیا نیکیاں ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات دوسرے لوگوں پر ظاہر کرنے کے لئے سوال بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ پوچھیں گے کہ اس کے اعمال نامے میں کیا نیکیاں ہیں؟ جواب میں فرشتے بتائیں گے کہ یا اللہ! اس کے نامہ اعمال میں بہت زیادہ نیکیاں تو نہیں ہیں۔ اس نے نہ تو بہت زیادہ نفلیں پڑھی ہیں، اور نہ ہی اس نے بہت زیادہ عبادتیں کی ہیں۔ لیکن اس کے نامہ اعمال میں ایک خاص نیکی یہ ہے کہ جب کوئی شخص اس کے ساتھ زیادتی کرتا تھا تو یہ اس کو معاف کردیتا تھا، اور جب کسی شخص کے ذمے اس کا کوئی مالی حق ہوتا، اور وہ شخص یہ کہتا کہ میرے اندر اس وقت ادا کرنے کی استطاعت نہیں ہے تو یہ اپنے ملازموں سے کہتا کہ اس کے اندر استطاعت نہیں ہے اس لئے اس کو چھوڑ دو۔ اس طرح یہ اپنا حق چھوڑ دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ یہ سن کر ارشاد فرمائیں گے کہ جب یہ بندہ میرے بندوں کے ساتھ معافی کا معاملہ کرتا تھا، اور ان کے لئے اپنا حق چھوڑ دیتا تھا۔ آج میں بھی اس کے ساتھ معافی کا معاملہ کروں گا، اور اس کو معاف کردوں گا۔ چنانچہ اس بنیاد پر اللہ تعالیٰ اس بندے کی مغفرت فرمادیں گے۔

شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے بیٹے کا مجاہدہ

یہی وجہ ہے کہ ہمارے بزرگان دین کے پاس جب کوئی شخص اپنی اصلاح کرانے کے لئے جاتا تو توبہ کے بعد اس کو سبق یہ دیا جاتا کہ اپنے غصے کو بالکل ختم کردے اور اس غصے کو ختم کرانے کے لئے بڑے بڑے مجاہدے کرائے جاتے تھے۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے تھے، اور ساری دنیا سے لوگ ان کے پاس اپنی اصلاح کرانے کے لئے آیا کرتے تھے۔ ان کے صاحبزادے نے ان کی زندگی میں ان کی کوئی قدر نہ کی۔ ایسا اکثر ہوتا ہے کہ جب تک اپنا بڑا زندہ ہے تو دلوں میں اس کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔ جیسے یہ محاورہ ہے "گھر کی مرغی دال برابر" باپ گھر میں موجود ہیں۔ ساری دنیا آکر ان سے فیض اٹھارہی ہے، لیکن صاحبزادے کو کچھ پرواہ ہی نہیں۔ وہ اپنے کھیل کود میں لگے ہوئے ہیں۔ جب باپ کا انتقال ہوگیا تو اب آنکھ کھلی اور یہ سوچا کہ گھر میں کتنی بڑی دولت موجود تھی۔ ساری دنیا آکر فیض اٹھاتی رہی لیکن میں نے وقت ضائع کردیا اور ان سے کچھ بھی حاصل نہ کرسکا۔

اب معلومات کرائیں کہ ہمارے والد صاحب کے پاس جو لوگ آیا کرتے تھے اور جنہوں نے والد صاحب سے اپنی اصلاح کرائی۔ ان میں سے کون ایسے ہیں جنہوں نے والدصاحب سے زیادہ فیض حاصل کیا ہو، تاکہ کم از کم اب میں ان کے پاس جاکر فیض حاصل کروں۔ تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ ایسے ایک بزرگ بلخ میں رہتے ہیں۔ یہ خود گنگوہ یوپی میں رہتے تھے۔ چنانچہ بلخ جانے کا ارادہ کیا، اور ان کو اطلاع کی کہ میں آپ کے پاس آرہا ہوں۔ ان بزرگ کو جب یہ اطلاع پہنچی کہ میرے شیخ کے صاحبزادے تشریف لارہے ہیں تو انہوں نے اپنے حشم و خدم کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا، اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ گھر لائے، ان کے لئے شاندار کھانے پکوائے، خوب دعوت کی۔ جب ایک دو دن اسی

طرح گزر گئے تو صاجزادے نے عرض کیا کہ حضرت! آپ مجھ سے بڑی محبت سے پیش آئے، اور میری قدر دانی کی، لیکن میں تو اصل میں کسی اور مقصد کے لئے آیا تھا۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا مقصد ہے؟ صاجزادے نے کہا کہ حضرت! میں تو اس مقصد کے لئے آیا ہوں کہ میرے والد صاحب سے جو دولت آپ لے کر آئے ہیں۔ اس کا کچھ حصہ میں بھی آپ سے حاصل کرلوں، کیونکہ ان کی زندگی میں نہیں لے سکا تھا۔ انہوں نے فرمایا اچھا آپ اس مقصد کے لئے آئے ہیں تو اب یہ خاطر تواضع اور مہمان داری سب بند، یہ اعزاز و اکرام، یہ دعوت کے شاندار کھانے سب بند، اب آپ ایسا کریں کہ مسجد کے پاس ایک حمام ہے۔ اس حمام کے پاس آپ کا ٹھکانہ ہوگا، وہیں آپ کو سونا ہوگا اور حمام کی آگ جلا کر ہر وقت اس کا پانی گرم کیا کرو، اور اس کے لئے کوڑا کباڑ، لکڑیاں چن کر لاکر اس میں جھونکا کرو۔ چونکہ سردیوں کا موسم تھا نمازیوں کے وضو کے لئے گرم پانی کا انتظام کیا جاتا تھا، ان صاجزادے سے کہہ دیا کہ بس تمہارا صرف یہی کام ہے۔ کوئی وظیفہ کوئی تسبیح وغیرہ نہیں بتائی۔ کہاں تو وہ اعزاز و اکرام ہو رہا تھا اور کہاں یہ خدمت سپرد کردی۔

تکبر کا علاج

چونکہ یہ اخلاص کے ساتھ اپنی اصلاح کے لئے آئے تھے۔ اس لئے کہنے کے مطابق گئے اور اس کام میں گئے۔ اب ایک عرصہ دراز تک ان کے ذمہ بس یہی کام تھا کہ پانچ وقت کی نماز پڑھو، اور مسجد کا حمام روشن کرو۔ بزرگ جانتے تھے کہ ان صاجزادوں میں خاندانی شرافت بھی ہوتی ہے۔ دلوں میں طہارت ہوتی ہے۔ مگر ایک عیب ان کے اندر ضرور ہوتا ہے، وہ ہے تکبر اور اپنی بڑائی۔ اس کا علاج کرنا منظور تھا، اسی لئے ایسا کام ان کے سپرد کیا تاکہ اس بیماری کا علاج ہوجائے۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ دیکھنے کے لئے کہ شہزادگی کا خیال اور تصور ان کے دل میں ہے یا ختم ہوگیا ہے، اس کی آزمائش کے لئے ان بزرگ نے اپنے گھر کی بھنگن جو گھر کا کوڑا اٹھا کر

لیجاتی تھی۔ اس سے کہا کہ آج جب کوڑا اٹھا کر جاؤ تو حمام کے پاس جو صاحب حمام کی آگ روشن کرنے پر لگے ہوئے ہیں، ان کے قریب سے گزر جانا، وہ جو کچھ تمہیں کہیں وہ آکر ہم سے کہنا، چنانچہ جب وہ بھنگن کوڑا لے کر ان صاجزادے کے ں سے گزری تو ان کو بڑا طیش اور غصہ آیا اور کہا کہ یہ تیری مجال کہ ہمارے پاس سے گزرے، ا گنگوہ، ورنہ تجھے بتاتا۔ اب اس بھنگن نے جاکر شیخ کو اطلاع دے دی کہ یہ جواب دیا ہے۔ ان بزرگ نے سوچا کہ ابھی تو کچاپن باقی ہے۔ ابھی کسرباقی ہے چنانچہ اسی حمام کے جھونکنے پر ان کو مامور رکھا۔

دوسرا امتحان

جب پھر کچھ عرصہ گزر گیا تو پھر بھنگن سے کہا کہ اب کوڑا اٹھا کر لے جاؤ اور اب کے بالکل ان کے قریب سے گزرو۔ چنانچہ وہ بھنگن اور زیادہ قریب سے گزری تو صاجزادے نے اس بھنگن کو غصے سے دیکھا۔ لیکن زبان سے کچھ نہ کہا، اس بھنگن نے جاکر شیخ کو اس کی اطلاع کردی کہ آج یہ واقعہ پیش آیا۔ انہوں نے سوچا کہ یہ علاج کارگر ثابت ہوا۔

تیسرا امتحان

پھر کچھ عرصہ کے بعد شیخ نے بھنگن کو حکم دیا کہ اب کی مرتبہ ان کے اتنے قریب سے گزرو کہ وہ کوڑا کباڑ کا ٹوکرا ان کو لگ بھی جائے اور اس میں سے کچھ کوڑا بھی ان کے اوپر گر جائے۔ چنانچہ جب وہ بھنگن ان کے قریب سے گزری اور تھوڑا کوڑا بھی ان پر گرادیا تو انہوں نے اب کی مرتبہ نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ پھر بھنگن نے جاکر شیخ کو اطلاع دے دی۔ شیخ نے فرمایا کہ ہاں فائدہ ہو رہا ہے۔

چوتھا امتحان

کچھ عرصہ کے بعد پھر شیخ نے بھنگن کو حکم دیا کہ اب کی مرتبہ کوڑے کا ٹوکرا لے کر ان کے پاس سے گزرو اور ٹھوکر کھا کر ان کے پاس اس طرح گر جاؤ کہ سارا کوڑا ان کے اوپر گرے۔ پھر جو وہ کریں وہ مجھے آکر بتاؤ۔ چنانچہ وہ بھنگن گئی اور ٹھوکر کھا کر گر گئی، جب انہوں نے یہ دیکھا کہ وہ بھنگن گر گئی ہے۔ اب بجائے اس کے ان کو اپنی فکر ہوتی بلکہ اس بھنگن کی فکر ہوئی اور اس سے پوچھا کہ تمہیں کہیں چوٹ تو نہیں لگ گئی۔ اپنی کچھ فکر نہیں ہوئی کہ میرے کپڑے گندے ہو گئے۔ چنانچہ بھنگن نے جا کر شیخ کو اس کی اطلاع کر دی۔ فرمایا کہ اب کامیابی کی امید ہوئی۔

بڑی آزمائش اور عطاء دولت باطنی

اس کے بعد ایک اور واقعہ پیش آیا۔ وہ یہ کہ شیخ شکار کو باہر جایا کرتے تھے اور شکاری کتے بھی ساتھ ہوتے تھے۔ اس میں بھی انہوں نے کوئی دینی مصلحت اور حکمت دیکھی ہوگی۔ اور شکاری کتوں کے ذریعہ شکار کرنا کوئی ناجائز کام تو تھا نہیں بلکہ جائز تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب شکار کے لئے جانے لگے۔ ان صاحبزادے کو بھی ساتھ لے لیا اور شکاری کتے کی زنجیر ان صاحبزادے کے ہاتھ میں پکڑا دی، وہ شکاری کتے بڑے لحیم اور بڑے طاقت ور اور یہ بیچاری نحیف اور کمزور اور فاقہ مست تھے۔ چنانچہ جب شکاری کتے شکار کے پیچھے بھاگے اور یہ صاحبزادے کمزور ہونے کی وجہ سے ان کتوں کے ساتھ نہ بھاگ سکے۔ چنانچہ گر پڑے۔ چونکہ شیخ کی طرف سے حکم یہ تھا کہ زنجیر مت چھوڑنا۔ اس لئے زنجیر نہیں چھوڑی۔ اب گھسٹتے ہوئے لہولہان ہو گئے لیکن شیخ کا حکم بجالانے کے لئے زنجیر نہیں چھوڑی۔

اس واقعہ کے بعد رات کو شیخ نے خواب میں اپنے شیخ حضرت مولانا عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ فرما رہے ہیں کہ "میں نے تو تم سے

اتنی مشقت نہیں لی"۔ کیونکہ اولاد کا خیال تو باپ کو ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ جب صبح ہوئی تو ان کو بلا کر سینے سے لگایا اور فرمایا کہ جو دولت میں تمہارے والد سے لے کر آیا تھا، تم نے وہ دولت مانگی تھی، جو تمہاری امانت تھی، وہ دولت میں نے تمہارے سپرد کردی اور چونکہ اس طرز عمل کے بغیر یہ دولت نہیں مل سکتی تھی۔ اس لئے میں نے یہ طرز عمل اختیار کیا۔

غصہ دبائیں، ملائکہ سے آگے بڑھ جائیں

بہرحال میں یہ عرض کررہا تھا کہ جب یہ صاحبزادے اپنی اصلاح کرانے کے لئے وہاں گئے تو نہ ان کو وظیفے بتائے، نہ تسبیحات پڑھنے کو بتائیں۔ نہ اور کچھ معمولات بتائے، بلکہ پہلا کام ایسا کرایا جس کے ذریعہ دماغ سے تکبر نکلے اور اللہ کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا جذبہ پیدا ہوجائے، اور یہ غصہ جو تکبر کا سبب اور اس کا نتیجہ ہوتا ہے وہ ختم ہوجائے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سلوک و تصوف کا عظیم باب اور اس کا پہلا قدم یہ ہے کہ انسان کی طبیعت سے غصہ نکل جائے، اور اس پر قابو پایا جائے، اور جب یہ غصہ قابو میں ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ انسان کو ایسے مقام تک پہنچاتے ہیں کہ ملائکہ بھی اس پر رشک کرتے ہیں۔ ملائکہ کے اندر غصہ تو موجود ہی نہیں، پھر وہ عبادت کرتے ہیں اور ان سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچتی تو یہ کوئی کمال کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو پیدا ہی اس طرح کیا ہے، لیکن انسان اور آدم کے بیٹے کی خلقت کے اندر میں نے غصہ رکھا ہے، اور پھر یہ انسان میرے ڈر کی وجہ سے اور مجھ سے محبت کی خاطر اپنے غصے کو دباتا ہے تو یہ ابن آدم ملائکہ سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے۔ کیسے بڑھ جاتا ہے۔ سنئے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جن کی فقہ پر ہم سب عمل کرتے ہیں اور ساری دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ان کا فیض جاری فرمادیا ہے۔ ان کے حاسدین بہت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو چونکہ بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا۔ شہرت عطا کی تھی، علم دیا تھا، اور معتقدین بھی بہت تھے، اس لئے حسد کرنے والے بھی بہت تھے۔ حسد کے نتیجے میں لوگ ان کی برائیاں کرتے تھے، اور برا بھلا بھی کہتے تھے۔ ایک دن آپ گھر جانے کے لئے نکلے تو ایک صاحب آپ کے ساتھ لگ گئے اور مسلسل پورے راستے گالیوں کی بوچھاڑ کرتے رہے۔ آپ ایسے ہیں ویسے ہیں۔ جب گلی کا ایک موڑ آیا تو آپ رک گئے اور ان صاحب سے فرمایا کہ چونکہ اس موڑ سے میرا راستہ جدا ہوجائے گا۔ اس لئے کہ میرے گھر کا موڑ آگیا ہے۔ اور آپ کا راستہ جدا ہوجائے گا اور میرا راستہ اور ہوجائے گا۔ کہیں آپ کے دل میں حسرت نہ رہ جائے۔ لہٰذا میں یہاں کھڑا ہوجاتا ہوں اور آپ کو جو گالیاں دینی ہوں، یا برا بھلا کہنا ہو۔ وہ کہہ لیں، پھر میں اپنے گھر کی طرف چلا جاؤں گا۔ یہ واقعہ کتابوں میں لکھا ہوا موجود ہے۔

چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز

میں نے اپنے شیخ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا معمول یہ تھا کہ عشاء کی وضو سے فجر کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس کا بھی عجیب قصہ ہے۔ ابتداء میں ایسا کرنے کا معمول نہیں تھا، بلکہ ابتداء میں آپ کا معمول یہ تھا کہ اخیر شب میں تہجد کے لئے اٹھ جاتے تھے۔ ایک دن راستے میں جارہے تھے کہ راستے میں ایک بڑھیا کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ یہ وہ شخص ہے جو عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتا ہے۔ بس یہ الفاظ سن کر امام

صاحب کو غیرت آگئی کہ یہ بڑھیا تو میرے بارے میں یہ گمان رکھتی ہے کہ میں عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتا ہوں، حالانکہ میں پڑھتا نہیں ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میری ایسی بات کی تعریف کی جارہی ہے جو میرے اندر موجود نہیں۔ اسی دن یہ عزم کرلیا کہ آئندہ ساری عمر عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھوں گا۔ چنانچہ اس کے بعد اپنا یہ معمول بنالیا کہ ساری رات عبادت کرتے اور عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے تھے۔

اور ایسا نہیں تھا کہ جب ساری رات عبادت کی تو اب سارا دن سوئیں گے، کیونکہ امام صاحب کی تجارت بھی تھی۔ درس و تدریس کا معمول بھی تھا۔ لوگ آپ کے پاس آکر علم حاصل کیا کرتے تھے۔ لہٰذا آپ ساری رات عبادت کرتے، اور فجر کی نماز کے بعد درس و تدریس اور تجارت وغیرہ کے کام انجام دیتے۔ اس طرح ظہر کی نماز تک اس میں مصروف رہتے۔ ظہر کی نماز کے بعد عصر تک سونے کا معمول تھا۔

امام ابو حنیفہؒ کا ایک اور عجیب واقعہ

ایک روز ظہر کی نماز کے بعد گھر تشریف لے گئے۔ بالا خانے پر آپ کا گھر تھا، جاکر آرام کرنے کے لئے بستر پر لیٹ گئے۔ اتنے میں کسی نے دروازے پر نیچے دستک دی ــــ آپ اندازہ کیجئے جو شخص ساری رات کا جاگا ہوا ہو، اور سارا دن مصروف رہا ہو۔ اس وقت اس کی کیا کیفیت ہوگی۔ ایسے وقت کوئی آجائے تو انسان کو کتنا ناگوار ہوتا ہے کہ یہ شخص بے وقت آگیا ــــ لیکن امام صاحب اٹھے۔ زینے سے نیچے اترے، دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ایک صاحب کھڑے ہیں۔ امام صاحب نے اس سے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ اس نے کہا کہ ایک مسئلہ معلوم کرنا ہے۔ دیکھئے اول تو امام صاحب جب مسائل بتانے کے لئے بیٹھے تھے۔ وہاں آکر تو مسئلہ پوچھا نہیں، اب بے وقت پریشان کرنے کے لئے یہاں آگئے۔ لیکن امام صاحب نے اس کو کچھ

نہیں کہا، بلکہ فرمایا کہ اچھا بھائی، کیا مسئلہ معلوم کرنا ہے؟ اس نے کہا کہ میں کیا بتاؤں۔ جب میں آرہا تھا تو اس وقت مجھے یاد تھا کہ کیا مسئلہ معلوم کرنا ہے، لیکن اب میں بھول گیا۔ یاد نہیں رہا کہ کیا مسئلہ پوچھنا تھا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اچھا جب یاد آجائے تو پھر پوچھ لینا۔ آپ نے اس کو برا بھلا نہیں کہا، نہ اس کو ڈانٹا ڈپٹا، بلکہ خاموشی سے واپس اوپر چلے گئے۔ ابھی جاکر بستر پر لیٹے ہی تھے کہ دوبارہ دروازہ پر دستک ہوئی۔ آپ پھر اٹھ کر نیچے تشریف لائے اور دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہی شخص کھڑا ہے۔ آپ نے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ حضرت! وہ مسئلہ مجھے یاد آگیا تھا۔ آپ نے فرمایا پوچھ لو۔ اس نے کہا کہ ابھی تک تو یاد تھا مگر جب آپ آدھی سیڑھی تک پہنچے تو میں وہ مسئلہ بھول گیا۔ اگر ایک عام آدمی ہوتا تو اس وقت تک اس کے اشتعال کا کیا عالم ہوتا، مگر امام صاحب اپنے نفس کو مٹا چکے تھے۔ امام صاحب نے فرمایا اچھا بھائی جب یاد آجائے پوچھ لینا، یہ کہہ کر آپ واپس چلے گئے، اور جاکر بستر پر لیٹ گئے۔ ابھی لیٹے ہی تھے کہ دوبارہ پھر دروازے پر دستک ہوئی۔ آپ پھر نیچے تشریف لائے۔ دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہی شخص کھڑا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ حضرت! وہ مسئلہ یاد آگیا۔ امام صاحب نے پوچھا کہ کیا مسئلہ ہے؟ اس نے کہا کہ یہ مسئلہ معلوم کرنا ہے کہ انسان کی نجاست (پاخانہ) کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے یا میٹھا ہوتا ہے؟ (العیاذ باللہ۔ یہ بھی کوئی مسئلہ ہے)۔

اب صبر کا پیمانہ لبریز ہوجاتا

اگر کوئی دوسرا آدمی ہوتا، اور وہ اب تک ضبط بھی کررہا ہوتا، تو اب اس سوال کے بعد تو اس کے ضبط کا پیانہ لبریز ہوجاتا۔ لیکن امام صاحب نے بہت اطمینان سے جواب دیا کہ اگر انسان کی نجاست تازہ ہو تو اس میں کچھ مٹھاس ہوتی ہے اور اگر سوکھ جائے تو کڑواہٹ پیدا ہوجاتی ہے۔ پھر وہ شخص کہنے لگا کہ کیا آپ نے چکھ کر دیکھا ہے؟ (العیاذ باللہ) حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہر چیز کا علم چکھ

کر حاصل نہیں کیا جاتا، بلکہ بعض چیزوں کا علم عقل سے حاصل کیا جاتا ہے، اور عقل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تازہ نجاست پر مکھی بیٹھتی ہے خشک پر نہیں بیٹھتی۔ اس سے پتہ چلا کہ دونوں میں فرق ہے ورنہ مکھی دونوں پر بیٹھتی۔

اپنے وقت کا حلیم انسان

جب امام صاحب نے یہ جواب دے دیا تو اس شخص نے کہا۔ امام صاحب! میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں۔ مجھے معاف کیجئے گا میں نے آپ کو بہت ستایا۔ لیکن آج آپ نے مجھے ہرا دیا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ میں نے کیسے ہرا دیا؟ اس شخص نے کہا کہ ایک دوست سے میری بحث ہو رہی تھی۔ میرا کہنا یہ تھا کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ علماء کے اندر سب سے زیادہ بردبار ہیں، اور وہ غصہ نہ کرنے والے بزرگ ہیں اور میرے دوست کا یہ کہنا تھا کہ سب سے بردبار اور غصہ نہ کرنے والے بزرگ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور ہم دونوں کے درمیان بحث ہوگئی، اور اب ہم نے جانچنے کے لئے یہ طریقہ سوچا تھا کہ میں اس وقت آپ کے گھر پر آؤں جو آپ کے آرام کا وقت ہوتا ہے، اور اس طرح دو تین مرتبہ آپ کو اوپر نیچے دوڑاؤں اور پھر آپ سے ایسا بیہودہ سوال کروں، اور یہ دیکھوں کہ آپ غصہ ہوتے ہیں یا نہیں؟ میں نے کہا کہ اگر غصہ ہوگئے تو میں جیت جاؤں گا اور اگر غصہ نہ ہوئے تو تم جیت گئے۔ لیکن آج آپ نے مجھے ہرا دیا، اور واقعہ یہ ہے کہ میں نے اس روئے زمین پر ایسا حلیم انسان جس کو غصہ چھو کر بھی نہ گزرا ہو۔ آپ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں دیکھا۔

اس سے اندازہ لگائیے کہ آپ کا کیا مقام تھا۔ اس پر ملائکہ کو رشک نہ آئے تو کس پر آئے۔ انہوں نے اپنے نفس کو بالکل مٹا ہی دیا تھا۔

''حلم'' زینت بخشتا ہے

چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی:

﴿اللھم اغننی بالعلم وزینی بالحلم﴾

(کنز العمال حدیث نمبر ۳۶۶۳)

''اے اللہ مجھے علم دے کر غنا عطا فرمایئے اور حلم کی زینت عطا فرمایئے''۔

یعنی وقار دے کر آراستہ فرمادیجئے۔ آدمی کے پاس علم ہو، اور حلم نہ ہو، بردباری نہ ہو تو پھر علم کے باوجود آدمی میں آراستگی اور زینت نہیں آسکتی۔

اس طریق پر چلنے کے لئے اور اپنے نفس کو قابو میں کرنے کے لئے پہلا قدم یہ ہے کہ غصہ نہ کرو۔ اس لئے فرمایا "لاتغضب" یہی پہلا سبق ہے اور یہی مختصر نصیحت ہے اور یہی اللہ جل جلالہ کے غضب سے بچنے کا طریقہ بھی ہے۔

غصہ سے بچنے کی تدابیر

اور صرف یہ نہیں ہے کہ حکم دے دیا کہ غصہ نہ کرو، بلکہ غصہ سے بچنے کی تدبیر قرآن کریم نے بھی بتائی، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بتلائی اس تدبیر کے ذریعہ غصہ کو دبانے کی مشق کی جاتی ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ غیر اختیاری طور پر جو غصہ آجاتا ہے، اور طبیعت میں ایک ہیجان پیدا ہوجاتا ہے، اس غیر اختیار ہیجان پر اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی مواخذہ نہیں۔ اس لئے کہ وہ انسان کے اختیار سے باہر ہے۔ لیکن طبیعت میں جو ہیجان اور اوٹن پیدا ہوئی جو جوش آیا۔ اس جوش کو اپنی حد کے اندر رکھے، اور اس کا اثر اپنے کسی فعل پر نہ آنے دے مثلاً کسی پر غصہ آیا، اور دل میں اوٹن پیدا ہوئی تو یہ کوئی گناہ کی بات نہیں۔ لیکن اگر اس غصے کے

نتیجے میں کسی کو مار دیا، یا کسی کو ڈانٹ دیا، یا برا بھلا کہہ دیا تو گویا کہ اس غصے کے تقاضے پر عمل کرلیا۔ اب اس پر پکڑ ہو جائے گی اور یہ گناہ ہے۔

غصہ کے وقت "اعوذ باللہ" پڑھ لو

لہٰذا جب کبھی دل میں یہ ہیجان اور اونن پیدا ہو تو پہلا کام وہ کرو جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر تلقین فرمایا۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ (الاعراف ۲۰۰)۔

یعنی جب تمہیں شیطان کوئی کچوکہ لگائے تو شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ مانگو اور "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" پڑھو۔ اے اللہ! میں شیطان مردود سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اس لئے کہ شیطان نے اپنا کچوکہ لگایا۔ لیکن تم نے اللہ سے پناہ مانگ لی تو اب انشاء اللہ اس غصے کے برے نتائج سے اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائیں گے۔ لہٰذا اس بات کی عادت ڈال لو کہ جب غصہ آئے تو فوراً "اعوذ باللہ" پڑھ لو۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ ذرا سے دھیان اور مشق کی ضرورت ہے۔

غصہ کے وقت بیٹھ جاؤ یا لیٹ جاؤ

غصہ کے وقت دوسرا کام وہ کرو جس کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی، اور یہ بڑا عجیب و غریب اور نفسیاتی کام ہے۔ فرمایا کہ جب طبیعت میں غصے کی تیزی ہو تو اس وقت اگر تم کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ اور اگر پھر بھی غصہ میں کمی نہ آئے تو لیٹ جاؤ کیونکہ غصے کی خاصیت یہ ہے کہ اوپر دماغ کی طرف چڑھتا ہے، اور جب غصہ کا غلبہ ہوتا ہے تو انسان اوپر کی طرف اٹھتا ہے۔ چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ غصہ کے وقت اگر انسان لیٹا ہوا ہوگا تو اٹھ کر بیٹھ جائے گا۔ اگر بیٹھا ہوگا تو

کھڑا ہو جائے گا۔ اس لئے اس کو ختم کرنے کی تدبیر یہ بتائی کہ تم اس کے الٹ کام کرو۔ لہٰذا اگر غصہ کے وقت کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ، اور بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ، اور اپنے آپ کو نچلی حالت پر لے آؤ۔ یہ تدبیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی۔ اس لئے کہ آپ جانتے ہیں کہ یہ لوگ غصے کے نتیجے میں نہ جانے کس مصیبت کے اندر مبتلا ہو جائیں گے۔ اس لئے آپ نے یہ تدبیر بتائی۔

(ابوداؤد، کتاب الادب، باب مایقال عند الغضب)

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آدمی اس وقت ٹھنڈا پانی پی لے۔

غصہ کے وقت اللہ کی قدرت کو سوچے

ایک تدبیر یہ ہے کہ آدمی اس وقت یہ سوچے کہ جس طرح کا غصہ میں اس آدمی پر کرنا چاہتا ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر اس طرح کا غصہ کردے تو پھر اس وقت میرا کیا حال ہو گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے غلام پر غصہ کر رہے ہیں، اور برا بھلا کہہ رہے ہیں، ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت ان سے فرمایا۔ للّٰہ اقدر علیک منک علیہ یاد رکھو، تمہیں جتنی قدرت اور اختیار اس غلام پر حاصل ہے۔ اس سے کہیں زیادہ قدرت اور اختیار اللہ تعالیٰ کو تم پر حاصل ہے۔ تم اپنے اختیار کو استعمال کر کے اس کو تکلیف پہنچا رہے ہو تو اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ اختیار تم پر حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حلم

اللہ تعالیٰ کا حلم تو دیکھو کہ کس طرح برملا ان کی نافرمانیاں ہو رہی ہیں۔ کفر کیا جا رہا ہے۔ شرک کیا جا رہا ہے۔ ان کے وجود تک کا انکار کیا جا رہا ہے۔ اس کے باوجود

پھر بھی ان سب کو رزق دے رہے ہیں۔ بلکہ اپنے بعض نافرمانوں پر دنیاوی دولت کے انبار لگادیئے ہیں، ان کے حلم کا تو کیا ٹھکانہ ہے۔ اس لئے فرمایا۔ "تَخَلَّقُوا بِاَخلَاقِ اللّٰہِ" اللہ کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرو اور یہ سوچو کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے غصے کو اپنے بندوں پر استعمال نہیں فرماتے اور مجھ پر اپنا غصہ استعمال نہیں فرمارہے ہیں تو میں اپنے ماتحتوں پر غصہ کیوں استعمال کروں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا غلام کو ڈانٹنا

ایک اور روایت میں ہے کہ جب آپ ؐ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ اپنے غلام کو برا بھلا کہہ رہے ہیں تو آپ نے ان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لَعَّانِينَ وَصِدِّيقِينَ كَلَّا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ﴾

یعنی ایک طرف آپ غلام کو لعنت ملامت بھی کریں اور دوسری طرف "صدیق" بھی بن جائیں۔ رب کعبہ کی قسم ایسا نہیں ہوسکتا۔ یعنی آپ کا مقام تو "صدیقیت" کا مقام ہے، اور صدیقیت کے ساتھ یہ چیز جمع نہیں ہوسکتی۔ اس طریقے سے آپ ؐ نے ان کو غصہ کرنے سے منع فرمایا۔ لہٰذا جب دوسرے پر غصہ آئے تو یہ تصور کرلو کہ جتنا قابو اور قدرت مجھے اس بندے پر حاصل ہے اس سے زیادہ قدرت اللہ تعالیٰ کو مجھ پر حاصل ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ میری پکڑ فرمالیں تو میرا کہاں ٹھکانہ ہوگا۔ بہرحال غصہ کو دبانے کی یہ مختلف تدبیریں ہیں جو قرآن کریم نے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نے ہمیں بتائیں۔

شروع میں غصہ کو بالکل دبادو

ابتداء میں جب انسان اپنے اخلاق کی اصلاح کرنا شروع کرے تو اس وقت حق

ناحق کی فکر بھی نہ کرے۔ یعنی بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں پر غصہ کرنا جائز اور برحق ہوتا ہے، لیکن ایک مبتدی کو جو اپنے نفس کی اصلاح کرنا شروع کر رہا ہو۔ اس کو چاہئے حق اور ناحق کی تفریق کئے بغیر ہر موقع پر غصہ کو دبائے، تاکہ رفتہ رفتہ یہ مادہ خبیثہ اعتدال پر آجائے۔ اگر ایک مرتبہ اس کو دبا دیا جائے، اور اس کا زہر نکال دیا جائے تو اس کے بعد جب اس غصے کو استعمال کیا جائے گا تو پھر انشاء اللہ صحیح جگہ پر استعمال کیا جائے گا، لیکن شروع شروع میں کسی بھی موقع پر غصہ نہ کرو۔ چاہے تم کو یہ معلوم ہو کہ یہاں غصہ کرنے کا مجھے حق ہے۔ پھر بھی نہ کرو، اور جب یہ غصہ قابو میں آجائے تو پھر اگر غصہ کیا جائے گا تو وہ غصہ حد کے اندر رہتا ہے حد سے آگے نہیں بڑھتا اور اعتدال سے متجاوز نہیں ہوتا۔

غصہ میں اعتدال

بعض اوقات غصے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ خاص طور پر جو لوگ اپنے زیر تربیت ہیں۔ مثلاً باپ کو اپنی اولاد پر غصہ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ استاد کو اپنے شاگردوں پر، شیخ کو اپنے مریدوں پر ان کی اصلاح کی خاطر غصہ کرنا پڑتا ہے۔ لیکن جتنا غصہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اتنا ہی غصہ کرنا چاہئے۔ ضرورت سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔ اس لئے کہ اگر آدمی ضرورت سے آگے بڑھے گا تو اس میں اپنی نفسانیت شامل ہو جائے گی اور اس کے نتیجے میں وہ گناہ گار بھی ہو گا، اور اس میں بے برکتی شامل ہو جائے گی۔

اللہ والوں کے مختلف مزاجی رنگ

اکثر اولیاء اللہ کے بارے میں تو آپ نے سنا ہو گا کہ وہ اپنے تمام متعلقین کے ساتھ شفقت اور محبت کا برتاؤ کرتے ہیں۔ غصہ وغیرہ نہیں کرتے۔ لیکن اللہ والوں کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ کسی پر غلبہ رحمت کا ہوتا ہے تو وہ رحمت اور شفقت ہی

کے ذریعہ اپنے متعلقین کا علاج کرتے رہتے ہیں اور کسی پر جلال کا غلبہ ہوتا ہے۔ وہ اس جلال کے ذریعہ علاج کرتے ہیں، لیکن وہ جلال قابو میں رہتا ہے۔ وہ حد سے متجاوز نہیں ہوتا۔ یہ جو مشہور ہوتا ہے کہ فلاں بزرگ بڑے جلالی بزرگ تھے تو جلالی ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ موقع بے موقع ہر وقت غصہ کرتے تھے، اور حد سے زیادہ غصہ کرتے تھے، بلکہ جس وقت جتنا غصہ کرنے کا حق تھا اور تربیت باطنی کے لئے اس کی ضرورت سمجھتے تھے اس کے مطابق وہ غصہ کرتے تھے۔ چنانچہ ہمارے بزرگ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ بڑے جلالی بزرگ تھے۔ فاروقی تھے۔ یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے اس لئے طبیعت میں غیرت بھی تھی۔ لیکن زیر تربیت افراد کے لئے کبھی بھی غصہ اپنی حد سے متجاوز نہیں ہوتا تھا اور عام حالات میں علم اور تحمل کا معاملہ بھی رہتا تھا۔

غصہ کے وقت مت ڈانٹو

آپ فرمایا کرتے تھے کہ "میں دوسروں کو بھی یہ تلقین کرتا ہوں۔ اور خود میرا عمل بھی یہ ہے کہ جو آدمی میرے زیر تربیت ہے، اس پر تو میں غصہ کرلیتا ہوں، لیکن جو شخص میرے زیر تربیت نہیں ہے۔ اس کے اوپر کبھی غصہ نہیں کرتا ہوں، اور فرماتے تھے کہ "جس وقت طبیعت میں اشتعال اور غصہ ہو۔ اس وقت مت ڈانٹو۔ بلکہ اس وقت خاموش ہوجاؤ، پھر جب غصہ ٹھنڈا ہوجائے اس وقت مصنوعی غصہ پیدا کرکے پھر ڈانٹو۔ اس لئے کہ مصنوعی غصہ کبھی حد سے نہیں نکلے گا، اور اشتعال کی موجودگی میں غصہ کروگے تو حد سے متجاوز ہوجاؤ گے۔" آپ فرمایا کرتے تھے کہ "الحمدللہ، جب میں کسی کو اس کی تادیب اصلاح کے لئے سزا بھی دے رہا ہوتا ہوں تو عین سزا دینے کے وقت بھی ذہن میں یہ بات رہتی ہے کہ اس کا درجہ مجھ سے بڑھا ہوا ہے اور یہ مجھ سے افضل ہے۔ میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس

کام پر مامور ہوں۔ اس لئے یہ کام کررہا ہوں۔" پھر اس کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ "جیسے اگر بادشاہ اپنے شہزادے کی کسی نامناسب بات پر خفا ہو کر جلاد کو حکم دے کہ اس شہزادے کو کوڑے لگاؤ، تو اب وہ جلاد بادشاہ کے حکم پر شہزادے کو کوڑے تو مارے گا، لیکن مارتے وقت بھی جلاد یہ سمجھ رہا ہوگا کہ یہ شہزادہ ہے۔ میں جلاد ہوں۔ درجہ اس کا بلند ہے۔ لیکن ایک حکم کی خاطر مجبوراً اس کو کوڑے مار رہا ہوں۔" پھر فرمایا کہ الحمدللہ، عین غصہ کے وقت بھی یہ دھیان میرے دل سے جاتا نہیں ہے کہ درجہ اس کا بلند ہے، لیکن ضرورت کے تحت کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فریضہ مجھ پر عائد کردیا ہے اس لئے میں اس کو ڈانٹ رہا ہوں یا سزا دے رہا ہوں۔

فرمایا کرتے تھے یہ کہ میں ایک طرف تو اس سے بازپرس اور مؤاخذہ کررہا ہوتا ہوں اور ڈانٹ ڈپٹ کررہا ہوتا ہوں، لیکن ساتھ ساتھ دل میں یہ دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ! جس طرح میں اس سے مؤاخذہ کررہا ہوں۔ آخرت میں آپ مجھ سے مؤاخذہ مت فرمایئے گا، اور جس طرح میں اس کو ڈانٹ رہا ہوں۔ یا اللہ! قیامت کے روز میرے ساتھ ایسا معاملہ نہ فرمایئے گا، کیونکہ میں جو کچھ میں کررہاہوں۔ آپ کے حکم کے تحت کررہا ہوں — بہرحال، اصلاح و تربیت کی ضرورتوں کے مواقع پر ان رعایتوں کے ساتھ آپ کا غصہ تھا۔ لوگوں نے ویسے ہی مشہور کردیا کہ آپ بڑے جلالی بزرگ تھے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک پرانے خادم بھائی نیاز صاحب مرحوم تھے۔ خانقاہ تھانہ بھون میں حضرت کے پاس رہا کرتے تھے۔ چونکہ بہت عرصے سے حضرت والا کی خدمت کررہے تھے۔ اس لئے طبیعت میں تھوڑا سا ناز بھی پیدا ہوگیا تھا۔ ایک مرتبہ کسی نے حضرت کے پاس آکر ان کی شکایت کی کہ یہ بھائی نیاز صاحب بڑے منہ چڑھ گئے ہیں، اور بعض اوقات لوگوں کو ڈانٹ دیتے ہیں۔ حضرت

والا کو تشویش ہوئی کہ خانقاہ میں آنے والے لوگوں کو اس طرح ناحق ڈانٹنا تو بری بات ہے۔ چنانچہ آپ نے ان کو بلا کر ان سے کہا۔ میاں نیاز! یہ کیا حرکت ہے کہ تم ہر ایک کو ڈانٹتے پھرتے ہو! بھائی نیاز صاحب کے منہ سے یہ جملہ نکلا کہ "حضرت جی! جھوٹ مت بولو، اللہ سے ڈرو" بظاہر بھائی نیاز صاحب یہ کہنا چاہ رہے تھے کہ جن لوگوں نے آپ سے میری شکایت کی ہے کہ میں لوگوں کو ڈانٹتا پھرتا ہوں، وہ لوگ جھوٹ نہ بولیں۔ اللہ سے ڈریں۔ لیکن ان کے منہ سے نکل گیا کہ "جھوٹ نہ بولو، اللہ سے ڈرو" دیکھئے، ایک نوکر اپنے آقا سے کہہ رہا ہے کہ "جھوٹ نہ بولو، اللہ سے ڈرو" ایسے موقع پر وہ نوکر اور زیادہ سزا کا اور ڈانٹ کا مستحق ہونا چاہئے، لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جیسے ہی یہ الفاظ سنے فوراً نظر نیچے کی، اور "استغفرا للہ، استغفراللہ" کہتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔

بات دراصل یہ ہوئی کہ ان کے اس کہنے سے حضرت والا کو یہ تنبیہ ہوئی کہ میں نے یک طرفہ بات سن کر ان کو ڈانٹنا شروع کردیا۔ ایک آدمی نے ان کے بارے میں اطلاع دی تھی کہ یہ ایسا کرتے ہیں اور خود ان سے یہ نہیں پوچھا کہ اصل واقعہ کیا تھا، اور صرف اس اطلاع پر میں نے ان کو ڈانٹنا شروع کردیا، یہ بات میں نے ٹھیک نہیں کی۔ اس لئے فوراً "استغفر اللہ" کہہ کر وہاں سے چلے گئے —— ایسے شخص کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ جلالی بزرگ تھے اور لوگوں کو بڑی ڈانٹ ڈپٹ کیا کرتے تھے۔

ڈانٹ ڈپٹ کے وقت اس کی رعایت کریں

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حقیقت میں ہم نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سوائے شفقت اور محبت کے کچھ دیکھا ہی نہیں۔ البتہ بعض اوقات لوگوں کی اصلاح کے لئے ڈانٹ ڈپٹ کی ضرورت پڑتی تھی تو وہ بھی ان رعایتوں کے ساتھ کرتے تھے۔ بہرحال اگر

کوئی چھوٹا ہے اور اس کو ڈانٹنے کی ضرورت پیش آئے تو آدمی کو ان باتوں کی رعایت کرنی چاہئے۔ مثلاً سب سے پہلے اس بات کا خیال رکھے کہ اس ڈانٹ ڈپٹ سے اپنا غصہ نکالنا مقصود نہ ہو، بلکہ اصل مقصود اس کی اصلاح اور اس کی تربیت ہو۔ جس کا طریقہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بتادیا کہ عین اشتعال کے وقت کوئی اقدام مت کرو، بلکہ جب اشتعال ٹھنڈا ہوجائے اس کے بعد سوچ سمجھ کر جتنا غصہ کرنے کی ضرورت ہے۔ مصنوعی غصہ پیدا کرکے اتنا ہی غصہ کرو، نہ اس سے کم ہو اور نہ اس سے زیادہ ہو، لیکن اگر اشتعال کی حالت میں غصہ پر عمل کرلیا تو غصہ قابو سے باہر ہوجائے گا اور تم سے زیادتی ہوجائے گی۔

غصہ کا جائز محل

اب دیکھنا یہ ہے کہ غصہ کا صحیح محل اور صحیح جگہ کیا ہے؟ غصہ کرنے کا سب سے پہلا محل اور صحیح جگہ اللہ تعالیٰ کی معصیت اور نافرمانی اور گناہ ہیں۔ ان چیزوں سے انسان نفرت کرے اور ان چیزوں کو دور کرنے کے لئے جتنا غصہ درکار ہے۔ اتنا غصہ انسان استعمال کرے، یہ غصہ کا پہلا موقع ہے۔

کامل ایمان کی چار علامتیں

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ اَعْطٰی لِلّٰہِ، وَمَنَعَ لِلّٰہِ، وَاَحَبَّ لِلّٰہِ، وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ اِیْمَانَہٗ﴾

(ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، باب نمبر ۶۱)

یعنی جو شخص کسی کو کچھ دے تو اللہ کے لئے دے اور اگر کسی کو کسی چیز سے روکے اور منع کرے، تو اللہ کے لئے منع کرے، اور اگر کسی سے محبت کرے تو اللہ کے لئے کرے، اور اگر کسی سے بغض رکھے تو اللہ کے لئے رکھے، تو اس کا ایمان

کامل ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے ایمان کامل ہونے کی گواہی دی ہے۔

پہلی علامت

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چار چیزیں ایمان کے کمال کی علامت بتائیں۔ پہلی علامت یہ ہے کہ جب دے تو اللہ کے لئے دے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نیکی کے موقع پر کچھ خرچ کررہا ہے تو وہ خرچ کرنا اللہ کے لئے ہو۔ آدمی اپنی ضروریات میں بھی خرچ کرتا ہے۔ اہل و عیال پر بھی خرچ کرتا ہے۔ صدقہ خیرات بھی کرتا ہے۔ ان تمام مواقع پر خرچ کرتے وقت اللہ کو راضی کرنے کی نیت ہو۔ صدقہ خیرات میں آدمی یہ نیت کرے کہ یہ صدقہ میں اس لئے دے رہا ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ راضی ہوجائیں اور اپنے فضل و کرم سے اس کا ثواب مجھے عطا فرمائیں۔ اور صدقہ دینے سے احسان جتلانا یا نام و نمود اور دکھاوا مقصود نہ ہو تو اس وقت یہ صدقہ دینا اللہ کے لئے ہوگا۔

دوسری علامت

دوسری علامت یہ ہے کہ "مَنَعَ لِلّٰہِ" یعنی اگر روکے تو اللہ کے لئے روکے۔ مثلاً کسی جگہ پر کسی موقع پر پیسہ خرچ کرنے سے بچایا۔ وہ بچانا بھی اللہ کے لئے ہو۔ اس لئے کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فضول خرچی مت کرو تو اب فضول خرچی سے بچنے کے لئے میں اپنا پیسہ بچارہا ہوں۔ یہ روکنا بھی اللہ کے لئے ہوگیا۔ یہ بھی ایمان کی علامت ہے۔

تیسری اور چوتھی علامت

تیسری علامت یہ ہے کہ "وَأَحَبَّ لِلّٰہِ" یعنی اگر کسی سے محبت کرے تو وہ

بھی اللہ کے لئے کرے۔ مثلاً کسی اللہ والے سے جو محبت ہو جاتی ہے تو یہ محبت پیسہ کمانے کے لئے نہیں ہوتی، بلکہ ان سے محبت اس لئے ہوتی ہے کہ ان سے تعلق رکھیں گے تو ہمارا دینی فائدہ ہوگا، اور اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں گے۔ یہ محبت صرف اللہ کے لئے ہے، اور ایمان کی علامت ہے۔ اسی طرح اس کی ہر محبت رضاء الٰہی کی خاطر ہو۔

چوتھی علامت یہ ہے کہ "وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ" یعنی بغض اور غصہ بھی اللہ کے لئے ہو۔ جس آدمی پر غصہ ہے یا جس آدمی سے بغض ہے۔ وہ اس کی ذات سے نہیں ہے، بلکہ اس کے کسی برے عمل سے ہے یا اس کی کسی ایسی بات سے ہے جو مالک حقیقی کی ناراضگی کا سبب ہے تو یہ غصہ اور ناراضگی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور غصہ کرنے کا ایک جائز محل یہ ہے۔

ذات سے نفرت نہ کریں

اس لئے بزرگوں نے ایک بات فرمائی ہے جو ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے۔ وہ یہ کہ نفرت اور بغض کافر سے نہیں بلکہ اس کے "کفر" سے ہے۔ "فاسق" سے بغض نہیں بلکہ اس کے "فسق" سے بغض ہے۔ نفرت اور بغض گناہ گار سے نہیں بلکہ اس کے گناہ سے ہے جو آدمی فسق و فجور اور گناہ کے اندر مبتلا ہے۔ اس کی ذات غصہ کا محل نہیں ہے بلکہ اس کا فعل غصہ کا محل ہے۔ اس لئے کہ ذات تو قابل رحم ہے۔ وہ بیچارہ بیمار ہے۔ کفر کی بیماری میں مبتلا ہے۔ فسق کی بیماری میں مبتلا ہے اور نفرت بیمار سے نہیں ہوتی بلکہ بیماری سے ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اگر بیمار سے نفرت کروگے تو پھر اس کی کون دیکھ بھال کرے گا؟ لہٰذا فسق و فجور سے اور کفر سے نفرت ہوگی۔ اس کی ذات سے نہیں ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اس کی ذات فسق و فجور سے باز آجائے تو وہ ذات گلے لگانے کے لائق ہے۔ اس لئے کہ ذات کے اعتبار سے اس سے کوئی پرخاش اور کوئی ضد نہیں۔

حضور ﷺ کا طرزِ عمل

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو دیکھئے وہ ذات جس نے آپ ؐ کے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ نکال کر کچا چبایا۔ یعنی حضرت ہندہ اور جو اس کے سبب بنے۔ یعنی حضرت وحشی رضی اللہ عنہ۔ جب یہ دونوں اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے اور اسلام قبول کرلیا تو اب وہ آپ ؐ کے اسلامی بہن اور بھائی بن گئے۔ آج حضرت وحشی کے نام کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" کہتے ہیں۔ ہندہ جنہوں نے کلیجہ چبایا تھا۔ آج ان کے نام کے ساتھ "رضی اللہ تعالیٰ عنہا" کہا جاتا ہے۔ بات اصل یہ تھی کہ ان کی ذات سے کوئی نفرت نہیں تھی، بلکہ ان کے فعل اور ان کے اعتقاد سے نفرت تھی اور جب وہ برا فعل اور برا اعتقاد ختم ہو گیا، تو اب ان سے نفرت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا ایک واقعہ

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اولیاء اللہ میں اونچا مقام رکھتے ہیں۔ ان کے زمانے میں ایک بڑے عالم اور فقیہ مولانا حکیم ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ بحیثیت "صوفی" کے مشہور تھے، اور یہ بڑے عالم "مفتی اور فقیہ" کی حیثیت سے مشہور تھے، اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ "سماع" کو جائز کہتے تھے۔ بہت سے صوفیاء کے یہاں سماع کا رواج تھا۔ "سماع" کا مطلب ہے کہ موسیقی کے آلات کے بغیر حمد و نعت وغیرہ کے عمدہ مضامین کے اشعار ترنم سے یا بغیر ترنم کے محض خوش آوازی سے کسی کا پڑھنا اور دوسروں کا اسے خوش عقیدگی اور محبت سے سننا۔ بعض صوفیاء اس کی اجازت دیتے تھے اور بہت سے فقہاء اور مفتی حضرات اس سماع کو بھی جائز نہیں کہتے تھے بلکہ "بدعت" قرار دیتے تھے۔ چنانچہ ان کے زمانے

کے مولانا حکیم الدین ضیاء صاحب نے بھی "سماع" کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا تھا اور حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ "سماع" سنتے تھے۔

جب مولانا حکیم ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ ان کی عیادت اور مزاج پرسی کے لئے تشریف لے گئے، اور یہ اطلاع کرائی کہ جاکر حکیم ضیاء الدین صاحب سے عرض کیا جائے کہ نظام الدین مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوا ہے۔ اندر سے حکیم ضیاء الدین صاحب نے جواب بھجوایا کہ ان کو باہر روک دیں میں مرنے کے وقت کسی بدعتی کی صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے جواب بھجوایا کہ ان سے عرض کردو کہ بدعتی، بدعت سے توبہ کرنے کے لئے حاضر ہوا ہے۔ اسی وقت مولانا حکیم ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پگڑی بھیجی کہ اسے بچھا کہ خواجہ صاحب اس کے اوپر قدم رکھتے ہوئے آئیں اور جوتے سے قدم رکھیں، ننگے پاؤں نہ آئیں۔ خواجہ صاحب نے پگڑی کو اٹھا کر سر پر رکھی کہ یہ میرے لئے دستار فضیلت ہے۔ اسی شان سے اندر تشریف لے گئے۔ آکر مصافحہ کیا اور بیٹھ گئے اور حکیم ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ پھر خواجہ صاحب کی موجودگی میں حکیم ضیاء الدین کی وفات کا وقت آگیا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ الحمدللہ، حکیم ضیاء الدین صاحب کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا ہے کہ ترقی مدارج کے ساتھ ان کا انتقال ہوا ـــــ آپ نے دیکھا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے یہ حالت تھی کہ صورت دیکھنا گوارہ نہیں تھی۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد یہ فرمایا کہ میری پگڑی پر پاؤں رکھ کر اندر تشریف لائیں۔

غصہ اللہ کے لئے ہو

بہرحال جو بغض اور غصہ اللہ کے لئے ہوتا ہے، وہ کبھی ذاتی دشمنیاں پیدا نہیں کرتا اور وہ عداوتیں پیدا نہیں کرتا وہ فتنے پیدا نہیں کرتا کیونکہ جس آدمی سے بغض

کیا جارہا ہے، جس پر غصہ کیا جارہا ہے، وہ بھی جانتا ہے کہ اس کو میری ذات سے دشمنی نہیں ہے بلکہ میرے خاص فعل سے اور خاص حرکت سے ہے۔ اس وجہ سے لوگ اس کی بات کا برا نہیں مانتے۔ اس لئے کہ جانتے ہیں کہ یہ جو کچھ کہہ رہا ہے۔ اللہ کے لئے کہہ رہا ہے۔ اس کو فرماتے ہیں:

﴿مَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ وَأَبْغَضَ لِلّٰهِ﴾

یعنی جس سے تعلق اور محبت ہے تو وہ بھی اللہ کے لئے ہے، اور جس سے بغض اور نفرت ہے، تو وہ بھی اللہ کے لئے ہے تو یہ غصہ کا بہترین محل ہے۔ بشرطیکہ یہ غصہ شرعی حد کے اندر ہو۔ اللہ تعالیٰ یہ نعمت ہم کو عطا فرمادے کہ محبت ہو تو اللہ کے لئے ہو، غصہ اور بغض ہو تو وہ اللہ کے لئے ہو۔

لیکن یہ غصہ ایسا ہونا چاہئے کہ اس کے منہ میں لگام پڑی ہوئی ہو کہ جہاں اللہ کے لئے غصہ کرنا ہے وہاں تو ہو اور جہاں غصہ نہیں کرنا ہے وہاں لگام ڈال کر اس کو روک دو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھئے۔ ایک یہودی نے آپ کے سامنے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا کلمہ کہہ دیا۔ العیاذ باللہ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہاں برداشت کرسکتے تھے۔ فوراً اس کو پکڑ کر اوپر اٹھایا اور پھر زمین پر پٹخ دیا اور اس کے سینے پر سوار ہوگئے۔ یہودی نے جب یہ دیکھا کہ اب میرا قابو تو ان کے اوپر نہیں چل رہا ہے۔ اس نے لیٹے لیٹے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے منہ پر تھوک دیا۔ جیسے کہاوت ہے کہ "کھسیانی بلی کھمبا نوچے" لیکن جیسے ہی اس یہودی نے تھوکا۔ آپ فوراً اس کو چھوڑ کر الگ ہوگئے۔ لوگوں نے آپ سے کہا کہ حضرت! اس نے اور زیادہ گستاخی کا کام کیا کہ آپ کے منہ پر تھوک دیا۔ ایسے میں

آپ اس کو چھوڑ کر الگ کیوں ہو گئے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ بات اصل میں یہ ہے کہ پہلے اس پر جو میں نے حملہ کیا تھا، اور اس کو مارنے کا ارادہ کیا تھا۔ وہ حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں کیا تھا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی جس کی وجہ سے مجھے غصہ آگیا، اور میں نے اس کو گرادیا۔ لیکن جب اس نے میرے منہ پر تھوک دیا۔ اب مجھے اور زیادہ غصہ آیا لیکن اب اگر میں اس غصہ پر عمل کرتے ہوئے اس سے بدلہ لیتا تو یہ بدلہ لینا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہ ہوتا بلکہ اپنی ذات کے لئے ہوتا اور اسی وجہ سے ہوتا کہ چونکہ اس نے میرے منہ پر تھوکا ہے۔ لہٰذا میں اس کو اور زیادہ ماروں تو اس صورت میں یہ غصہ اللہ کے لئے نہ ہوتا بلکہ اپنی ذات کے لئے ہوتا۔ اس وجہ سے میں اس کو چھوڑ کر الگ ہوگیا ــــ یہ درحقیقت اس حدیث "مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ" پر عمل فرما کر دکھادیا۔ گویا کہ غصہ کے منہ میں لگام دے رکھی ہے کہ جہاں تک اس غصہ کا شرعی اور جائز موقع ہے۔ بس وہاں تک تو غصہ کرنا ہے، اور جہاں اس غصہ کا جائز موقع ختم ہو جائے تو اس کے بعد آدمی اس غصے سے اس طرح دور ہو جائے کہ جیسے کہ اس سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ انہیں حضرات کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے۔ "کَانَ وَقَّافًا عِنْدَ حُدُوْدِ اللّٰہِ" یعنی یہ اللہ کی حدود کے آگے ٹھہر جانے والے لوگ تھے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر کا پرنالہ مسجد نبوی کی طرف لگا ہوا ہے، بارش وغیرہ کا پانی مسجد نبوی کے اندر گرتا تھا گویا کہ مسجد کی فضا میں وہ پرنالہ لگا ہوا تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ مسجد تو اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور کسی شخص کے ذاتی گھر کا پرنالہ مسجد کے اندر آرہا

ہو تو یہ اللہ کے حکم کے خلاف ہے۔ چنانچہ آپ نے اس پرنالے کو توڑنے کا حکم دے دیا اور وہ توڑ دیا گیا۔ اب دیکھئے کہ آپ نے اس پرنالے کو توڑنے کا جو حکم دیا یہ غصے کی وجہ سے تو دیا اور غصہ اس بات پر آیا کہ یہ کام مسجد کے احکام اور آداب کے خلاف ہے۔ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ میرے گھر کا پرنالہ توڑ دیا گیا ہے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ ان سے فرمایا کہ آپ نے یہ پرنالہ کیوں توڑ دیا؟ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ جگہ تو مسجد کی ہے کسی کی ذاتی جگہ نہیں ہے۔ مسجد کی جگہ میں کسی کا پرنالہ آنا شریعت کے حکم کے خلاف تھا اس لئے میں نے توڑ دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ آپ کو پتہ بھی ہے کہ یہ پرنالہ یہاں پر کس طرح لگا تھا؟ یہ پرنالہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لگا تھا اور آپ کی خاص اجازت سے میں نے لگایا تھا۔ آپ اس کو توڑنے والے کون ہوتے ہیں؟ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں! اجازت دی تھی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ خدا کے لئے میرے ساتھ آؤ۔ چنانچہ اس پرنالے کی جگہ کے پاس گئے۔ وہاں جاکر خود رکوع کی حالت میں کھڑے ہوگئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اب میری کمر پر کھڑے ہو کر یہ پرنالہ دوبارہ لگاؤ۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں دوسروں سے لگوالوں گا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عمر (رضی اللہ عنہ) کی یہ مجال کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لگائے ہوئے پرنالے کو توڑے۔ مجھ سے یہ اتنا بڑا جرم سرزد ہوا۔ اس کی کم سے کم سزا یہ ہے کہ میں رکوع میں کھڑا ہوتا ہوں اور تم میری کمر پر کھڑے ہو کر یہ پرنالہ لگاؤ۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی کمر پر کھڑے ہو کر وہ پرنالہ اس کی جگہ پر واپس لگادیا۔ وہ پرنالہ آج بھی مسجد نبوی میں لگا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جزائے خیر دے۔ جن لوگوں نے مسجد نبوی کی تعمیر کی ہے، انہوں

نے اب بھی اس جگہ پر پرنالہ لگادیا ہے۔ اگرچہ اب اس پرنالے کا بظاہر کوئی مصرف نہیں ہے لیکن یادگار کے طور پر لگادیا ہے۔ یہ درحقیقت اس حدیث پر عمل ہے کہ "من احب للّٰہ وابغض للّٰہ" پہلے جو غصہ اور بغض ہوا تھا وہ اللہ کے لئے ہوا تھا اور اب جو محبت ہے وہ بھی اللہ کے لئے ہے۔ جو شخص یہ کام کرلے اس نے اپنا ایمان کامل بنالیا۔ یہ ایمان کے کامل ہونے کی علامت ہے۔

مصنوعی غصہ کرکے ڈانٹ لیں

بہرحال، اس "بغض فی اللہ" کی وجہ سے بعض اوقات غصے کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔ خاص طور سے ان لوگوں پر غصہ کا اظہار کرنا پڑتا ہے جو زیر تربیت ہوتے ہیں۔ جیسے استاد ہے اس کو اپنے شاگردوں پر غصہ کرنا پڑتا ہے۔ باپ کو اپنی اولاد پر غصہ کرنا پڑتا ہے۔ شیخ کو اپنے مریدوں پر غصہ کرنا پڑتا ہے۔ لیکن یہ غصہ اس حد تک ہونا چاہئے۔ جتنا اس کی اصلاح کے لئے ضروری ہو۔ اس سے آگے نہ بڑھے۔ جیسا کہ ابھی عرض کیا کہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب انسان کی طبیعت میں اشتعال ہو۔ اس وقت غصہ نہ کرے۔ مثلاً استاد کو شاگرد پر غصہ آگیا اور اشتعال پیدا ہوگیا۔ اس اشتعال اور غصہ کے وقت ڈانٹ ڈپٹ اور مارپیٹ نہ کرے بلکہ جب طبیعت میں وہ اشتعال اور غصہ ختم ہوجائے اس وقت مصنوعی غصہ کر کے ڈانٹ ڈپٹ کرلے تاکہ یہ ڈانٹ ڈپٹ حد سے متجاوز نہ ہو۔ یہ کام ذرا مشکل ہے، کیونکہ انسان غصہ کے وقت بے قابو ہوجاتا ہے۔ لیکن جب تک اس کی مشق نہیں کریگا اس وقت تک اس غصہ کے مفاسد اور برائیوں سے نجات نہیں ملے گی۔

چھوٹوں پر زیادتی کا نتیجہ

اور پھر جو زیر تربیت افراد ہوتے ہیں جیسے اولاد، شاگرد، مرید۔ ان پر اگر غصہ کے وقت حد سے تجاوز ہوجائے تو بعض صورتوں میں یہ بات بڑی خطرناک ہوجاتی

ہے کیونکہ جس پر غصہ کیا جارہا ہے وہ اگر آپ سے بڑا ہے یا برابر کا ہے تو آپ کے غصہ کرنے کے نتیجے میں اس کو جو ناگواری ہوگی اس کا اظہار بھی کردے گا اور وہ بتادیگا کہ تمہاری یہ بات مجھے اچھی نہیں لگی، یا کم از کم بدلہ لے لے گا لیکن جو تمہارا ماتحت اور چھوٹا ہے وہ تم سے بدلہ لینے پر تو قادر نہیں ہے بلکہ اپنی ناگواری کے اظہار پر بھی قادر نہیں۔ چنانچہ کوئی بیٹا اپنے باپ سے یا شاگرد استاد سے یا مرید اپنے شیخ سے یہ نہیں کہے گا کہ آپ نے فلاں وقت جو بات کہی تھی وہ مجھے ناگوار ہوئی۔ اس لئے آپ کو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ آپ نے اس کی کتنی دل شکنی کی ہے اور جب پتہ نہیں چلے گا تو معافی مانگنا بھی آسان نہیں ہوگا۔ اس لئے یہ بہت نازک معاملہ ہے اور خاص طور سے جو چھوٹے بچوں کو پڑھانے والے اساتذہ ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا معاملہ تو بہت ہی نازک ہے۔ اس لئے کہ وہ نابالغ بچے ہیں اور نابالغ کا معاملہ یہ ہے کہ اگر وہ معاف بھی کردے تو معافی نہیں ہوتی کیونکہ نابالغ کی معافی معتبر نہیں۔

خلاصہ

بہرحال، آج کی مجلس کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے غصہ پر قابو پانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ یہ غصہ بے شمار برائیوں کی جڑ ہے اور اس کے ذریعہ بے شمار باطنی امراض پیدا ہوتے ہیں۔ ابتداء میں تو یہ کوشش کرے کہ غصہ کا اظہار بالکل نہ ہو، بعد میں جب یہ غصہ قابو میں آجائے تو اس وقت یہ دیکھے کہ کہاں غصہ کا موقع ہے کہاں غصہ کا موقع نہیں۔ جہاں غصہ کا جائز محل ہو، بس وہاں جائز حد تک غصہ کرے، اس سے زیادہ نہ کرے۔

غصہ کا غلط استعمال

جیسا کہ ابھی میں نے بتایا کہ "بغض فی اللہ" یعنی اللہ کے لئے تو غصہ

کرنا چاہئے۔ لیکن بعض لوگ اس کا انتہائی غلط استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ زبان سے تو یہ کہتے ہیں کہ ہمارا یہ غصہ اللہ کے لئے ہے لیکن حقیقت میں وہ غصہ نفسانیت اور تکبر اور دوسرے کی حقارت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ مثلاً جب اللہ تعالیٰ نے ذرا سی دین پر چلنے کی توفیق دے دی اور دین پر ابھی چلنا شروع کیا تو اب ساری دنیا کے لوگوں کو حقیر سمجھنے لگے۔ میرا باپ بھی حقیر، میری ماں بھی حقیر، میرا بھائی بھی حقیر، میری بہن بھی حقیر، میرے سارے گھر والے حقیر ہیں۔ ان سب کو حقیر سمجھنا شروع کردیا اور یہ سمجھنے لگا کہ یہ سب تو جہنمی ہیں میں جنتی ہوں اور مجھے اللہ تعالیٰ نے ان جہنمیوں کی اصلاح کے لئے پیدا کیا ہے۔ اب ان کی اصلاح کے لئے ان پر غصہ کرنا اور ان کے لئے نازیبا الفاظ کا استعمال کرنا اور ان کی تحقیر کرنی اور ان کے حقوق تلف کرنا شروع کردیا اور پھر شیطان یہ سبق پڑھاتا ہے کہ میں جو کچھ کررہا ہوں۔ یہ بغض فی اللہ کے ماتحت کررہا ہوں حالانکہ حقیقت میں یہ سب نفسانیت کے تحت کرتا ہے۔

چنانچہ جو لوگ دین پر نئے نئے چلنے والے ہوتے ہیں۔ شیطان ان کو اس طرح بہکاتا ہے کہ ان کو بغض فی اللّٰہ کا سبق پڑھا کر ان سے دوسرے مسلمانوں کی تحقیر اور تذلیل کراتا ہے اور اس کے نتیجے میں لڑائیاں، جھگڑے اور فساد ہوتے ہیں۔ بات بات پر لوگوں پر غصہ کرتے ہیں۔ بات بات پر لوگوں کو ٹوک رہے ہیں۔ اس کے نتیجے میں فساد پھیل رہا ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا ایک جملہ

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جملہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ حق بات، حق نیت سے، حق طریقے سے کہی جائے تو وہ کبھی بے اثر نہیں رہتی اور کبھی فتنہ و فساد پیدا نہیں کرتی۔ گویا کہ تین شرطیں بیان فرمادیں۔ نمبر ایک، بات حق ہو، نمبر دو، نیت حق ہو، نمبر تین، طریقہ حق ہو۔ مثلاً ایک شخص

کسی برائی کے اندر مبتلا ہے اب اس پر ترس کھا کر نرمی، شفقت سے اس کو سمجھائے تاکہ وہ اس برائی سے کسی طرح نکل جائے۔ یہ نیت ہو۔ اپنی بڑائی مقصود نہ ہو اور دوسروں کو ذلیل کرنا مقصود نہ ہو اور طریقہ بھی حق ہو۔ یعنی نرمی اور محبت سے بات کہے۔ اگر یہ تین شرطیں پائی جائیں تو عموماً فتنہ پیدا نہیں ہوتا اور جہاں کہیں یہ دیکھو کہ حق بات کہنے کے نتیجے میں فتنہ کھڑا ہوگیا تو غالب گمان یہ ہے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ ان تینوں باتوں میں سے کوئی ایک موجود نہیں تھی، یا تو بات حق نہیں تھی، یا نیت حق نہیں تھی یا طریقہ حق نہیں تھا۔

تم خدائی فوجدار نہیں ہو

یہ بات رکھیں کہ تم خدائی فوجدار بن کر دنیا میں نہیں آئے۔ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ حق بات حق نیت اور حق طریقے سے دوسروں کو پہنچاؤ اور مناسب طریقے سے مسلسل پہنچاتے رہو۔ اس کام سے کبھی مت اکتاؤ لیکن ایسا کوئی کام مت کرو جس سے فتنہ پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اور اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مومن ایک آئینہ ہے

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب : مؤمن ایک آئینہ ہے

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ہشتم

صفحات : ۱۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مؤمن ایک آئینہ ہے

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھدان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًاعبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًاکثیرا۔

امابعد!

﴿عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: المؤمن مراٰۃ المؤمن﴾ (ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی النصیحۃ)

ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے آئینہ ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے آئینہ ہے۔ یہ حدیث اگرچہ بہت مختصر ہے اور صرف تین الفاظ پر مشتمل ہے۔ لیکن اس حدیث میں ہمارے اور آپ کے لئے تعلیمات کی ایک دنیا پوشیدہ ہے۔ اس حدیث کا ظاہری مفہوم تو یہ ہے

کہ جس طرح ایک انسان جب آئینہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو اس کو آئینہ کے اندر اپنی شکل نظر آتی ہے، اور وہ آئینہ شکل و صورت کی تمام اچھائیاں اور بُرائیاں اس انسان کو بتادیتا ہے کہ کیا اچھائی ہے اور کیا بُرائی ہے۔ اس لئے کہ بہت سی بُرائیاں ایسی ہوتی ہیں جو انسان کو خود معلوم نہیں ہوتیں، لیکن آئینہ بتادیتا ہے کہ تمہارے اندر یہ خرابی ہے۔ مثلاً اگر تمہارے چہرے پر سیاہ داغ لگا ہوا ہے تو وہ آئینہ بتادے گا کہ تمہارے چہرے پر سیاہ داغ لگا ہوا ہے۔ اسی طرح ایک مؤمن بھی دوسرے مؤمن کے لئے آئینہ ہے کہ اگر ایک مؤمن میں کوئی خرابی یا بُرائی یا عیب ہے تو دوسرا مؤمن اس کو بتادے گا کہ تمہارے اندر یہ خرابی یا یہ بُرائی ہے، تم اس کو دور کرلو۔ اس کی اصلاح کرلو۔ اس بتانے کے نتیجے میں وہ اس خرابی کو دور کرنے کی فکر میں لگ جاتا ہے۔ یہ ہے اس حدیث کا مطلب کہ ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے آئینہ ہے۔

تمہاری غلطی بتانے والا تمہارا محسن ہے

اس حدیث شریف میں دونوں کے لئے سبق ہے، جو شخص دوسرے کے اندر خرابی دیکھ کر اس کو بتاتا ہے کہ تمہارے اندر یہ خرابی ہے، اس کے لئے بھی سبق ہے، اور جس شخص کو بتایا جارہا ہے اس کے لئے بھی اس حدیث میں سبق ہے۔ لہٰذا جس شخص کو یہ بتایا جارہا ہے کہ تمہارے اندر یہ خرابی ہے اس کو دور کرلو، اس کے لئے اس حدیث میں یہ سبق ہے کہ وہ خرابی بتانے والے پر ناراض نہ ہو، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن کو آئینہ سے تشبیہ دی ہے کہ ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے آئینہ ہے، اگر کوئی شخص آئینہ کے سامنے کھڑا ہوجائے اور آئینہ یہ بتادے کہ تمہارے چہرے پر فلاں قسم کا داغ دھبّہ لگا ہوا ہے اس کو دور کرلو تو وہ شخص اس آئینہ پر ناراض نہیں ہوتا، اور اس پر غصّہ نہیں کرتا کہ تم نے مجھے یہ داغ دھبّہ کیوں بتایا، بلکہ وہ شخص اس آئینہ کا احسان مند ہوتا ہے

کہ اچھا ہوا کہ تم نے میرے چہرے کا داغ بتادیا، اب میں اس کو صاف کرلوں گا۔ بالکل اسی طرح ایک مؤمن بھی دوسرے مؤمن کے لئے آئینہ ہے۔ اگر تمہارا ایک مؤمن بھائی تمہیں بتارہا ہے کہ تمہارے اندر یہ بُرائی یا یہ عیب ہے، یا تمہاری نماز کے اندر یہ غلطی ہے، یا تمہارے معاملات میں یہ غلطی ہے تو تمہیں اس کے کہنے کا بُرا نہیں ماننا چاہئے، اور اس پر غصہ نہیں کرنا چاہئے کہ اس نے تمہیں یہ عیب کیوں بتایا۔ اور اس پر ناراض نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اس کا احسان سمجھنا چاہئے کہ اس نے تمہیں تمہاری غلطی بتادی۔ اور یہ کہنا چاہئے کہ اب انشاء اللہ میں اپنی اصلاح کی فکر کروں گا اور اس عیب کو دور کرنے کی کوشش کروں گا۔

غلطی بتانے والے علماء پر اعتراض کیوں؟

آج کل لوگ علماء کرام پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ یہ علماء تو ہر ایک کو کافر اور فاسق بناتے رہتے ہیں۔ کسی پر کفر کا فتویٰ لگادیا۔ کسی پر فاسق ہونے کا فتویٰ لگادیا۔ کسی پر بدعتی ہونے کا فتویٰ لگادیا۔ ان کی ساری عمر اسی کام میں گزرتی ہے کہ دوسروں کو کافر بناتے رہتے ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء لوگوں کو کافر بناتے نہیں ہیں بلکہ کافر بتاتے ہیں۔ جب کسی شخص نے کفر کا ارتکاب کرلیا تو اصل میں تو خود اس شخص نے کفر کا ارتکاب کیا۔ اس کے بعد علماء کرام یہ بتاتے ہیں کہ تمہارا یہ عمل کفر ہے۔ جس طرح آئینہ تمہیں بتاتا ہے کہ تم بدصورت ہو، تمہارے چہرے پر دھبہ لگا ہوا ہے، وہ آئینہ بناتا نہیں اور نہ داغ دھبّہ لگاتا ہے۔ اسی طرح علماء کرام بھی یہ بتاتے ہیں کہ تم نے جو عمل کیا ہے وہ کفر کا عمل ہے، یا فسق کا عمل ہے یا بدعت کا عمل ہے۔ لہٰذا جس طرح آئینہ کو بُرا بھلا نہیں کہا جاتا اور نہ آئینہ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ آئینہ نے میرے چہرے پر داغ لگادیا۔ بالکل اسی طرح علماء پر بھی یہ الزام نہیں لگانا چاہئے کہ انہوں نے کافر یا فاسق بنادیا۔ اور ان پر ناراضگی کا

اظہار نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ ان کا احسان ماننا چاہئے کہ انہوں نے ہمارا عیب بتادیا۔ اب ہم اس کی اصلاح کریں گے۔

ڈاکٹر بیماری بتاتا ہے، بیمار نہیں بناتا

مثلاً بعض اوقات ایک انسان کو اپنی بیماری کا علم نہیں ہوتا کہ میرے اندر فلاں بیماری ہے۔ لیکن جب وہ کسی طبیب اور ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے تو وہ ڈاکٹر بتادیتا ہے کہ تمہارے اندر یہ بیماری ہے۔ اب ڈاکٹر کو یہ نہیں کہا جائے گا کہ تم نے اس شخص کو بیمار بنادیا۔ بلکہ یہ کہا جائے گا جو بیماری خود تمہارے اندر پہلے سے موجود تھی اور تم اس کی طرف سے غافل تھے۔ ڈاکٹر نے بتادیا کہ تمہارے اندر یہ بیماری ہے، اس کا علاج کرلو۔

ایک نصیحت آموز واقعہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ نے اپنا یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ میرے والد ماجد یعنی (میرے دادا) بیمار تھے، دیوبند میں قیام تھا۔ اس وقت دھلی میں ایک حکیم نابینا بہت مشہور تھے۔ اور بہت حاذق اور ماہر حکیم تھے۔ ان کا علاج چل رہا تھا۔ میں دیو بند سے دھلی گیا تاکہ والد صاحب کا حال بتاکر دوا لے لوں، چنانچہ میں ان کے مطب میں پہنچا، اور حضرت والد صاحب کا حال بتایا اور کہا کہ ان کی دوا دیدیں۔ حکیم صاحب نابینا تھے۔ جب انہوں نے میری آواز سنی تو فرمایا کہ میں تمہارے والد صاحب کی دوا تو بعد میں دوں گا، پہلے تم اپنی دوا لو۔ میں نے کہا کہ میں تو ٹھیک ٹھاک ہوں، کوئی بیماری نہیں ہے۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ نہیں، یہ تم اپنی دوا لو۔ صبح یہ کھانا، دوپہر یہ کھانا اور شام کو یہ کھانا۔ اور جب ایک ہفتہ کے بعد آؤ تو اپنا حال بیان کرنا۔ چنانچہ انہوں نے پہلے میری دوا دی۔ اور پھر والد صاحب کی دوا دی۔ جب میں گھر واپس آیا تو والد صاحب کو بتایا کہ حکیم

صاحب نے اس طرح مجھے بھی دوا دی ہے۔ والد صاحب نے فرمایا کہ جس طرح حکیم صاحب نے فرمایا ہے، اسی طرح کرو اور ان کی دوا استعمال کرو۔ جب ایک ہفتہ کے بعد دوبارہ حکیم صاحب کے پاس گیا تو میں نے عرض کیا کہ حکیم صاحب! اب تک یہ فلسفہ سمجھ میں نہیں آیا اور نہ کوئی بیماری معلوم ہوئی۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ گذشتہ ہفتہ جب تم آئے تھے تو تمہاری آواز سن کر مجھے اندازہ ہوا کہ تمہارے پھیپھڑوں میں خرابی ہو گئی ہے۔ اور اندیشہ ہے کہ کہیں آگے چل کر ٹی بی کی شکل اختیار نہ کرلے۔ اس لئے میں نے تمہیں دوا دی۔ اور اب الحمد للہ تم اس بیماری سے بچ گئے۔ دیکھئے! بیمار کو پتہ نہیں ہے کہ مجھے کیا بیماری ہے۔ اور معالج اور ڈاکٹر کا یہ بتانا کہ تمہارے اندر یہ بیماری ہے، یہ اس کا احسان ہے۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جائے گا کہ ڈاکٹر نے بیمار بنادیا، بلکہ اس نے بتادیا کہ تمہارے اندر یہ بیماری پیدا ہو رہی ہے، تاکہ تم علاج کرلو۔ اب اس بتانے کی وجہ سے ڈاکٹر پر غصہ کرنے اور اس سے ناراض ہونے کی ضرورت نہیں۔

بیماری بتانے والے پر ناراض نہیں ہونا چاہئے

البتہ بتانے کے طریقے مختلف ہوتے ہیں، کسی نے آپ کے عیب اور آپ کی خرابی کو اچھے طریقے سے بتادیا۔ اور کسی نے بے ڈھنگے طریقے سے بتادیا۔ لیکن اگر کسی نے آپ کی بُرائیاں ایسے طریقے سے آپ کو بتائیں جو طریقہ مناسب نہیں تھا، تب بھی اس نے تمہاری ایک بیماری پر تمہیں مطلع کیا۔ اس لئے تمہیں اس کا احسان ماننا چاہئے۔ عربی کے ایک شعر کا مفہوم یہ ہے کہ "میرا سب سے بڑا محسن وہ ہے جو میرے پاس میرے عیوب کا ہدیہ پیش کرے۔ جو مجھے بتائے کہ میرے اندر کیا عیب ہے۔ اور جو شخص تعریف کر رہا ہے کہ تم ایسے اور ویسے ہو، اور اس کو بڑھا چڑھا رہا ہے، جس کے نتیجے میں دل میں کبر اور غرور پیدا ہو رہا ہے، یہ بظاہر تو دیکھنے میں اچھا معلوم ہو رہا ہے، لیکن حقیقت میں وہ نقصان پہنچا رہا ہے۔ لیکن جو شخص تمہارے

عیوب بیان کر رہا ہے اس کا احسان مانو۔ بہرحال، یہ حدیث ایک طرف تو یہ بتارہی ہے کہ اگر کوئی شخص تمہیں تمہاری غلطی بتائے تو اس پر ناراض ہونے کے بجائے اس کے بتانے کو اپنے لئے غنیمت سمجھو، جس طرح آئینہ کے بتانے کو غنیمت سمجھتے ہو۔

غلطی بتانے والا لعنت ملامت نہ کرے

اس حدیث میں دوسرا سبق غلطی بتانے والے کے لئے ہے۔ اس میں غلطی بتانے والے کو آئینہ سے تشبیہ دی ہے۔ اور آئینہ کا کام یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص اس کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو وہ یہ بتادیتا ہے کہ تمہارے چہرے پر اتنا بڑا داغ لگا ہوا ہے۔ اور اس بتانے میں نہ تو وہ کمی زیادتی کرتا ہے، اور نہ اس شخص پر لعنت ملامت کرتا ہے کہ یہ داغ کہاں سے لگالیا بلکہ صرف داغ بتادیتا ہے۔ اسی طرح غلطی بتانے والا مؤمن بھی آئینہ کی طرح صرف اتنی غلطی اور عیب بتائے جتنا اس کے اندر واقعۃً موجود ہے۔ اس کو بڑھا چڑھا کر نہ بتائے اور اس بتانے میں مبالغہ نہ کرے۔ اور اسی طرح صرف اس کو بتادے کہ تمہارے اندر یہ عیب ہے۔ لیکن اس کو اس کے عیب پر لعنت اور ملامت شروع کردے اور لوگوں کے سامنے اس کو ذلیل کرنا شروع کردے، یہ مؤمن کا کام نہیں ہے۔ اس لئے کہ مؤمن تو آئینہ کی طرح ہے۔ اس لئے اتنی ہی غلطی بتائے جتنی اس کے اندر ہے۔ اور اس پر لعنت ملامت نہ کرے۔

غلطی کرنے والے پر ترس کھاؤ

اور جب ایک مؤمن دوسرے مؤمن کو غلطی بتاتا ہے تو اس پر ترس کھاتا ہے کہ یہ بے چارہ اس غلطی کے اندر مبتلا ہوگیا۔ جس طرح ایک شخص بیمار ہے تو وہ بیمار ترس کھانے کے لائق ہے۔ وہ غُصّہ کا محل نہیں۔ کوئی شخص اس بیمار پر غُصّہ

نہیں کرے گا کہ تو کیوں بیمار ہوگیا، بلکہ اس پر ترس کھائے گا اور اس کو علاج کرنے کا مشورہ دے گا۔ اسی طرح ایک مؤمن غلطی اور گناہ کے اندر مبتلا ہے تو وہ ترس کھانے کے لائق ہے۔ وہ غصہ کرنے کا محل نہیں ہے۔ اس کو پیار سے اور نرمی سے بتادو کہ تمہارے اندر یہ خرابی ہے تاکہ وہ اس کی اصلاح کرلے۔ اس پر غصہ یا لعنت ملامت مت کرو۔

غلطی کرنے والے کو ذلیل مت کرو

آج کل ہم کو اس بات کا خیال بھی نہیں آتا کہ دوسرے مؤمن کو اس کی غلطی پر متنبہ کرنا بھی ایک فریضہ ہے۔ اگر ایک مسلمان غلط طریقے سے نماز پڑھ رہا ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ یہ طریقہ غلط ہے تو تم پر فرض ہے کہ اس کو اس غلطی کے بارے میں بتادو۔ اس لئے کہ یہ بھی امربالمعروف اور نہی عن المنکر کے اندر داخل ہے اور یہ ہر آدمی پر فرض ہے۔ آج کل کسی کو اس بات کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ اس کو غلطی بتادوں، بلکہ یہ سوچتا ہے کہ غلط پڑھ رہا ہے تو پڑھنے دو۔ اور اگر کسی کو غلطی بتانے کا احساس ہوتا بھی ہے تو یہ احساس اتنی شدّت سے ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدائی فوجدار سمجھ بیٹھتا ہے، چنانچہ جب وہ دوسروں کو ان کی غلطی بتاتا ہے تو ان پر ڈانٹ ڈپٹ شروع کردیتا ہے۔ اور ان کو دوسروں کے سامنے ذلیل اور رسوا کرنا شروع کردیتا ہے۔ حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم آئینہ ہو۔ تم لعنت ملامت اور ڈانٹ ڈپٹ مت کرو۔ نہ اس کو ذلیل اور رسوا کرو۔ بلکہ اس کو ایسے طریقے سے بتاؤ کہ اس کے دل میں تمہاری بات اتر جائے۔

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کا ایک واقعہ

واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما دونوں غالباً دریائے فُرات کے کنارے سے گزر رہے تھے۔ ان دونوں نے دیکھا کہ

دریا کے کنارے ایک بڑے میاں وضوء کررہے ہیں۔ لیکن غلط طریقے سے کررہے ہیں۔ ان کو خیال آیا کہ ان کو غلطی بتانی چاہئے۔ اس لئے کہ یہ بھی ایک دینی فریضہ ہے کہ دوسروں کی غلطی کو بتایا جائے، لیکن وہ بڑے ہیں اور ہم چھوٹے ہیں، ان کو کس طریقے سے بتائیں کہ ان کا دل نہ ٹوٹے، اور ناراض نہ ہوجائیں۔ چنانچہ دونوں نے مشورہ کیا، اور پھر دونوں مل کر بڑے میاں کے پاس گئے اور جاکر بیٹھ گئے۔ باتیں کرتے رہے۔ پھر کہا کہ آپ ہمارے بڑے ہیں۔ ہم جب وضوء کرتے ہیں تو ہمیں شبہ رہتا ہے کہ معلوم نہیں کہ ہمارا وضوء سُنّت کے مطابق ہوا یا نہیں؟ اس لئے ہم آپ کے سامنے وضوء کرتے ہیں، آپ ذرا دیکھیں کہ ہمارے وضوء میں کوئی بات غلط اور خلاف سُنّت تو نہیں ہے؟ اگر ہو تو بتا دیجئے گا۔ چنانچہ دونوں بھائیوں نے ان کے سامنے وضوء کیا۔ اور پھر وضوء کے بعد ان سے پوچھا کہ اب بتائیے کہ ہم نے اس میں کوئی غلطی تو نہیں کی؟ بڑے میاں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ میں نے جس طریقے سے وضوء کیا تھا وہ غلط تھا، اور ان کا طریقہ صحیح ہے۔ بڑے میاں نے کہا کہ بات دراصل یہ ہے کہ میں نے ہی غلط طریقے سے وضوء کیا تھا، اب تمہارے بتانے سے بات واضح ہوگئی۔ اب انشاء اللہ صحیح طریقے سے وضو کروں گا۔ یہ ہے وہ طریقہ جس کا اس آیت کریمہ میں حکم دیا ہے کہ:

﴿ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ﴾ (سورۃ النحل ۱۲۵)

یعنی اپنے پروردگار کے راستے کی طرف حکمت سے بلاؤ۔ تم کوئی خدائی فوجدار نہیں ہو کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے داروغہ بنادیا ہو کہ لوگوں کو ڈانٹتے پھرو اور ان کو ذلیل کرتے پھرو، بلکہ تم آئینہ ہو، اور جس طرح آئینہ صرف حقیقت حال بتا دیتا ہے، ڈانٹ ڈپٹ اور سختی نہیں کرتا، اسی طرح تمہیں بھی کرنا چاہئے۔ یہ سبق بھی اس حدیث "المؤمن مرآۃ المؤمن" سے نکل رہا ہے۔

ایک کا عیب دوسرے کو نہ بتایا جائے

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے تحت ایک نکتہ یہ بیان فرمایا ہے کہ آئینہ کا کام یہ ہے کہ جو شخص اس کے سامنے آئے گا اور اس کے اوپر کوئی عیب ہوگا تو وہ آئینہ صرف اسی شخص کو بتائے گا کہ تمہارے اندر یہ عیب ہے۔ وہ آئینہ دوسروں سے نہیں کہے گا کہ فلاں شخص میں یہ عیب ہے۔ اور نہ اس عیب کا دوسروں کے سامنے تشہیر اور چرچا کرے گا۔ اسی طرح مؤمن بھی ایک آئینہ ہے۔ جب وہ دوسرے کے اندر کوئی عیب دیکھے تو صرف اسی کو خلوت میں خاموشی سے بتادے کہ تمہارے اندر یہ عیب ہے، باقی دوسروں سے جاکر کہنا کہ فلاں کے اندر یہ عیب اور یہ غلطی ہے، اور اس غلطی کا دوسروں کے سامنے چرچا کرنا، یہ مؤمن کا کام نہیں۔ بلکہ یہ تو نفسانیت کا کام ہے۔ اگر دل میں یہ خیال ہے کہ میں اللہ کو راضی کرنے کے لئے اس کا یہ عیب بتارہا ہوں تو کبھی بھی وہ شخص دوسروں کے سامنے اس کا تذکرہ نہیں کرے گا۔ البتہ اگر دل میں نفسانیت ہوگی تو وہاں یہ خیال آئے گا کہ میں اس عیب کی وجہ سے اس کو ذلیل اور رسوا کروں۔ جب کہ مسلمانوں کو ذلیل اور رسوا کرنا حرام ہے۔

ہمارا طرز عمل

آج ہم اپنے معاشرے میں ذرا جائزہ لے کر دیکھیں تو ایسے لوگ بہت کم نظر آئیں گے جو دوسروں کی غلطی دیکھ کر اس کو خیر خواہی سے بتادیں کہ تمہاری یہ بات مجھے پسند نہیں آئی یا یہ بات شریعت کے خلاف ہے۔ لیکن اس کی غلطی کا تذکرہ مجلسوں میں کرنے والے بے شمار نظر آئیں گے۔ جس کے نتیجے میں غیبت کے گناہ میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ افتراء اور بہتان کے گناہ میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ مبالغہ اور جھوٹ کا گناہ ہو رہا ہے۔ اور ایک مسلمان کو بدنام کرنے کا گناہ ہو رہا ہے۔ اس کے

بجائے بہتر طریقہ یہ تھا کہ تنہائی میں اس کو سمجھا دیتے کہ تمہارے اندر یہ خرابی ہیں، اس کو دور کرلو۔ لہٰذا جب کسی مسلمان بھائی کے اندر کوئی عیب دیکھو تو دوسروں سے مت کہو، بلکہ صرف اس سے کہو۔ یہ سبق بھی اسی حدیث "المؤمن مرآة المؤمن" سے نکل رہا ہے۔

غلطی بتانے کے بعد مایوس ہو کر مت بیٹھو

اس حدیث سے ایک سبق یہ مل رہا ہے کہ آئینہ کا کام یہ ہے کہ جو شخص اس کے سامنے آکر کھڑا ہوگا تو وہ آئینہ اس شخص کا عیب اور غلطی بتادے گا کہ تمہارے اندر یہ عیب ہے، اگر دوسری مرتبہ وہ شخص آئینہ کے سامنے آئے گا تو دوسری مرتبہ بتادے گا۔ جب تیسری مرتبہ سامنے آئے گا تو تیسری مرتبہ بتادے گا۔ لیکن وہ آئینہ تمہارے پیچھے نہیں پڑے گا کہ اپنا یہ عیب ضرور دور کرو۔ اگر وہ شخص اپنا وہ عیب دور نہ کرے تو وہ آئینہ روٹھ کر اور تھک ہار کر الگ ہو کر نہیں بیٹھ جائے گا کہ تم اپنا یہ عیب دور نہیں کررہے ہو، اس لئے اب میں نہیں بتاؤں گا۔ بلکہ وہ شخص جتنی مرتبہ بھی اس آئینہ کے سامنے آئے گا وہ آئینہ ضرور بتائے گا کہ یہ عیب اب بھی موجود ہے۔ وہ بتانے سے باز نہیں آئے گا اور بد دل بھی نہیں ہوگا۔ اور داروغہ بن کر یہ نہیں کہے گا کہ یہ شخص جب تک اپنا عیب دور نہیں کرے گا اس وقت تک اس سے تعلقات نہیں رکھوں گا۔

انبیاء علیہم السلام کا طرز عمل

یہی انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے کہ وہ بد دل ہو کر اور ہار کر نہیں بیٹھ جاتے۔ بلکہ جب بھی موقع ملتا ہے اپنی بات کہے جاتے ہیں۔ لیکن اپنے آپ کو داروغہ نہیں سمجھتے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

﴿لست علیھم بمصیطر﴾ (سورۃ الغاشیۃ: ۲۲)

یعنی آپ کو داروغہ بناکر نہیں بھیجا گیا۔ بلکہ آپ کا کام صرف پہنچادینا ہے۔ بس جو غلطی کرے اس کو بتادو اور اس کو متنبہ کردو۔ اب اس کا کام یہ ہے کہ وہ عمل کرے۔ اور اگر وہ عمل نہیں کرتا تو دوبارہ بتادو۔ تیسری مرتبہ بتادو۔ لیکن مایوس ہوکر اور ناراض ہوکر نہ بیٹھ جاؤ کہ یہ شخص مانتا ہی نہیں، اب اس کو کیا بتائیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اُمّت پر بہت زیادہ مہربان تھے، اس لئے جب کفّار اور مشرکین آپ کی بات نہیں مانتے تھے تو آپ کو شدید صدمہ ہوتا تھا، اس پر قرآن کریم میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لعلک باخع نفسک الا یکونوا مؤمنین﴾
(الشعراء: ۳)

کیا آپ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دیں گے اس صدمہ کی وجہ سے کہ وہ ایمان کیوں نہیں لاتے۔ آپ کا یہ فریضہ نہیں ہے۔ آپ کا کام صرف بات کو پہنچادینا ہے۔ ماننے یا نہ ماننے کی ذمہ داری آپ پر نہیں۔

یہ کام کس کے لئے کیا تھا؟

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دعوت و تبلیغ کرنے والے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے کام میں لگا رہے۔ لوگوں کے نہ ماننے کی وجہ سے چھوڑ کر نہ بیٹھ جائے۔ مایوس ہوکر، یا ناراض ہوکر یا غُصّہ ہوکر نہ بیٹھ جائے کہ میں نے تو بہت سمجھایا لیکن انہوں نے میری بات نہیں مانی، لہٰذا اب میں نہیں کہوں گا، ایسا نہ کرے۔ بلکہ یہ سوچے کہ میں نے یہ کام کس کے لئے کیا تھا؟ اللہ کو راضی کرنے کے لئے کیا تھا۔ آئندہ بھی جتنی مرتبہ کروں گا، اللہ کو راضی کرنے کے لئے کروں گا۔ اور ہر مرتبہ مجھے کہنے کا اجر و ثواب مل جائے گا۔ اس لئے میرا تو مقصد حاصل

ہے۔ اب دوسرا مان رہا ہے یا نہیں مان رہا ہے، اس سے میرا براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کس کو ہدایت دیتے ہیں اور کس کو ہدایت نہیں دیتے۔

ماحول کی درستی کا بہترین طریقہ

حقیقت یہ ہے کہ ایک مؤمن اخلاص کے ساتھ بات کہتا ہے اور بار بار کہتا ہے اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتا ہے کہ یا اللہ! میرا فلاں بھائی اس گناہ کے اندر مبتلا ہے، اس کو ہدایت عطا فرما، اور اس کو سیدھے راستے پر لگادے۔ جب یہ دو کام کرتا ہے تو عموماً اللہ تعالیٰ ایسے موقع پر ہدایت عطا فرما ہی دیتے ہیں۔ اگر ہم یہ کام کرتے رہیں تو یہ وہ کام ہے کہ اس کی برکت سے سارا ماحول خود بخود سدھر سکتا ہے۔ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ خود کار یعنی آٹومیٹک نظام ہے کہ اگر ایک مؤمن دوسرے مؤمن کو ان شرائط اور آداب کے ساتھ اس کی غلطیوں پر ٹوکتا رہے تو اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اصلاح فرما دیتے ہیں۔

خلاصہ

بہرحال، اس حدیث میں یہ جو فرمایا کہ ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا آئینہ ہے۔ اس سے یہ سبق ملا کہ مؤمن کا کام بار بار بتادینا ہے۔ اور نہ ماننے کی صورت میں صدمہ اور غم کرنا یا ہار مان کر بیٹھ جانا مؤمن کا کام نہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جب ایک مؤمن اخلاص کے ساتھ بات کہتا ہے اور بار بار کہتا ہے تو ایک نہ ایک دن اس کا کہنا رنگ لاتا ہے، لہٰذا تم آئینہ بن کر کام کرو۔ اور جب دوسرا شخص آئینہ بن کر کام کرے اور تمہیں تمہاری کوئی غلطی بتائے تو تم رنجیدہ اور ناراض مت ہونا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دو سلسلے۔ کتاب اللہ، رجال اللہ

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب : دو سلسلے۔ کتاب اللہ۔ رجال اللہ

مقام خطاب :

وقت خطاب :

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ہشتم

صفحات : ۱۳

عرضِ ناشر

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے ترمذی شریف کے درس کے افتتاح کے موقع پر دورۂ حدیث کے طلبہ کے سامنے ایک افتتاحی تقریر فرمائی، جس میں علم حدیث کی فضیلت اور اہمیت کے بیان کے ساتھ اس بات کو تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا کہ کوئی علم کوئی فن استاد کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا، چاہے وہ دنیا کا معمولی فن کیوں نہ ہو۔ صرف کتابیں پڑھ کر اور مطالعہ کر کے اس فن میں کمال اور مہارت حاصل نہیں ہو سکتی۔ صرف مطالعہ کے زور پر نہ کوئی شخص مستند عالم دین بن سکتا ہے۔ نہ ڈاکٹر بن سکتا ہے اور نہ انجینئر بن سکتا ہے۔ دورۂ حدیث کے طالب علم محمد طیب اکی نے یہ تقریر ریکارڈ کے ذریعہ قلم بند کی جو قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

ولی اللہ میمن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دو سلسلے

کتاب اللہ ـــــ رجال اللہ

الحمد للّٰہ رب العلمین، والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم، وعلی آلہ اصحابہ اجمعین، اما بعد
فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم
﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلاً مِنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْ عَلَیْھِمْ آیَاتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ﴾
(آل عمران: ۱۶۴)

دو سلسلے

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی اصلاح کے لئے دو سلسلے ایک ساتھ جاری فرمائے ایک کتاب اللہ کا سلسلہ، کتاب اللہ، اللہ کی آسمانی کتابیں ہیں۔ یعنی تورات، زبور، انجیل اور آخر میں قرآن کریم نازل فرمایا۔

اور دوسرا سلسلہ رجال اللہ کا جاری فرمایا، رجال اللہ سے مراد انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ ہے، یہ رجال اللہ کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ بھیجے گئے تاکہ وہ کتاب کی تشریح کریں، اور اس کی عملی تربیت دیں اور کتاب کے معانی اور مفاہیم کو اپنے قول

فعل سے سمجھائیں، اس سلسلے کے لئے حضرات انبیاء علیہم السلام بھیجے جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ لعلهم يتذكرون﴾ (النحل: ۴۴)

"ہم نے یہ ذکر اس لئے نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کردیں جو کچھ کہ نازل کیا جاتا ہے"۔

رجال اللہ اس لئے بھیجے جاتے ہیں تاکہ کتاب کی تشریح کریں، تفسیر کریں، اور لوگوں کی تربیت کریں۔ اسی کے بارے میں فرمایا ہے۔

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اياة ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة﴾

کسی بھی پیغمبر کے دنیا میں آنے کا بنیادی مقصد تعلیم کتاب ہوتا ہے اس لئے کہ معلم کی راہنمائی اور مفصل تفسیر کے بغیر ہم اس کتاب سے فائدہ اٹھانے کی اہلیت نہیں رکھتے۔

استاذ کے بغیر صرف مطالعہ کافی نہیں۔ اور یہ صرف اللہ کی کتاب کے ساتھ ہی خاص نہیں، دنیا کے ہر علم و فن کا یہی حال ہے۔ کوئی شخص اگر یہ چاہے کہ میں صرف کتاب پڑھ کر مطالعہ کر کے کسی فن کا ماہر بن جاؤں، وہ نہیں بن سکتا جب تک کہ کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہ کرے۔ جب تک استاد سے اس علم و فن کو حاصل نہ کرے اس وقت تک اس علم و فن کا ماہر نہیں بن سکتا۔

قبرستان آباد کرے گا

علم طب (میڈیکل سائنس) ایک ایسا علم ہے اس کی کتابیں چھپی ہوئی ہیں، ہر زبان میں موجود ہیں۔ اردو، عربی، فارسی، انگریزی لیکن کوئی شخص یہ چاہے کہ گھر

بیٹھے طب کی کتاب پڑھوں اور میں اس کا مطالعہ کر کے طبیب اور ڈاکٹر بن جاؤں، اگر وہ بالفرض بڑا ذہین ہے، بہت سمجھدار ہے۔ قوت مطالعہ بہت مضبوط ہے، قابلیت بہت اعلیٰ ہے اور اس نے مطالعہ شروع کردیا اور ان کتابوں کو سمجھ بھی گیا اور سمجھنے کے بعد لوگوں کا علاج شروع کردیا، وہ کیا کرے گا؟ وہ قبرستان آباد کرے گا۔ اس واسطے کہ باوجودیکہ اس نے کتاب سمجھ بھی لی، لیکن کسی استاد سے معلم اور مربی سے اس کی تربیت حاصل نہ کی تو وہ طبیب نہیں بنے گا، نہ پوری دنیا میں کوئی حکومت ایسے شخص کو یہ اجازت دے گی کہ وہ انسانوں کی زندگیوں سے کھیلے، اس لئے کہ اس نے وہ طریقہ اختیار نہیں کیا جو طبیب کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے انسان کی فطرت اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ رکھی ہے کہ جب تک اس کو کوئی تربیت دینے والا تربیت نہ دے۔ کوئی تعلیم دینے والا تعلیم نہ دے۔ اس کو کوئی علم و فن اور کوئی ہنر از خود حاصل نہیں ہوگا۔

انسان اور جانور میں فرق

اللہ تعالیٰ نے جانوروں اور انسانوں میں تھوڑا فرق رکھا ہے، وہ یہ کہ جانوروں کو معلم و مربی کی اتنی ضرورت نہیں ہوتی جتنی انسان کو ضرورت ہے، مثلاً مچھلی کا بچہ پانی کے اندر مچھلی کے انڈے سے نکلا اور نکلتے ہی اس نے تیرنا شروع کردیا، پانی میں اس کو تیراکی سکھانے کے لئے کسی معلم و مربی کی ضرورت نہیں۔ خلقتاً اس کی فطرت ایسی بنادی کہ اس کو تیرنا سیکھنے کے لئے کسی دوسرے کی تعلیم و تربیت کی حاجت نہیں۔

لیکن کوئی انسان یہ سوچ کر کہ مچھلی کا بچہ بغیر کسی تعلیم و تربیت کے پانی میں تیر رہا ہے، مزے میں ہے میں بھی اپنے بچے کو تیراکی سکھائے بغیر پانی میں پھینک دوں تو وہ شخص احمق ہوگا کہ نہیں؟ ارے انسان کا بچہ کہاں اور مچھلی کا بچہ کہاں، اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے تعلیم و تربیت کی ضرورت نہیں رکھی۔ لیکن تو انسان ہے، انسان

کو تیراکی سیکھنے کے لئے کسی معلم و مربی کی ضرورت ہے۔ یا مثلاً مرغی کا بچہ انڈے سے نکلا اور نکلتے ہی اس نے دانہ چگنا شروع کردیا، اس کو دانہ کھلانے کے لئے کسی معلم و مربی کی حاجت نہیں، لیکن انسان کا جو بچہ آج پیدا ہو! وہ روٹی نہیں کھائے گا۔ اس واسطے کہ اس کو روٹی کھلانے کے لئے کسی معلم و مربی کی حاجت اور ضرورت ہے جب تک اس کو کوئی کھلانے والا کھانا سکھائے گا نہیں، اس کو ایک عملی نمونہ پیش نہیں کرے گا اس وقت تک اس کو کھانا نہیں آئے گا۔ انسان کی فطرت اللہ نے یہ رکھی ہے کہ وہ بغیر معلم و مربی کے دنیا کا کوئی علم و فن اور ہنر نہیں سیکھ سکتا۔

کتاب پڑھ کر الماری بنایئے

بڑھئی کا کام ہے۔ کتاب کے اندر سب کچھ لکھا ہے کہ کس طرح میز بنتی ہے، کس طرح کرسی بنتی ہے، اور کیا کیا آلات اس میں استعمال ہوتے ہیں۔ کتاب سامنے رکھو اور الماری بناؤ، کیا اس کے طریقوں کو دیکھ دیکھ کر الماری بن جائے گی؟ ہرگز نہیں، لیکن کتاب کچھ نہ پڑھو، البتہ ایک بڑھئی کی صحبت اٹھالو، اور اس کے پاس دو چار ماہ بیٹھ جاؤ، اس کو دیکھو کہ وہ کیسے بناتا ہے، وآلات کس طرح استعمال کرتا ہے تو آسانی سے الماری بنانی آجائے گی۔

کتاب سے بریانی نہیں بنتی

اور میں کہا کرتا ہوں کہ کھانا پکانے کی کتابیں چھپی ہوئی ہیں۔ کھانا کیسے پکتا ہے، پلاؤ کیسے پکتا ہے، بریانی کیسے پکتی ہے، قورمہ کیسے پکتا ہے، کباب کیسے تلتے ہیں، سب ترتیب لکھی ہوتی ہے کہ اس کو اتنا پیسو، اس طرح اس کو بناؤ، اس میں اتنا نمک اور اتنی مرچ اتنا پانی اور اتنی فلاں چیز ڈال دو، سب اجزاء و عناصر اس کتاب میں لکھے ہوتے ہیں۔ اب اگر ایک شخص جس نے کبھی پکایا نہیں۔ وہ کتاب سامنے رکھ

لے جو طریقہ اس میں لکھا ہے اس کے مطابق بریانی بنائے۔ اس کو دیکھ دیکھ کر اتنے چاول لے لئے اتنا پانی ڈال دیا اتنی آگ لگادی اور بنانے لگ جائیے، کیا بریانی بن جائے گی؟ خدا جانے کیا ملغوبہ تیار ہوگا، کیوں؟ اس واسطے کہ کتاب سے بریانی نہیں بنتی، جب تک کہ کسی باورچی نے اس کو سکھایا نہ ہو۔

انسان کو عملی نمونہ کی ضرورت

بہرحال! یہ انسان کی فطرت ہے کہ محض کتاب سے کوئی شخص کوئی علم و ہنر حاصل نہیں کرسکتا جب تک کہ معلم و مربی کی تربیت نہ پائی ہو۔ اس کی صحبت حاصل نہ کی ہو۔ ساری دنیا کے علوم و فنون میں یہی سنت جاری ہے، جس طرح علوم و فنون میں یہ سنت ہے اسی طرح دین میں کوئی شخص یہ چاہے کہ میں تنہا کتاب پڑھ کر اس سے دین سیکھ لوں، یاد رکھو زندگی بھر نہیں حاصل کرسکتا۔ جب تک کہ کسی معلم و مربی سے تربیت حاصل نہ کی ہو، اس کی صحبت نہ پائی ہو۔ اس کا عملی نمونہ دیکھا ہو، اس وقت تک علم دین حاصل نہیں ہوگا۔

تنہا کتاب نہیں بھیجی گئی

یہی راز ہے اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ نے تنہا کتاب کبھی نہیں بھیجی۔ ایسی مثالیں موجود ہیں کہ انبیاء علیہم السلام آئے اور کوئی نئی کتاب نہیں آئی، لیکن ایسی ایک بھی مثال نہیں کہ کتاب آئی ہو، اور ساتھ کوئی نبی نہ آیا ہو، کیوں؟

اس لئے کہ اگر تنہا کتاب دی جاتی تو انسان کے اندر اتنی قابلیت نہیں تھی کہ اس کتاب کے ذریعہ اصلاح نفس کرے جب کہ اللہ تعالیٰ کے لئے تنہا کتاب بھیجنا کوئی مشکل نہیں تھا۔ دوسری طرف مشرکین کا مطالبہ بھی تھا کہ:

﴿لولا نزل علیہ القرآن جملۃ واحدۃ﴾

(الفرقان: ۳۲)

کہ ہمارے اُوپر ایک مرتبہ قرآن کیوں نازل نہیں کیا گیا۔ کیا اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل کام تھا کہ صبح کو جب بیدار ہوں تو ہر ایک آدمی کے سرہانے ایک شاندار جلد میں مجلد قرآن کریم کا نسخہ رکھا ہوا ہو۔ اور آسمان سے آواز آجائے کہ یہ کتاب ہے، اس پر عمل کرو، کیا یہ کام اللہ تعالیٰ کے لئے مشکل تھا؟ مشکل نہیں تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ کام نہیں کیا، کتاب تنہا نہیں بھیجی، معلم بھی ساتھ بھیجا، تربیت دینے والا بھی بھیجا۔ کیوں!

کتاب پڑھنے کے لئے دو نوروں کی ضرورت

اس لئے کہ کتاب اس وقت تک سمجھ میں نہیں آئے گی جب تک کہ پیغمبر کی تعلیمات کا نور ساتھ نہیں ہوگا۔ کتاب تو موجود ہے، بڑی فصیح و بلیغ بھی ہے لیکن میں اندھیرے میں بیٹھا ہوں میرے پاس روشنی نہیں ہے۔ کیا میں اس کتاب سے فائدہ اٹھا سکتا ہوں؟ نہیں! جب تک میرے پاس دو نور نہ ہوں۔ ایک تو میرے پاس آنکھ کا نور ہونا چاہئے، اور دوسرا باہر سورج یا بجلی کی روشنی کا نور ہونا چاہئے؟ اگر ان میں سے ایک نور بھی مفقود ہو تو کتاب سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا، مثلاً باہر سورج کی روشنی ہے۔ سورج نکلا ہوا ہے اور آنکھ میں نور نہیں ہے تو کیا میں کتاب پڑھ سکوں گا؟

یا مثلاً آنکھ میں نور ہے باہر نور نہیں ہے۔ نہ سورج کی روشنی، نہ چراغ کی نہ بجلی کی روشنی کیا میں کتاب پڑھ سکوں گا؟ نہیں اس لئے کہ کتاب کو پڑھنے کے لئے دو نوروں کی ضرورت ہے ایک اپنے اندر کا نور اور ایک باہر سورج یا بجلی کا نور، ایک داخلی نور اور ایک خارجی نور، دونوں نور جب ہوں گے جب کتاب سے استفادہ ہو سکے گا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے دو سلسلے جاری فرمائے ایک کتاب اللہ کا اور دوسرا رجال اللہ کا۔

حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ کا نعرہ

یہیں سے ساری گمراہیاں پیدا ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایک فرقہ ہے اس نے کہا:

﴿حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ﴾

یہ بڑا دلکش نعرہ لگایا کہ ہمیں تو اللہ تعالیٰ کی کتاب کافی ہے۔ ظاہر ہے کہ دیکھنے میں تو بڑی اچھی بات معلوم ہوئی ہے۔ اللہ کی کتاب تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے۔ لیکن اس نعرہ لگانے والوں سے پوچھو کہ فن طب کی کتاب گھر میں موجود ہے، جس میں طب کے مضمون ہیں لیکن اس کے پاس استاد کی تعلیم کا نور نہ ہوگا تو یہ کتاب بے کار ہوگی۔ اسی طرح صرف کتاب اللہ کو لے کر یہ کہنا کہ ہمیں پیغمبر کی تعلیمات کی حاجت نہیں۔ معاذ اللہ یہ اندھا پن اور گمراہی ہے۔

بہر حال ایک گروہ تو وہ ہے جو کتاب کو چمٹ گیا اور رجال اللہ یعنی انبیاء علیہ السلام کو چھوڑ دیا۔ اور گمراہی کی غار میں گرا، حقیقت میں رجال اللہ کو چھوڑنے سے کتاب کو چھوڑ دیا، کیونکہ خود کتاب کہہ رہی ہے کہ ہمارے رجال کو دیکھو ہم نے ان کو معلم بنا کر بھیجا۔ ہم نے ان کو نبی بنا کر بھیجا جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں کتاب کو پکڑتا ہوں اور رجال کو چھوڑتا ہوں وہ حقیقت میں کتاب ہی کو نہیں پکڑتا۔ طب کی کتابوں میں یہ بھی لکھا ہوا ہوتا ہے کہ "بغیر طبیب کے مشورے کے دوائیں مت کھانا" اب اگر اس کتاب کو پڑھ کر وہ بات تو بھول گئے اور ساری کتابیں پڑھیں جس میں ہر مرض اور اس کی دوا لکھی ہے اور اپنی مرضی سے اپنا علاج شروع کردیا۔ نتیجہ کیا نکلے گا؟ کہ کل کے بجائے آج ہی مرے گا، ایسا ہی معاملہ ہے ان لوگوں کا جو حسبنا کتاب اللہ کا نعرہ لگا کر رجال اللہ سے لوگوں کو برگشتہ کرتے ہیں۔

صرف رجال بھی کافی نہیں

دوسرے گمراہ لوگ وہ ہیں کہ رجال اللہ میں ایسے گم ہوئے کہ کتاب کو پس پشت ڈال دیا اور یہ کہنے لگے کہ ہمیں تو رجال کافی ہیں۔ ہم نہیں جانتے کتاب اللہ کیا ہوتی ہے اور بس جو رجال اپنے مطلب کے سمجھ میں آئے، ان کو اپنا مقتدا بنالیا، ان کی پرستش شروع کردی۔ یہ نہ دیکھا کہ کتاب نے کیا کہا تھا صرف رجال اللہ کو پکڑ کر بیٹھ گئے۔ کتاب اللہ کو چھوڑ دیا۔ یہ دوسری گمراہی میں داخل ہیں۔

مسلک معتدل

مسلک اعتدال یہ ہے کہ کتاب اللہ کو بھی پکڑو اور رجال اللہ کو بھی پکڑو، کتاب اللہ کو رجال اللہ کی تعلیم و تربیت کی روشنی میں پڑھو تو ہدایت کا راستہ پالو گے، دونوں چیزوں کو جمع کرنے کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے کہ:

﴿ما انا علیہ واصحابی﴾

"ما انا علیہ" سے مراد کتاب اور "اصحابی" سے مراد رجال یعنی یہ کتاب جس پر میں ہوں اس کو پکڑ لینا اور میرے اصحاب کو پکڑلینا۔ جو شخص دونوں چیزیں ایک ساتھ لے کر چلے گا تب ہدایت پائے گا۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہوجائے تو آج ں فنی، نظریاتی اور عملی گمراہیوں کا سدباب ہوجائے۔ جتنے لوگ کتابوں کا مطالعہ کر کر کے دینی راہنما بن گئے۔ کتابوں کا مطالعہ کرلیا تو کہہ دیا کہ ہم بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ ہیں اور نعرہ لگادیا کہ:

﴿ھم رجال ونحن رجال﴾

ہم بھی انسان اور وہ بھی انسان، اور میں بھی وہی کام کروں گا جو وہ کررہے تھے،

انہوں نے جس طرح قرآن وحدیث سے اجتہاد کر کے مسائل بتائے میں بھی بتاؤں گا تو حقیقت میں یہ شخص گمراہ ہے، اور اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے ایک طفل مکتب کھڑا ہو اور ڈاکٹروں کے بارے میں کہے کہ ھم رجال و نحن رجال کہ یہ ڈاکٹر ہماری طرح کا انسان ہے وہ اگر آپریشن کرتا ہے میں بھی کروں گا۔ وہ اگر لوگوں کو کاٹتا ہے تو میں بھی کاٹوں گا۔ ارے احمق وہ تو کاٹتا ہے صحت حاصل کرنے کے لئے۔ طریقہ سے کاٹتا ہے، تو کاٹنے گا تو ذبح کرے گا، لیکن نعرہ یہ بھی لگارہا ہے ھم رجال و نحن رجال تو رجال اللہ کو چھوڑ کر جو نعرے آج کل لگتے ہیں مطالعہ کے بل پر اور استاد سے پڑھے اور سیکھے بغیر دین کو حاصل کرنے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں وہ درحقیقت تیسری گمراہی میں داخل ہیں۔

اگر بالفرض ایسا آدمی جو ذہین ہے اس نے طب کی کتاب کا مطالعہ کیا، اس میں لکھا کہ فلاں مرض کا علاج یہ ہوتا ہے فلاں مرض کا یہ علاج ہے اور اس کے بعد اس نے اپنا مطب کھول لیا، اور دس آدمیوں کا علاج کیا، ان کو فائدہ ہوگیا۔ اب لوگ کہنے لگے کہ اس کے علاج میں بڑا فائدہ ہوتا ہے۔ یہ تو بڑا زبردست ڈاکٹر ہے۔ لوگ اس کے پیچھے لگ گئے، لیکن لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ دس آدمیوں کو اگر فائدہ ہوا تو وہ فائدہ ایک طرف، اگر ایک جان چلی گئی تو وہ نقصان ایک طرف.. کل کو وہ اناڑی پن میں کوئی ایسا کام کرے گا جو اس کی جان لے بیٹھے گا لہٰذا صرف یہ دیکھ کر کہ دس آدمیوں کو فائدہ پہنچا۔ کسی اناڑی کسی غیر ماہر، کسی غیر تربیت یافتہ شخص کے پیچھے لگ جانا عقل مندی نہیں ہے، کیوں؟ اس لئے کہ ہر وقت خطرہ ہے کہ کب گڑبڑ کر جائے اور کسی انسان کی جان لے بیٹھے۔ بڑے نعرے لگتے ہیں کہ صاحب فلاں کی کتاب پڑھ کر لوگ بڑے دین پر آگئے، پہلے بے دین تھے، اب دین دار ہوگئے، نماز نہیں پڑھتے تھے اب نماز پڑھتے ہیں۔ اللہ سے غافل تھے اللہ کے قریب آگئے، وہ تو آدمی اچھا ہے، یہ مولوی لوگ بلاوجہ کہتے ہیں کہ اس کے پیچھے مت جاؤ، اس کی کتاب مت پڑھو، ارے بھائی! ہم نے دیکھا، کتابیں پڑھیں، بہت فائدہ

ہوا۔ بات دراصل یہ ہے کہ اس کی مثال وہی ہے جو میں نے دی ہے کہ ایک آدمی غیر تربیت یافتہ طب کی کتابوں کا مطالعہ کر کے آئے، آٹھ دس آدمیوں کا علاج کرلیا، ان کو فائدہ ہوگیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ ڈاکٹر بن گیا اور اس کے نتیجہ میں لوگوں کو کہہ دیا کہ تم اس سے علاج کروایا کرو۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ کسی وقت گڑبڑ کرے گا اور تمہاری جان لے لے گا۔ اسی طرح یہ شخص بھی جو صرف کتابیں پڑھ کر لوگوں کو دین سکھارہا ہے اور لوگوں کو اس سے فائدہ ہورہا ہے۔ اس کے فائدے سے دھوکہ میں نہ آنا چاہئے۔ اس لئے کسی بھی وقت کوئی بات ایسی کرے گا جس سے کہ تمہارا دین خراب ہوجائے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ دین کس طرح سیکھا؟

اس دین کی اللہ نے فطرت یہ بنائی ہے کہ یہ سینہ بہ سینہ آگے منتقل ہوتا ہے۔ یہ آنکھ سے کتاب کو پڑھ لینے سے نہیں آتا، پڑھانے والے کے سینہ سے پڑھنے والے کے سینہ میں منتقل ہوتا ہے۔ کیا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہما نے کوئی کتاب پڑھی؟ کوئی ڈگری لی؟ کوئی سند حاصل کی؟ کچھ نہیں کیا، بلکہ صفہ میں جاکر پڑگئے، نہ کوئی نصاب ہے، نہ کوئی گھنٹہ ہے۔

وہاں کیا کرتے تھے؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال دیکھا کرتے تھے کہ آپ کیا کررہے ہیں، کیا فرمارہے ہیں۔ ان کو دیکھ دیکھ کر تعلیمات نبوی کا نور ان کے دلوں میں آگیا، پھر اس طرح تابعین پھر تبع تابعین سے لے کر آج تک علم دین سیکھنے کا یہی سلسلہ چلا آرہا ہے اور یہ جو ہم پڑھتے ہیں۔

﴿قال حدثنا فلان حدثنا فلان﴾

یہ سب سند ہے یہ وہ شجرہ طیبہ ہے جس سے ہمارا رشتہ ایمان جاکر سیدھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جڑ جاتا ہے۔

واسطہ کے ذریعہ عطا فرماتے ہیں

ایک کتاب ہے۔ اب اس کتاب کو پڑھنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ آپ اس کا خود مطالعہ کریں اور جو کوئی لفظ سمجھ میں نہ آئے تو لغت میں دیکھ لیں۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہی کتاب استاد کے سامنے بیٹھ کر پڑھیں دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہوگا۔ حالانکہ مطالعہ کے دوران جو بات سمجھ میں آئی تھی استاد صاحب نے بھی وہی بتائی ہو، کوئی فرق نہ ہو پھر بھی جو استاد صاحب سے سنی ہوئی بات ہوگی اس میں جو نور ہوگا اس میں جو برکت ہوگی اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے علم کی تجلیات ہوں گی، وہ کبھی مطالعہ سے حاصل نہیں ہوں گی۔ وجہ یہ ہے کہ استاد کوئی چیز نہیں ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن اس کی سنت یہ ہے کہ وہ جب دیتا ہے تو واسطہ سے دیتا ہے۔ حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی واسطہ سے دیتا ہے۔ کیا اللہ قادر نہیں تھا کہ براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمادیتے۔ مگر آپ اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا، بلکہ جبرئیل امین کو واسطہ بنایا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بات چیت کی تب بھی ایک درخت کو واسطہ بنادیا۔ یعنی شجرہ طور کو، اس میں کیا مصلحت اور کیا حکمت؟ وہ جانے اس کی حکمتیں جانے، لیکن اس کی سنت یہ ہے کہ جب دینا ہوتا ہے تو کسی واسطہ سے دیتا ہے، چاہے یہ واسطہ بے جان ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ یہ درخت، اپنی تجلی فرمانی چاہی تو براہ راست نہیں فرمائی بلکہ کوہ طور پر تجلی فرمائی۔ اس کو واسطہ بنادیا حالانکہ اس کی کوئی حقیقت نہیں اسی طرح استاد کی کوئی حقیقت نہیں مگر اس کو واسطہ بنادیا۔ یہ اس کی سنت ہے۔ دینے کا طریقہ بتادیا کہ اگر لینا ہے تو اس طرح لو، مثلاً یہ کھڑکی دیکھئے! اس سے سورج کی دھوپ اور روشنی آرہی ہے کیا یہ کھڑکی روشنی کو پیدا کررہی ہے کہ کھڑکی روشنی کی علت بن گئی ہو؟ نہیں! روشنی تو درحقیقت باہر سے آرہی ہے لیکن یہ کھڑکی واسطہ بن گئی ہے۔ اسی طرح یہ استاذ واسطہ ہے اگرچہ اس کی ذات کا علم کی

روشنی میں دخل نہیں، لیکن ہمیں روشنی پہنچنے میں اس کی مدد ملتی ہے۔ اس وجہ سے استاد کی قدر و منزلت کا رواج ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے واسطہ بنایا ہے۔

بہرحال! میں جو کہہ رہا ہوں اگرچہ کتاب اللہ نمبر ایک ہے اور حدیث نمبر دو پر ہے۔ لیکن ہمارے لئے عملی نقطہ نظر سے ترتیب یہ ہے کہ حدیث سے پہلے گزریں گے، تب کتاب اللہ تک پہنچیں گے، کیونکہ اس کے بغیر ہم کتاب اللہ کو نہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے علم حدیث جس کا ہم آج آغاز کررہے ہیں جو ہمارے تمام علوم مقصودہ کا مادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کے ساتھ پڑھنے، پڑھانے اور پورے آداب کے ساتھ علم حدیث حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین